الف لیلٰے ہزار داستان میں دنیا کی بہترین کہانیاں
الف لیلٰے
(ہزار داستان مکمل)

الف لیلیٰ

آغاز داستان

اگلے زمانے میں پارس کی حکومت بڑے زوروں پر تھی۔ گرد ونواح کے بہت سے جزیرے بھی اس کے ماتحت تھے۔ جس کی وجہ سے سلطنت بڑی وسیع تھی۔ وہاں کا بادشاہ بڑا عادل تھا جس کے پاس مال وزر بے شمار تھا تمام رعایا بادشاہ سے بہت خوش تھی۔ اس کی سلطنت کا سبزہ گویا موسم بہار کی آغوش موجود تھا۔ اس بادشاہ کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام شہریار اور چھوٹے کا نام شاہ زمان تھا۔ باپ کی وفات کے بعد شہزادے شہریار نے عنان حکومت سنبھالی اور چھوٹے بھائی کو بہت سی فوج وخزانہ دے کر ملک تاتار کی حکومت دی۔ شاہ زمان بڑے بھائی کا شکریہ بجالا کر رخصت ہوا۔ اور دونوں امن وچین کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ایک دفعہ شہریار نے اپنے بھائی کو بلایا۔ شاہ زمان نے وزیر اعظم کو کاروبار حکومت سونپا اور خود بھائی سے ملنے کے لیے سفر پر روانہ ہوا۔ راستے کے پہلے قیام میں کافی رات گزرنے کے بعد کسی ضروری کام کے یاد آنے پر واپس آنا پڑا۔ چنانچہ رات کو دو ملازمان خاص کے ہمراہ چپ چاپ محل میں داخل ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک نہایت دل خراش نظارہ دیکھا کہ اس کی ملکہ اپنے غلام کے ساتھ محو خواب ہے۔ اس کی غیرت نے لمحہ بھر توقف کی اجازت نہ دی اور فوراً تلوار کھینچ کر دونوں کے سر قلم کر دیے۔ ان کے قتل کے بعد خاموشی سے اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

شاہ زمان کا اپنی ملکہ اور غیر مرد کو قتل کرنا

شاہ زمان نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کیا۔ وہ اس غم وغصہ کی حالت میں سفر کرتا رہا۔ ملکہ کی بدکاری کا دل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ طبیعت ہر وقت مغموم اور اداس رہنے لگی۔ القصہ تمام راستہ اسی رنج والم میں کٹا۔ جب وہ شہریار کی سرحد کے قریب پہنچا تو بڑے بھائی شہریار نے بمعہ امراء وزرا بڑی شان وشوکت سے بھائی کا استقبال کیا اور ایک خاص محل میں ٹھہرایا۔ جہاں ہر قسم کے سامان آرام وراحت مہیا تھے۔ بڑے بھائی شہریار نے باتوں ہی باتوں میں ملکہ شاہ زمان کی خیریت دریافت کی۔ شاہ زمان نے جب یہ بات سنی تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور کچھ عجیب سی حالت نظر آنے لگی۔ بڑے بھائی نے خیال کیا کہ شاید ملکہ کی یاد ستا رہی ہے۔ لہٰذا یہ سلسلہ گفتگو یہیں ختم کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد شہریار نے دیکھا کہ شاہ زمان کی طبیعت بدستور اداس ہے اور زندگی کی ہر لذت بے کیف نظر آتی ہے۔ جب شہریار اپنے چھوٹے بھائی کو آزردہ دیکھتا تو خود بھی شکستہ خاطر ہو جاتا۔ جب بھائی سے ناسازی طبیعت کے متعلق دریافت کرتا۔ تو شاہ زمان ادھر ادھر کی باتوں میں ٹال دیتا۔

اگر شہریار سیر وشکار کے لیے کہتا تو وہ کوئی اور بہانہ کر دیتا۔ ایک دن شہریار نے شاہ زمان سے کہا۔ کہ تم آج میرے ساتھ سیر وشکار کے لیے چلو۔ تمہیں فرحت حاصل ہو گی۔ لیکن شاہ زمان نے ناسازی طبیعت کا عذر پیش کیا۔ ناچار شہزادہ شہریار اپنے مصاحبین کے ہمراہ سیر وشکار کو روانہ ہوا۔ شاہ زمان اپنے کمرے کے دروازے بند کر کے چھپ کر ایسی جگہ بیٹھ گیا۔ جہاں سے شہزادہ شہریار کے باغ کے چاروں کونے صاف نظر آئیں۔

رات کے وقت اچانک شہریار کے محل کا چور دروازہ کھلا اور بیس عورتیں پر تکلف لباس پہنے باغ کے درمیان پہنچ گئیں۔ جنہیں شاہ زمان اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ لیکن شہزادہ شاہ زمان خود ایسی جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ باغ سے کوئی شخص اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ان سب عورتوں میں سے دس نے اپنا لباس اتار دیا۔ اب شاہ زمان نے دیکھا۔ جن عورتوں نے اپنا لباس

اتارا ہے۔ دراصل وہ حبشی مرد ہیں۔ پھر ان حبشیوں نے پہچان کر ایک ایک عورت کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اتنے میں ملکہ شہریار بھی باغ میں داخل ہوئی اور مسعود مسعود پکارتی ہوئی آگے بڑھی اتنے میں ایک قوی ہیکل حبشی جو کہ شاید اس کی آواز پہچانتا تھا۔ دوڑ کر آیا جسے دیکھ کر ملکہ بہت خوش ہوئی۔ غرض ان سب نے بے حیائی کو جامہ پہنایا۔

ملکہ شہریار و حبشی مسعود

اس کے بعد سب نے حوض میں غسل کیا۔ اور اپنا اپنا راستہ لیا۔ مسعود اپنے خاص راستے سے اپنی جائے رہائش پر پہنچ گیا۔ لیکن یہ نظارہ شاہ زمان کے دل پر آبحیات کا کام کر گیا اور ان کی بے حیائی نے شاہ زمان کے غم وغصے کے داغ دھوڈالے۔ اس نے دل میں کہا کہ دنیا میں صرف میں ہی مصیبت زدہ نہیں ہوں۔ بلکہ میرا بھائی مجھ سے بھی زیادہ گرفتار الم ہے۔ وہ ایسی شان وشوکت کے باوجود بھی اس مکر وفریب کی حفاظت نہ کر سکا۔ شاہ زمان نے سمجھ لیا کہ عورتوں کی فطرت ہی ایسی ہے اور بے وفائی ان کی رگ رگ میں داخل ہے۔ لہٰذا اس کا سارا غم جاتا رہا اور اسے یقین ہو گیا کہ عورت اپنے شوہر سے خیانت کرتی ہے لہٰذا اس نے فوراً سامان خورد ونوش طلب کیا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ جس چہرے پر ہر وقت حسرت وغم برستا رہتا تھا۔ اب اس پر فارغ البالی کی سرخی ناچنے لگی اور جو چہرہ غمزدہ معلوم ہوتا تھا۔ اس پر بہار کی رنگینی برسنے لگی اور چند دنوں میں صحت کلی حاصل ہوئی اور خوش وخرم نظر آنے لگا۔

چند روز کے بعد جب شہزادہ شہریار شکارگاہ سے واپس آیا تو چھوٹے بھائی کی حالت میں نمایاں تبدیلی دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ دونوں بھائی بڑے پیار ومحبت کی باتیں کرنے لگے۔ الغرض شہریار نے بھائی کی طبیعت میں غیر معمولی تبدیلی دیکھ کر تعجب ظاہر کیا۔ اور پوچھا کہ یہ کیا راز ہے؟ جب تم آئے تھے تو تمہاری طبیعت بہت مغموم تھی۔ لیکن اب تمہاری طبیعت پرسکون دیکھتا ہوں۔ اب مجھے بتاؤ کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ پہلے تو شاہ زمان نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ لیکن جب حد سے زیادہ بھائی کا اصرار بڑھ گیا تو شاہ زمان نے سارا

واقعہ کہہ سنایا۔ شہریار کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اور کہا کہ میں اپنی آنکھوں سے بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ تب شاہ زمان نے کہا کہ کسی روز آپ شکار پر جانے کا اعلان کریں۔ اور آپ روانہ بھی ہو جائیں اور پھر رات کو اچانک محل میں واپس آ کر یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔ چنانچہ اسی طرح طے شدہ انتظام پر عمل کر کے محل میں دونوں بھائی بیٹھ گئے رات کے وقت حسب دستور چور دروازہ کھلا اور ملکہ پروگرام تمام ساتھیوں کے ہمراہ آ گئی اور پہلے کی طرح عیش کر کے چلی گئی۔ شہریار کی دنیا اندھیر ہو گئی دونوں بھائیوں نے فیصلہ کر لیا کہ تاج و تخت چھوڑ کر فقیرانہ زندگی بسر کریں۔ لیکن شاہ زمان نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ ہمیں اپنے سے بھی زیادہ بدنصیب ملا تو ہم بدستور اپنا فرض سنبھال لیں گے۔ شہریار نے اس شرط کو منظور کر لیا چنانچہ دونوں بھائی رات کو جنگل کی طرف نکل گئے۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک وسیع النظر مرغزار میں پہنچے اور ستانے کے لیے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ یہ درخت برلب دریا تھا ابھی ان کو بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دریا سے ایک خوفناک آواز سنائی دی۔ جسے سن کر دونوں بھائیوں کے دل دہل گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دریا کے پانی سے ایک سیاہ رنگ کا ستون نکلنے لگا اور اس قدر بلند ہوا کہ آسمان تک پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر دونوں بھائی درخت پر چڑھ گئے پھر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ستون ایک خوفناک جن کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔

جس کے سر پر ایک بہت خوبصورت اور مضبوط صندوق ہے۔ وہ جن بمعہ صندوق اسی درخت کے نیچے آیا اور صندوق کھولا۔ اس میں سے ایک نہایت ہی خوبصورت خوش پوش عورت نکلی۔ دیو نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور کہنے لگا کہ اے نازنین میں تجھ پر دل و جان سے عاشق ہوں۔ اس لیے میں شادی کی رات تجھے اٹھا لایا تھا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو ایک شرم و حیادار باعصمت عورت ہے۔ اس وقت مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تھوڑا سا آرام کر لوں۔ یہ کہہ کر دیو اس عورت کے زانوں پر سر رکھ کر سو گیا اور خراٹے لینے لگا۔

نازنین اور جن

اچانک اس عورت کی نظر دونوں شہزادوں پر پڑی۔ جہاں یہ دونوں بھائی بیٹھے تھے۔ فوراً اشارے سے عورت نے بلایا کہ نیچے اتر آؤ۔ ورنہ میں ابھی دیو کو جگاتی ہوں۔ شہزادوں نے اشارے کیے کہ ہمیں معاف کر دو۔ دیو کا سر عورت نے آہستہ سے زمین پر رکھا اور انہیں دھمکی دی کہ میرے پاس آؤ۔ ورنہ تمہیں مروا دوں گی۔ یہ سن کر وہ چپکے سے اتر کر عورت کے پاس آئے۔ عورت نے دونوں کو داد عیش پر مجبور کیا۔ وہ ڈر کے مارے عورت کی بات مانتے رہے۔ فراغت کے بعد عورت نے دونوں کی انگوٹھیاں لے لیں اور صندوق سے ایک دھاگہ نکالا۔ جس میں بہت سی انگوٹھیاں تھیں ان کو بھی اس میں پرو لیا۔ اور کہنے لگی کہ یہ دیو بیوقوف ہے اور یہ اپنے انتظام پر خوش ہے۔ لیکن میں اس کی کڑی نگرانی کے باوجود بھی بمعہ تمہارے آج تک پورے تین سو جوانوں سے مل چکی ہوں جن کی یہ انگوٹھیاں بطور نشانی میرے پاس موجود ہیں اور یہ کم بخت دیو مجھے سمندر میں چھپائے رکھتا ہے۔ تاکہ باعصمت رہوں لیکن جب میرا جی چاہتا ہے۔ تو میں اپنی خواہش پوری کر لیتی ہوں، اور اسے خبر تک نہیں ہوتی۔ اس کے بعد اس نے شہزادوں کی طرف اشارہ کیا۔ کہ اب کہیں بھاگ جاؤ۔ اور خود اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ یہ واقعہ دیکھ کر شہزادے، بہت حیران ہوئے اور حسب وعدہ یہ سوچ کر کہ اس دیو کی مصیبت ان سے زیادہ ہے اپنے دارالحکومت کی طرف متوجہ ہوئے۔ شہریار نے محل میں آتے ہی ملکہ کو بمعہ خواصوں کے قتل کر دیا۔ اور آئندہ کے لیے عہد کر لیا کہ ہر شب کسی نئی عورت سے نکاح کرے گا۔ اور باعث مکر و فریب صبح ہی اسے قتل کر دے گا۔ القصہ یہ تجویز کے بعد شہریار نے شاہ زمان کو تحائف دے کر رخصت کیا اور اپنے [illegible] پر عمل کر کے چند روز میں اپنے امراء و اکابرین کی لڑکیوں کو یکے بعد دیگرے ختم کر دیا۔ [illegible] اس ظلم کا شکار ہوتے گئے۔ بعض لوگ ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس وزیر کی دو لڑکیاں تھیں۔ جو کہ نہایت شگفتہ ہونے کے علاوہ علم میں یکتائے زمانہ تھیں اور حسن میں بھی بے مثال تھیں۔ بڑی کا نام شہرزاد اور چھوٹی کا نام دینازاد تھا۔ ایک

دن شہزادی نے اپنے باپ کو غمگین پا کر وجہ دریافت کی تو وزیر نے بادشاہ کا خیال اس پر ظاہر کیا۔ شہزادی نے کہا کہ میں بھی مدت سے بادشاہ سے نکاح کی آرزومند ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ اس کے ظلم کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب رہوں گی۔ باپ نے کہا۔ کہ بیٹی شاید تو پاگل ہوگئی ہے تو کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگی۔ اور میں دانستہ تمہیں موت کے منہ میں نہیں جانے دوں گا۔ اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیرا بھی حال اس سوداگر کے گدھے جیسا نہ ہو۔ جس طرح اسے اپنی نادانی کی سزا بھگتنی پڑی۔ شہزادی نے کہا کہ ابا حضور مجھے اس گدھے کی حکایت سنایئے کہ وہ کیا ہے۔ اور وزیر نے یوں بیان کرنا شروع کیا۔

نادان گدھا اور بیل

ایک سوداگر بڑا مالدار تھا۔ جو جانوروں کی بولی سے اچھی طرح واقف تھا۔ ایک دن اس نے مویشی خانے میں گدھا اور بیل کو آپس میں باتیں کرتے سنا۔ بیل نے گدھے سے کہا تم خوش قسمت ہو اور میں سارا دن ہل چلاتا ہوں۔ اور تم مزے میں رہتے ہو۔ گدھے نے کہا کہ میرا کہنا مانو تو تم بھی آرام پاؤ گے۔ کل کام کے وقت بیمار بن جانا تو مالک تم سے کام نہ لے گا۔ بیل نے خوش ہو کر تجویز پر پورا عمل کرنے کا یقین دلایا۔

گدھے اور بیل کی بات چیت

سوداگر نے ان دونوں کی باتیں سن لیں اور چپ رہا۔ دوسرے دن ملازم نے بیل کے بیمار ہونے کی اطلاع دی۔ سوداگر مسکرایا اور کہا کہ آج گدھے کو لے جاؤ۔ نوکر گدھے کو لے گیا۔ اور شام تک کام لیا۔ رات کو جب گدھا آیا تو بیل نے بہت شکریہ ادا کیا۔ کہ تمہاری تجویز خوب رہی اور مجھے آرام کرنے کا موقع مل گیا گدھا دن بھر کی مشقت سے چور چور تھا۔ اس وقت تو چپ رہا۔ لیکن جی میں سوچتا رہا کہ اچھی نصیحت کی کہ خود بلا میں پھنس گیا۔

وزیر نے یہ قصہ بیان کر کے شہزادی سے کہا کہ بیٹی تو بھی اس ناصح گدھے کی طرح اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتی ہے۔ لڑکی نے کہا کہ میں نے جو ارادہ کرلیا ہے اسے ضرور پورا کروں گی۔ وزیر نے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تم سے وہی سلوک کرنا پڑے جو اس سوداگر کو اپنی بیوی سے کرنا پڑا تھا۔ شہزادی نے کہا آپ مجھے سوداگر کی حکایت سنایئے اور یہ بھی بتایئے کہ اس گدھے کا کیا حال ہوا۔

وزیر نے کہا کہ اگلے روز صبح سویرے سوداگر پھر مویشی خانہ پہنچا۔ تاکہ گدھا اور بیل کا معاملہ دیکھے آج اتفاقاً اس کی بیوی بھی ساتھ تھی۔ اس وقت گدھا بیل سے پوچھ رہا تھا کہ آج کیا کرو گے۔ بیل نے کہا آج بھی میں بیمار رہوں گا۔ تو گدھے نے کہا کہ نہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ مالک کہہ رہا تھا کہ اگر بیل تندرست نہ ہوا تو اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آج اچھی طرح اپنے کام پر چلے جاؤ۔ ورنہ جان کا خطرہ ہے سوداگر یہ سن کر ہنس پڑا۔ اس کی بیوی نے متعجب ہو کر پوچھا آپ کیوں ہنسے سوداگر نے جواب دیا کہ بیل اور گدھے کی باتوں پر ہنسی آ گئی۔ تو بیوی نے دریافت کیا۔ ان میں کیا گفتگو ہوئی۔ سوداگر کہنے لگا۔ یہ ایک راز ہے کہ اگر میں ظاہر کردوں تو اس میں میری جان کو خطرہ ہے۔ بیوی نے اصرار کیا اور کہنے لگی کہ تم بہانے کرتے ہو اگر صحیح بات نہ بتاؤ گے تو میں اپنے آپ کو قتل کردوں گی سوداگر نے ہر چند اس کو سمجھانا چاہا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑی رہی اور ساتھ ہی رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ سوداگر دیکھ کر پریشان ہوا کہ اگر اس کو بتاتا ہوں تو میری زندگی پہ حرف آتا ہے نہیں بتاتا تو جان کھوتی ہے اس فکر میں کھڑا تھا۔ کہ کتے نے مرغ سے کہا تو آج بھی اپنی مرغیوں سے بدمستی کر رہا ہے مرغ بولا کہ کیوں آج کیا بات ہے۔ کتے نے کہا کہ آج ہماری ملکہ مالک سے ایسا راز دریافت کرنے پر اصرار کر رہی ہے کہ اگر بتا دیا جائے تو مالک کی خیر نہیں۔ اگر مالک نہیں بتاتا تو ملکہ جان دینے کو تیار ہے۔ مرغ بولا کہ مالک بیوقوف ہے جو ایک بیوی کو قابو نہیں رکھ سکتا مجھے دیکھو پچاس مرغیوں کو سنبھال رکھا ہے اگر میری مرضی کے خلاف ذرا بھی کام کریں تو مار مار کر سیدھا کردوں۔ مالک جس قدر سستی کریں گے عورت اتنا ہی سر پر چڑھے گی۔ یہ سن کر مالک نے ہنٹر اٹھایا اور بیوی کو مارنا شروع کر دیا عورت ڈر گئی اور سوداگر کے قدموں میں گر کر معافی مانگی کہ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کروں گی۔

یہ حکایت بیان کر کے وزیر نے کہا کہ بیٹی اگر تو اپنی ضد نہیں چھوڑے گی۔ تو مجھے تیرے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا پڑے گا۔ شہرزاد نے کہا کہ میری درخواست منظور کر لیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنی ہزاروں بہنوں کی جان بچا لوں گی۔ اگر اس کار ثواب میں میری جان بھی چلی گئی۔ تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ مجبوراً وزیر بادشاہ کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ کہ حضور آئندہ شب میری لڑکی حضور کی دلہن بنے گی۔

بادشاہ نے تعجب سے کہا کہ تمہیں میرا دستور معلوم ہے کیا تم یہ امید کرتے ہو کہ اس معاملہ میں تمہاری بیٹی سے رعایت کروں گا۔ یہ سمجھ لو میرا عہد ایسا نہیں ہے کہ میں کسی کے لیے توڑ دوں وزیر نے کہا کہ حضور کو اختیار ہے وزیر گھر واپس آیا اور بیٹی کو کل ماجرا سنا دیا وہ بولی کہ آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے اس نے اپنی چھوٹی بہن دینازاد کو بلایا اور سمجھایا کہ آج میں اس ارادے سے جا رہی ہوں کسی بہانے سے تمہیں بھی بلاؤں گی۔ جب تھوڑی رات باقی رہے تو تم کہانی سنانے پر اصرار کرنا۔ اس وقت میں کوئی کہانی شروع کر دوں گی۔ امید ہے کہ اس طرح میری اور میرے ساتھ دوسری بہت سی لڑکیوں کی جان بچ جائے گی۔ حسب وعدہ بادشاہ نے شہرزاد سے نکاح کر لیا۔ رات کو جب بادشاہ نے شہرزاد کو دیکھا۔ تو اس کی خوبصورتی پر بہت پیار آیا۔ لیکن شہرزاد نے بادشاہ کو موقع نہیں دیا۔ کہ وہ اپنی تشنہ آرزو کی پیاس بجھائے۔ بلکہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ بادشاہ نے حال دریافت کیا۔ تو رو کر کہنے لگی۔ کہ یہ تو میں جانتی ہوں کہ مجھے آپ صبح قتل کرا دیں گے اس لیے چاہتی ہوں کہ اپنی چھوٹی بہن کو اپنے پاس بلا لوں۔ اور جی بھر کے دیکھ لوں۔ بادشاہ چونکہ اس کو دل سے چاہنے لگا تھا یہ سن کر خاموش ہو گیا اور دینازاد کو بلانے کی اجازت دے دی۔

شہرزاد نے اپنی تجویز کے مطابق بہن کو بلایا۔ اور اپنے ہی کمرے میں اس کو بھی لٹایا بادشاہ چونکہ شہرزاد سے محبت کرنے لگا تھا۔ اس لیے طرح دیتا رہا کہ اپنے عہد کے مطابق صبح ہی اس کو قتل کرنا پڑے۔

بادشاہ کے ساتھ شہزاد اور دنیازاد

آدھی رات گزرنے پر دنیازاد نے کہا کہ بہن خدا جانے صبح کو کیا ہو، آپ آخری کہانی سنا دیجئے پریشانی میں نیند نہیں آتی۔ شہزادی بولی کہ شہنشاہ اجازت دیں کہ میں کوئی قصہ کہوں۔ بادشاہ بھی کہانیوں کا بہت شائق تھا۔ اجازت دے دی۔ شہرزاد نے یہ کہانی شروع کر دی۔

سوداگر اور جن

پہلے زمانے میں ایک نوجوان سوداگر تھا جو بڑا دولت مند تھا۔ ایک مرتبہ وہ کسی کام کے لیے سفر کر رہا تھا۔ راستے میں ایک سایہ دار درخت دیکھ کر ذرا ستانے کو بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ ہیبت ناک شکل کا جن ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سخت غصہ وغضب کی حالت میں نمودار ہوا اور کہنے لگا کہ تو نے جو کھجور کی گٹھلیاں پھینکی ہیں ان میں سے ایک گٹھلی میرے لڑکے کے لگ گئی جس سے وہ مر گیا۔ اب میں تجھے اس انتقام میں قتل کر دوں گا۔ سوداگر بہت گھبرایا۔ جن سے کہنے لگا کہ آپ مجھے ایک سال کی مہلت دیجئے تاکہ میں اپنی جائیداد اور دولت کا انتظام کر لوں اور قرض خواہوں کا قرضہ ادا کر دوں۔

سال گزرنے کے بعد اس جگہ حاضر ہو جاؤں گا پھر آپ کو اختیار ہے جو چاہے سزا دیجئے گا جن نے یہ بات منظور کر لی۔ سوداگر اپنے وطن کو واپس لوٹ آیا اور سب حساب بے باک کیا اور بیوی بچوں کو سمجھایا۔ آخر سال پورا ہونے پر سب کو روتا چھوڑ کر حسب وعدہ اس درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گیا ابھی اس کو آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بوڑھا شخص ایک ہرنی کے گلے میں رسی ڈالے سامنے آیا۔ اور کہا کہ میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ اور اس دہشت ناک جنگل میں تنہا بیٹھے کیا کر رہے ہیں۔

سوداگر نے اپنی بپتا سنائی۔ بوڑھا کہنے لگا کہ جب تک تمہارے معاملہ کا انجام نہ دیکھ لوں۔ میں آگے نہیں جاؤں گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص دو کتوں کی زنجیر پکڑے ہوئے آیا۔ اور حال دریافت کرنے لگا جب اس نے یہ قصہ سنا تو وہ بھی ٹھہر گیا۔ اور اس کے بعد ایک اور آدمی ایک خچر کو ساتھ لیے ہوئے پہنچا اور وہ بھی ان لوگوں کو دیکھ کر وہیں رک گیا۔

ان سب لوگوں نے ابھی اچھی طرح گفتگو بھی نہیں کی تھی کہ سامنے سے گرد و غبار بلند ہوا اور وہی ہیبت ناک جن ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ آج تمہاری مہلت ختم ہو گئی۔ اب میں تم کو قتل کر دوں گا۔ غریب سوداگر رونے لگا۔ جن نے قتل کا ارادہ کیا۔ تو ہرنی والا بوڑھا آگے بڑھا اور جن کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ کہ اے جنوں کے بادشاہ میری اور اس ہرنی کی عجیب و غریب کہانی ہے میں آپ کو سناتا ہوں تو کیا اس سوداگر کا ایک تہائی گناہ معاف کر دیں گے۔ جن نے کچھ دیر سوچنے کے بعد منظور کر لیا۔ ہرنی والے بوڑھے نے اپنی داستان اس طرح بیان کرنی شروع کی۔

جن، ہرنی، کتے اور خچر کی کہانی (ہرنی والا بوڑھا)

اے جنوں کے بادشاہ، دراصل یہ ہرنی میرے چچا کی لڑکی اور میری بیوی ہے۔ اب سے تیس چالیس سال پہلے اس سے میری شادی ہوئی تھی۔ کافی مدت گزر جانے کے بعد اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آخر میں نے ایک لونڈی خریدی۔ جس کے بطن سے ایک لڑکا ہوا۔ پندرہ سال تک ہم سب عیش و آرام سے رہتے رہے۔ اتفاقاً اس زمانے میں مجھے ایک سفر پر جانا پڑا۔ میں نے لڑکے اور لونڈی کو اپنی بیوی کے سپرد کیا۔ اور خود سفر پر چلا گیا۔ لیکن اس بدبخت نے میرے جانے کے بعد سحر سے باندی کو گائے اور لڑکے کو بچھڑا بنا کر گوالوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب میں واپس آیا اور ان دونوں کے متعلق دریافت کیا تو یہ کہنے لگی۔ کہ باندی کا تو انتقال ہو گیا۔ اور بچہ معلوم نہیں کہاں بھاگ گیا۔ میں نے ہر چند تلاش کیا۔ لیکن کوئی پتہ نہ ملا۔

یہ حال دیکھ کر مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ لیکن صبر کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ اسی اثنا میں عید

قربانی آ گئی۔ اور میں نے ایک عمدہ گائے قربانی کے لیے خریدی۔ حسن اتفاق سے وہ وہی گائے تھی۔ جو میری بیوی نے جادو کے اثر سے بنائی تھی۔ جس وقت میں ذبح کرنے لگا تو گائے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور مجھے اس پر رحم آیا اور خادموں سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور دوسرا جانور لے آؤ۔ لیکن میری بیوی نے جو دراصل اس کو جانتی تھی مجھ پر زور دیا کہ اچھی موٹی تازی گائے ہے۔ اس کو ذبح کرو۔ چنانچہ میں نے اس کو نوکر کے ہاتھ سے ذبح کرا دیا۔ لیکن جس وقت قصاب نے اس کو صاف کیا تو گوشت بالکل نہ نکلا۔ صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں۔ مجھے بہت تعجب ہوا۔ لیکن خاموش رہا۔ اور دوسرا جانور منگایا۔ اب کی مرتبہ ایک بچھڑا لایا گیا۔ میں جب اس کے قریب گیا تو اس نے اپنا منہ میرے پیروں پر رکھ دیا اور رحم طلب نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور دوسرا بیل منگا کر ذبح کر دیا۔ گو میری اس ظالم بیوی نے اس کو ذبح کرنے پر بھی زور دیا۔ لیکن میں نہ مانا۔ چند روز بعد ایک گھوسی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری لڑکی سحر جانتی ہے۔ جب میں آپ کا بچھڑا جو آپ نے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے گھر لے گیا۔ تو وہ کہنے لگی کہ یہ دراصل جانور نہیں۔ بلکہ فلاں سوداگر کا لڑکا ہے۔ اور اس کی بیوی نے اس کو سحر کے زور سے بچھڑا بنا دیا ہے۔ اور اس کی ماں بھی گائے بنائی گئی تھی۔ جو عید کے روز ذبح کر دی گئی۔ یہ حال سن کر میرا دل بیٹھ گیا اور اتنا سخت صدمہ ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ خیر میں اس وقت پڑوسی کے گھر آیا اور اس لڑکی سے کہنے لگا۔

بیٹی اگر تم کسی طرح اسے دوبارہ انسان بنا دو۔ تو میں تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ زندگی بھر کسی محنت کی ضرورت نہ رہے گی۔ لڑکی نے کہا میں کسی دولت کی طالب نہیں۔ لیکن دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ جب میں آپ کے لڑکے کو انسان بنا دوں تو میری شادی اس کے ساتھ منظور کر لیجئے۔ دوسری یہ کہ جس عورت نے اس کو بچھڑا بنایا ہے اس کو سزا دینے کی اجازت دیجئے میں نے اس کی دونوں شرطیں منظور کر لیں۔ لڑکی اٹھی اور ایک برتن میں پانی لیا۔ پھر اس پر کچھ پڑھا اور اس بچھڑے پر چھڑکا فوراً ہی بچھڑا انسانی شکل میں آ گیا۔ میں نے اپنے لڑکے کو سینے سے لگا لیا۔ اور اسی وقت اس لڑکی کی شادی اس سے کر دی۔ بعد میں اس لڑکی نے میری بیوی کو فوراً اپنے سحر سے ہرنی بنا دیا۔ چنانچہ یہ وہی ہرنی ہے۔ جو اس وقت میرے ساتھ ہے۔ اتفاقاً آج میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ اس سوداگر کو یہاں تنہا

دیکھ کر اس کے پاس چلا آیا اور اس کے حالات سن کر اس کا انجام دیکھنے کو ٹھہر گیا۔ آپ نے
میری درد بھری داستان سنی اور امید ہے آپ حسب وعدہ اس سوداگر کا تہائی قصور معاف
فرمائیں گے۔ جن نے کہا واقعی تمہاری داستان تعجب خیز ہے اور میں اس سوداگر کا تہائی قصور
معاف کرتا ہوں۔ اس وقت دوسرا شخص جس کے ساتھ دو کتے تھے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔
اے شاہ جن۔ میری کہانی اس سے بھی حیرت ناک ہے۔ اگر آپ اس سوداگر کا تہائی قصور
معاف کرنے کا وعدہ کریں۔ تو میں اپنی کہانی عرض کروں۔ جن نے کہا کہ اگر واقعی قصہ عجیب
ہوا تو میں اس کا ایک تہائی قصور معاف کر دوں گا۔ چنانچہ دوسرا شخص اپنا قصہ بیان کرنے لگا۔

کتوں کا مالک

دراصل یہ دونوں کتے میرے حقیقی بھائی ہیں۔ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو ہم
تینوں بھائیوں کو پانچ ہزار دینار وراثت سے ملے میں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ لیکن یہ
دونوں بھائی روپیہ لے کر کسی دوسری جگہ چلے گئے۔ تقریباً ایک سال کے بعد میرا بڑا بھائی
انتہائی مفلسی اور تباہی سے بھیک مانگتا ہوا میری دکان پر آیا میں نے پہچان کر اس کو نہایت
ادب سے بٹھایا اور اس کی داستان مصیبت سنی۔ اور پھر اسے ہزار دینار دے کر دوبارہ کام
شروع کرا دیا۔ اس اثنا میں دوسرا بھائی بھی پریشان حال میرے پاس پہنچا اور جہاں تک ممکن
ہو سکتا تھا۔ میں نے اس کی بھی دل جوئی کی۔ اور اس کو بھی ایک ہزار دینار دے کر تجارت
شروع کرا دی۔ کچھ دنوں کے بعد ان دونوں بھائیوں نے مجھ سے کہا کہ باہر مال لے کر چلتے
ہیں کیونکہ اس میں زیادہ نفع کی امید ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔ لیکن دونوں نے اتنا اصرار کیا
کہ مجھے مجبوراً تیار ہونا پڑا۔ لیکن مال کی خرید کا وقت آیا تو معلوم ہوا دونوں بھائی میرا دیا ہوا
سرمایہ بھی برباد کر چکے ہیں۔ خیر میرے پاس اس وقت چھ ہزار دینار موجود تھے۔ تین ہزار کا
مال تجارت خریدا اور ہم تینوں بھائی سفر پر روانہ ہو گئے۔ ایک ماہ کے سفر کے بعد ایک شہر میں
پہنچ کر ہم نے اپنا مال معقول منافع پر فروخت کیا۔ اور وہاں سے دوسرا مال خرید کر واپس چلنے
کے لیے سمندر کے کنارے آ گئے لیکن اس سے پہلے کہ جہاز پر سوار ہوں۔ ایک بہت حسین

لڑکی میرے پاس آئی اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنے لگی۔ کہ میں بے یار و مددگار ہوں
کیا آپ مجھے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اس سے نکاح کر لیا۔
اور اپنے ساتھ جہاز پر سوار کر لیا میری بیوی بے حد فرمانبردار اور بڑی نیک خصلت تھی۔ مجھے
اس سے محبت ہو گئی۔ مگر میرے یہ دونوں بھائی نہ جانے کیوں ہم سے حسد کرنے لگے۔
چنانچہ ایک دن موقع پا کر ان دونوں نے مجھے اور میری بیوی کو سمندر میں گرا دیا لیکن میری
بیوی جو حقیقت میں پری تھی۔ مجھ کو بچا لیا اور کہنے لگی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ کہ تمہارا
امتحان لینا چاہیے کہ تم کو غریبوں اور مصیبت زدوں کا بھی کچھ خیال ہے یا نہیں۔
چنانچہ میں ایک پریشان حال لڑکی کی شکل میں تمہارے پاس آئی۔ چونکہ تم نے اس
وقت میرے ساتھ بہت شریفانہ سلوک کیا۔ اس لیے میں تمہیں کچھ انعام بھی دینا چاہتی
ہوں۔ یہ میری خوشی ہے۔ لیکن تم پر تمہارے بھائیوں نے ظلم کیا ہے۔ لہٰذا اس کی سزا بھی ان
کو ضرور دوں گی۔ میں نے کہا بے شک ان کا قصور تو بڑا سنگین ہے لیکن آخر یہ میرے بھائی
ہیں اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ تم ان کو سخت سزا نہ دو۔ بلکہ تنبیہہ کرو۔ کہ آئندہ ایسی حرکت
نہ کریں تو پری نے یہ بات مان لی۔ اس کے بعد اس نے ذرا سی دیر میں مجھے میرے مکان
میں پہنچا دیا۔ اور خود غائب ہو گئی۔ شام کو جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ گھر میں دو کتے زنجیر
سے بندھے ہوئے بیٹھے تھے اور مجھے ان کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ یہ کتے میرے قدموں پر لوٹنے
لگے تھوڑی دیر میں وہ پری آئی اور کہنے لگی۔ کہ یہ کتے تمہارے وہی بھائی ہیں۔ جنہوں نے تم
سے اور مجھ سے بدسلوکی کی تھی۔ اور اب یہ دس سال تک کتے کے قالب میں رہیں گے اس
دن سے ہر وقت ان کو اپنے ساتھ رکھتا ہوں اور اب دیکھئے کہ کب دس سال کی مہلت پوری
ہوتی ہے اور یہ انسانی قالب میں آتے ہیں۔
میں بھی ادھر سے گزر رہا تھا۔ جہاں یہ ہرنی والے بزرگ اور یہ جوان بیٹھے ہیں۔ ان
کا حال سن کر انجام معلوم کرنے کو ٹھہر گیا۔ امید ہے کہ میرا قصہ آپ کو پسند آیا ہو گا۔ اور آپ
حسب وعدہ اس سوداگر کا تہائی قصور اور معاف کر دیں گے۔ چنانچہ اس جن نے اس کا ایک
تہائی قصور اور معاف کر دیا۔ اب تیسرا شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ آپ نے دونوں کا قصہ سن کر دو
تہائی قصور سوداگر کا معاف کر دیا ہے میرا بھی قصہ پر درد ہے۔ اگر آپ باقی تہائی قصور بھی
معاف کرنے کا وعدہ فرمائیں۔ تو میں بھی اپنی سرگزشت سناؤں۔ جن نے منظور کر لیا۔
چنانچہ خچر والے مسافر نے اپنی کہانی اس طرح شروع کی۔

خچر والا مسافر

یہ جو خچر آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ میری بیوی ہے۔ قصہ یوں ہے کہ ایک دفعہ میں سفر پر گیا اور تقریباً ایک برس کے بعد واپس آیا آدھی رات کے قریب میں گھر پہنچا۔ جب میں اندر گیا تو دیکھا کہ میری یہ بیوی اپنے غلام کے ساتھ ہم آغوش ہے۔ اتفاق سے یہ اس وقت جاگ رہی تھی مجھے دیکھتے ہی اٹھی اور ایک برتن میں پانی لے کر اس پر کچھ پڑھا اور وہ پانی مجھ پر پھینک دیا۔ میں اس وقت کتے کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اور پھر اس نے مجھے مار کر گھر سے نکال دیا اور پھر میں گھر سے نکل کر در بدر پھرتا رہا۔ شام کو ایک قصاب کی دوکان پر جا کر کھڑا ہو جاتا۔ وہ کچھ ہڈیاں اور چھیچھڑے میرے آگے ڈال دیتا اور انہی کو کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا لیتا۔ ایک روز قصاب حسب معمول دوکان بند کر کے گھر چلا گیا۔ تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ جب ہم گھر کے اندر پہنچے تو قصاب کی لڑکی نے مجھے دیکھ کر پردہ کر لیا۔ اور باپ سے کہنے لگی کہ آپ نامحرم کو کیوں ساتھ لا رہے ہیں۔ قصاب نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا کہ یہاں تو کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے۔ لڑکی نے کہا یہ کتا جو آپ کے ساتھ آیا ہے دراصل یہ انسان ہے۔ اس کو اس کی بیوی نے جادو سے جانور بنا دیا ہے قصاب کو میرا حال سن کر رحم آیا اور لڑکی سے کہنے لگا کہ کیا تو اس کو انسانی شکل میں لا سکتی ہے۔ لڑکی نے کہا ہاں۔ قصاب کہنے لگا تو پھر اس کو انسان بنا دے یہ غریب بڑی مصیبت میں گرفتار ہے چنانچہ اس لڑکی نے کچھ پڑھ کر مجھ پر پھونکا۔ میں اپنی اصلی حالت میں آ گیا میں نے اس کی لڑکی سے دست بستہ عرض کیا کہ یہ تو آپ کا بڑا احسان ہے جو عمر بھر نہ بھولوں گا۔

لیکن اتنا کرم اور کیجئے کہ مجھے کوئی تدبیر بتائیے کہ میں اپنی ظالم بیوی کو بھی سزا دے سکوں۔ لڑکی نے کہا اچھی بات ہے پھر اس نے کچھ پانی دم کیا ہوا مجھے دیا اور کہا کہ جب تمہاری بیوی سو رہی ہو تو یہ پانی اس پر ڈال کر جس جانور کے بننے کا حکم دو گے۔ وہی جانور بن جائے گی۔ میں پانی لے کر اپنے گھر کی طرف گیا اور موقع پا کر اپنی بیوی کو حکم دیا کہ خچری بن جا۔ یہ اسی وقت خچری بن گئی۔ اور اس وقت سے میں اسے ساتھ رکھتا ہوں۔ جن کو یہ کہانی بھی بہت پسند آئی۔ اور اس نے سوداگر کا بقیہ تہائی قصور بھی معاف کر دیا۔

مچھیرا اور جن

کسی زمانے میں ایک ماہی گیر تھا جو کہ بوڑھا کمزور اور غریب بھی تھا۔ اس لیے بڑی تنگی سے گزر بسر ہوتی۔ اس کا روزانہ یہ معمول تھا۔ کہ صبح سویرے دریا پر جاتا اور چار مرتبہ جال ڈالتا جو کچھ ہاتھ آتا اس کو لے کر خدا کا شکر ادا کرتا۔ ایک دن حسب معمول اس نے جال ڈالا۔ اسے کھینچا تو بہت بھاری تھا، دل میں خیال آیا کہ آج بہت ہی مچھلیاں آ گئیں۔ اس نے خوشی سے جال کو نکالا۔ دیکھا تو اس میں ایک مردہ گدھے کی لاش تھی۔ یہ دیکھ کر بہت غمگین ہوا۔ پھر جال ڈالا تو کیچڑ مٹی آئی۔ تیسری بار جال ڈالا تو خالی نکلا۔ یہ حال دیکھ کر ماہی گیر بہت پریشان ہوا۔ اور چوتھا جال یہ کہہ کر ڈالا کہ خداوند آپ میرے حال سے واقف ہیں کہ میں چار بار جال ڈالا کرتا ہوں اور آج تین بار جال ڈال چکا ہوں لیکن مجھے میرا رزق نہیں ملا۔ اب آخری بار آپ کا نام لے کر جال ڈال رہا ہوں اپنا رحم فرمائیے۔ اس مرتبہ جال بھاری معلوم ہوا کھینچ کر باہر نکالا تو اس میں مچھلیوں کے بجائے ایک سر بمہر پیتل کا گھڑا نکلا۔ ماہی گیر نے خیال کیا کہ شاید اس میں مال ہو۔ اس نے گھڑا کھولا۔ لیکن وہ بھی خالی تھا۔ مایوس ہو کر جال اٹھایا اور گھر چلنے کو تیار ہو گیا گھڑے پر نظر پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں سے دھواں نکل رہا ہے ماہی گیر رک گیا۔ دھواں بڑھتا گیا اور پھر ایک بڑے جن کی شکل بن گیا۔ اور وہ جن کہنے لگا کہ اے بادشاہ سلیمان! مجھے معاف کر دیجئے۔ آئندہ کبھی سرکشی نہیں کروں گا۔ ماہی گیر پہلے تو ڈرا لیکن جب معافی کے الفاظ سنے تو اس کو تسلی ہوئی کہنے لگا کہ اے جن حضرت سلیمان علیہ السلام تو مدت ہوئی فات پا چکے ہیں تو کون ہے کیا بات ہے؟ یہ سن کر جن غصہ سے ماہی گیر کی طرف دیکھنے لگا اور کہا کہ اے گستاخ تمیز سے گفتگو کر اور تیار ہو جا میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ ماہی گیر بولا بھائی میں نے تیرا کیا قصور کیا ہے؟ کہ صدیوں سے تم قید تھے اور میری وجہ سے آزاد ہوئے اور مجھے ہی قتل کرتے ہو۔ جن نے کہا بے شک تیرا احسان ہے۔ لیکن میں عہد سے مجبور ہوں۔ کیونکہ جب حضرت سلیمان نے

نارض ہو کر مجھے گھڑے میں قید کر کے دریا میں ڈال دیا تو میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر مجھے کوئی پہلے سو سال میں رہا کرائے گا۔ تو اس کو خزانہ سے مالا مال کر دوں گا۔ لیکن کسی نے مجھے نہ رہا کیا۔ پھر میں نے عہد کیا کہ اگر مجھے کوئی دوسرے سو سال میں رہا کرے گا۔ تو میں اس کو زمین کے دفینے بتا دوں گا۔ لیکن کوئی نہ آیا جو اس مصیبت سے نجات دیتا اور تیسری بار میں نے قسم کھائی۔ کہ تیسرے سو سال میں اگر کوئی مجھے نکالے گا تو بادشاہ بنا دوں گا لیکن اس مرتبہ بھی مجھے کسی نے نہ چھڑایا۔ آخر تنگ آ کر میں نے قسم کھائی کہ اب اگر کوئی مجھے اس گھڑے سے نکالے گا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ اب تو نے مجھے نکالا ہے۔ اب میں عہد سے مجبور ہوں اور تجھ کو ضرور ماروں گا۔ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ تو اپنی موت کے لیے جو طریقہ تجویز کرے گا۔ اسی طرح ہلاک کروں گا۔ ماہی گیر دل میں بہت ہراساں ہوا۔ لیکن سکون برقرار رکھا اور کہنے لگا کہ تم نے جو اتنے طویل عہد و پیماں سنائے ہیں ممکن ہے یہ صحیح ہوں۔ لیکن مجھے یہ شبہ ہے کہ تم اس گھڑے میں نہیں تھے۔ بلکہ کہیں دور سے آئے ہو اور اب مجھے خواہ مخواہ قتل کرنا چاہتے ہو۔ یہ سب حیلے بہانے ہیں۔ جن نے کہا تجھے یقین نہیں آتا تجھ کو تو جھوٹا سمجھتا ہے۔ ماہی گیر نے کہا۔ آنکھوں سے دیکھے بغیر کیسے مان لوں کہ اتنا بڑا پہاڑ سا جن اس چھوٹے سے گھڑے میں بند تھا۔ جن نے کہا اچھا لے دیکھ۔ جن پھر دھواں بن کر گھڑے میں بھرنا شروع ہوا۔ اور آہستہ آہستہ سارا دھواں گھڑے میں سما گیا۔ ماہی گیر نے موقع کو غنیمت جانا اور گھڑے کا منہ بند کر کے حضرت سلیمان کی پھر مہر لگا دی۔ اور گھڑا اٹھا کر دریا میں پھینکنے لگا کہ اس جن نے کہا اے بھائی یہ تو کیا کر رہا ہے۔ ماہی گیر نے کہا تجھے دریا میں ڈالتا ہوں تا کہ قیامت تک قید رہے۔ جن منتیں کرنے لگا کہ مجھ پر رحم کر میں تجھ سے مذاق کر رہا تھا میں اپنے محسن کو کیونکر ہلاک کرتا۔ ماہی گیر نے ہنس کر کہا میں تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا مجھے حکیم دوبان اور یونان کے وزیر کا قصہ یاد ہے۔ جن نے کہا وہ کیا بات ہے۔ سن کر ماہی گیر نے کہا کہ میں تجھے بتاتا ہوں۔ غور سے سن۔

حکیم دوبان اور وزیر یونان

ملک یونان میں ایک بادشاہ تھا۔ اس بادشاہ کو برص کا مرض تھا۔ بہت علاج معالجے کیے گئے لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اس وقت حکیم دوبان یونان میں آیا۔ جب اس کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے عرض کیا کہ میں بغیر دوا کھلائے اور کچھ لگائے آپ کا علاج کر سکتا ہوں۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور حکیم سے وعدہ کیا کہ اگر تمہارے علاج سے اچھا ہو گیا۔ تو تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ حکیم دوبان نے کچھ مہلت کی اجازت لی۔ اور اپنی قیام گاہ پر آ کر ایک خالی گیند بنوائی اور اس میں چند دوائیاں بھر کر بند کر لیا اور اس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کر لیے اور بادشاہ کی خدمت میں لا کر پیش کی اور کہا کہ آپ آج اس سے اس قدر کھیلیں کہ تمام جسم پر پسینہ آ جائے اس کے بعد حمام میں نہائیں۔ بادشاہ نے طبیب کی ہدایت پر عمل کیا اور غسل کرنے کے بعد آرام سے سو گیا۔ پھر صبح کو بیدار ہوا تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ جسم داغ دھبوں سے صاف ہو گیا ہے۔

بادشاہ چوگان کھیل رہا ہے

دربار میں حکیم کو طلب کیا گیا اور اس کو بہت سا انعام اور مال و دولت دے کر بادشاہ نے اپنا مصاحب خاص بنا لیا حکیم کا یہ اعزاز دیکھ کر امراء دربار حسد کرنے لگے ایک روز موقعہ پا کر ایک وزیر نے بادشاہ سے اس حکیم کی بڑی شکایت کی۔ کہ یہ حکیم اچھی نیت نہیں رکھتا اور آپ کی جان کے لیے خطرہ ہے بادشاہ نے کہا تم غلط کہتے ہو اگر اسے مجھ سے کوئی عداوت ہوتی تو دوران علاج وہ مجھ کو ہلاک کر سکتا تھا۔ مجھے اس سندباد کے وزیر کا قصہ یاد آیا جس نے شہزادے کی جان بچائی۔ اس کو غور سے سن قصہ یوں ہے کہ ایک سندباد بادشاہ کی

خوش دامنہ نے بادشاہ کی سابقہ ملکہ کے لڑکے پر تہمت لگائی کہ وہ قتل کر دیا جائے۔ جب بادشاہ نے اپنی خوش دامنہ کے کہنے سے شہزادے کے قتل کا حکم دیا تو وزیر نے عرض کیا کہ آپ تامل فرمائیے اور پوری تحقیقات کریں کہ آپ کو بعد میں اس طرح پشیمان نہ ہونا پڑے جیسے ایک شخص کو اپنا طوطا مار کر پشیمانی ہوئی تھی۔ اور وہ واقعہ یوں ہے۔

ایک شخص کے پاس ایک عجیب وغریب قسم کا طوطا تھا مالک کی عدم موجودگی میں جو کچھ پیش تھا وہ سب کچھ مالک کو بتا دیا کرتا تھا۔ اس کی بیوی نوجوان اور بہت حسین تھی۔ لیکن پارسانہ تھی ایک بار وہ شخص سفر پر گیا تو اس کی بیوی نے اپنے دوستوں سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔ جب مالک واپس آیا تو طوطے نے اس پر سب کچھ ظاہر کر دیا۔ عورت نے یہ سمجھا کہ میری ہمراز باندیوں نے شکایت کی ہے وہ ان پر ناراض ہوئی۔ لیکن وہ سب قسمیں کھانے لگیں۔ کہ ملکہ ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب طوطے کی شرارت ہے۔ اس نے سب حال بیان کیا ہے۔ ملکہ نے کہا اس کا انتظام کرتی ہوں۔

چنانچہ اس نے ایک ملازمہ کو کہا کہ تم پنجرے پر پانی چھڑکتی رہو۔ اور دوسری کو کہا کہ تم تمام رات اس کے پنجرے کے نیچے چکی پیستی رہو۔ اور تیسری کو حکم دیا کہ تم دوسرے اس پر آئینہ کا عکس ڈالتی رہو اور اس کا خیال رکھو کہ یہ طوطا تم میں سے کسی کو نہ دیکھ سکے۔ جب تمام رات یہ سلسلہ جاری رہا تو صبح کے وقت جب مالک نے حال دریافت کیا تو طوطا کہنے لگا۔ میں نے آج رات بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ بارش ہو رہی تھی۔ بادل گرجتے رہے اور بجلی ایسی چمکتی رہی کہ میری آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ مالک حیران ہو گیا کہ رات کو تو کوئی ابر و باد نہیں تھا۔ یہ طوطا جھوٹ بولتا ہے۔ بیوی نے بھی شکایت کی کہ یہ شریر میرے متعلق بھی اسی طرح کی غلط بیانی کرتا رہا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے غصے میں آ کر طوطے کو مار ڈالا۔ چند روز بعد اس کو اصل قصہ معلوم ہوا تو بہت پشیمان ہوا۔

یہ حکایت بیان کر کے بادشاہ نے کہا کہ تو بھی مجھے اسی طرح غلط راہ پر ڈال رہا ہے۔ تو وزیر نے عرض کیا کہ میں آپ کا خیر خواہ دوست ہوں۔ مگر آپ نے اس حلیم پر اعتبار کیا۔ آپ کے لیے بھی اس طرح کا خطرہ ہے۔ جیسے ایک وزیر نے بادشاہ زادے کو بچا کر اپنی جان دے دی۔ بادشاہ نے کہا اچھا وہ قصہ سناؤ۔ کہ کیا ہوا۔

بے پرواہ وزیر

وزیر نے عرض کیا کہ ایک شہزادہ تھا۔ اس کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ ایک روز شہزادہ شکار کو جانے لگا۔ تو بادشاہ نے وزیر کو ساتھ بھیجا اور تاکید کی کہ شہزادہ کو تنہا نہ چھوڑے اور اچھی طرح حفاظت کرے۔ شکار میں ایک ہرن ملا۔ شہزادے نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن وزیر پیچھے رہ گیا۔ ہرن چوکڑیاں بھرتا ہوا دور نکل گیا۔ شہزادہ مایوس ہو کر لوٹا راستے میں اس کو ایک خوبصورت عورت نظر آئی جو بیٹھی رو رہی تھی۔ شہزادہ اس کے پاس گیا اور اس سے حال دریافت کیا وہ کہنے لگی کہ بادشاہ کی لڑکی ہوں۔ اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئی ہوں۔ میرا گھوڑا بے قابو ہو گیا اور مجھے گرا کر بھاگ گیا۔ شہزادہ نے اس سے کہا۔ کہ تم میرے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں اس جنگل سے نکال کر تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔ وہ شہزادے کے گھوڑے پر سوار ہو گئی اور جب وہ ایک ویران مقام پر پہنچے تو وہ گھوڑے سے کود پڑی اور آواز دی کے بچو جلدی آؤ۔ میں تمہارے لیے شکار لائی ہوں۔ جواب میں آواز آئی۔ کہ ماں لاؤ۔ ہم بھوکے ہیں۔ شہزادہ سمجھ گیا کہ میں شیطانی روح کے جال میں پھنس گیا ہوں۔ تو اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنے گھوڑے کا رخ پھیرا اور اللہ سے دعا کرتا ہوا بھاگا۔ ہر چند عورت آواز دیتی رہی کہ صاحب تم کو کیا وہم ہے۔ اور مجھے یہاں کیوں چھوڑے جا رہے ہو۔ لیکن شہزادے نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ آخر کچھ دیر بعد شہزادہ گھر پر پہنچ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔ جب وہ گھر واپس آیا تو اس نے یہ حادثہ باپ سے بیان کیا۔ بادشاہ وزیر کی غفلت پر سخت برہم ہوا۔ اور وزیر کو قتل کرا دیا۔ وزیر نے یہ حکایت بیان کر کے عرض کیا۔ کہ شہنشاہ کو ایک نئے آدمی پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اور ممکن ہے کہ جس طرح اس حکیم نے ایک گیند بنا کر آپ کا مرض رفع کر دیا کسی دن کوئی پھول سونگھا کر آپ کی جان خطرے میں ڈال دے۔ بادشاہ وزیر کے اس فقرے میں آ گیا اور فیصلہ کیا کہ اس حکیم کو قتل کر دینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے دربار میں اس حکیم کو طلب کیا اور کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی دوسرے کے جاسوس ہو۔ اور میری جان لینے آئے ہو۔ اس لیے میں تمہیں

قتل کرا دینا چاہتا ہوں۔ حکیم نے دست بستہ عرض کیا بادشاہ سلامت کو اختیار ہے۔ لیکن میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ مجھے حضور سے کوئی دشمنی ہوتی تو جب میں حضور کا علاج کرر ہا تھا۔ اسی وقت نقصان پہنچا دیتا۔ اہل دربار نے بھی سفارش کی۔ کہ آج تک ہم نے حکیم صاحب کی کوئی حرکت غلط نہیں دیکھی۔ لیکن وزیر نے ایسی آگ نہیں لگائی تھی۔ جو آسانی سے بجھ جاتی۔ بادشاہ نہ مانا۔ آخر حکیم کو جب یقین ہو گیا۔ کہ بادشاہ اب قتل کئے بغیر باز نہیں آئے گا۔ تو پھر وہ عرض کرنے لگا کہ میرے پاس ایک کتاب ہے۔ جو آخری نظر عقیدت کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قتل کے بعد میرے سر کو سامنے رکھ کر اپنے ہاتھ سے اس کو کھولیں اور ورق کے بائیں صفحہ پر تیسویں سطر احتیاط سے گن کر نکالیں اور پھر اس کو پڑھ کر جو کچھ سوال آپ میرے سر سے کریں گے وہ اس کا معقول جواب دے گا۔ یہ سن کر بادشاہ بہت مشتاق ہوا۔ اور حکم دیا کہ جاؤ کتاب لے کر آؤ۔ اور وہ کچھ دیر کے بعد ایک کتاب کھول کر دیکھنے لگا۔ لیکن کتاب کے ورق کچھ جڑے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے انگلی کو لب لگا کر ورق الٹنے شروع کیے ابھی چند ہی ورق الٹے تھے۔ حکیم کتاب کے ہر ورق پر زہر لگا کر لایا تھا۔ جو بادشاہ کے جسم میں اثر کر گیا۔ اور بادشاہ کی حالت خراب ہونے لگی اس وقت حکیم نے عرض کیا کہ اگر آپ بلاوجہ میرے قتل کے درپے نہ ہوتے تو یہ انجام نہ ہوتا۔

ماہی گیر نے یہ قصہ بیان کر کے جن سے کہا کہ اگر تو بھی بلاوجہ میرے قتل کا ارادہ نہ کرتا تو دوبارہ اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔ تو نے اپنے محسن کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اس کا انجام تیرے سامنے ہے اب میں پھر تجھے دریا میں ڈالوں گا۔ اور کوشش کروں گا کہ وسط دریا میں پڑا رہے تا کہ کوئی بندۂ خدا غلطی سے تجھے نکال کر مصیبت میں گرفتار نہ ہو۔ جن یہ سن کر گھبرا گیا اور منت سے کہنے لگا کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سے دغا نہیں کروں گا تو مجھے معاف کر دے۔ ماہی گیر نے کہا کہ تیرا کیا اعتبار کہ ایک بار اس قید سے باہر نکل کر پھر جو چاہے تو کر سکتا ہے میں اپنے اور دوسروں کے لیے تجھے چھوڑ کر کیوں خطرہ پیدا کروں۔ جن نے پھر خدا کی قسم اور حضرت سلیمانؑ کی سخت قسم اٹھائی اور وعدہ کیا کہ میں تجھے مالا مال کر دوں گا۔

آخر ماہی گیر کو جن کی قسم کا یقین آ گیا۔ اور اس نے گھڑے کا منہ کھول دیا۔ جن باہر آیا اور گھڑے کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ماہی گیر ڈرا۔ جب جن نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ خوف نہ کر اب میں تیرے ساتھ کوئی برائی نہ کروں گا۔ جلد اٹھ کر میرے ساتھ آ۔ آگے آگے جن اور پیچھے پیچھے ماہی گیر چلنے لگا کچھ دیر بعد پہاڑ پر پہنچے وہاں ایک خوبصورت تالاب تھا۔ اس کے کنارے پر کھڑے ہو کر جن نے کہا۔ کہ اس میں ایک بار جال ڈال اور جو مچھلیاں ہاتھ لگیں وہ بادشاہ کے حضور پیش کر وہاں سے تم کو بہت انعام ملے گا۔ اور بہت سے بندگان خدا اور بہت سے دکھی انسان مصیبت سے نجات پا جائیں گے۔ یہ کہہ کر جن غائب ہو گیا۔ ماہی گیر نے جال ڈالا تو اس میں چار رنگ کی مچھلیاں آئیں بادشاہ نے ماہی گیر کو بہت کچھ انعام دیا اور مچھلیاں باورچی خانے میں گئیں جب باورچن ان کو تلنے لگی اور مچھلی الٹی تو ایک دم سامنے کی دیوار پھٹی۔ اور اس میں سے ایک عورت نفیس لباس پہنے ہوئے باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ وہ مچھلیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی تمہیں اپنا عہد یاد ہے۔

باورچی خانے کی دیوار پھٹی اور ایک عورت برآمد ہوئی

مچھلیاں یک دم فوراً کڑاہی میں دم کے بل کھڑی ہو گئیں۔ اور جواب دیا کہ اگر تم اپنے عہد پر ثابت قدم ہو تو ہم بھی اپنے عہد پر ثابت قدم ہیں یہ جواب سن کر یہ عورت اسی طرح واپس چلی گئی۔ جیسے آئی تھی اور مچھلیاں جل کر کوئلہ ہو گئیں۔ یہ ماجرا دیکھ کر باورچن بے ہوش ہو گئی۔

جب باورچن کو ہوش آیا تو وہ دوڑی ہوئی وزیر کے پاس گئی اور تنہائی میں بلا کر سب قصہ بیان کیا۔ وزیر متعجب ہوا اور سمجھا کہ باورچن شاید اس لیے یہ جھوٹا قصہ بیان کر رہی ہے کہ اس سے مچھلیاں جل گئیں اور بادشاہ کے ناراض ہونے کا خطرہ ہے چنانچہ امتحان کے لیے پھر ماہی گیر کو بلایا اور حکم دیا کہ اس قسم کی کچھ مچھلیاں اور لاؤ۔ ماہی گیر پھر تالاب پر گیا اور چار مچھلیاں لا کر حاضر کیں۔ وزیر نے اپنے سامنے تلنے کا حکم دیا تو پھر باورچن اس وقت مچھلیاں تلنے لگی۔ جب اس نے مچھلی کو الٹایا تو پھر وہ واقعہ پیش آیا تو وزیر نے یہ قصہ بادشاہ کے حضور میں عرض کیا بادشاہ نے کہا کہ ماہی گیر کو بلا کر اور مچھلیاں منگواؤ میں بھی یہ واقعہ اپنی

آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ پھر وہی ماہی گیر بلایا گیا اور مچھلیاں طلب کی گئیں۔ ماہی گیر نے جال ڈالا اور ویسی ہی رنگ برنگی مچھلیاں جال مین آئیں۔ وہ لا کر بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیں۔ تو بادشاہ نے اس کو بہت سا انعام دیا اور ان کو اپنے سامنے پکانے کا حکم دیا۔ جب مچھلیاں الٹیں تو بدستور سابق دیوار پھٹی اور اس مرتبہ ایک حبشی مرد چھڑی لیے ہوئے باہر نکلا اور مچھلیوں سے وہی گفتگو کر کے واپس لوٹ گیا اور مچھلیاں جل کر کوئلہ ہو گئیں بادشاہ نے کہا جہاں سے یہ مچھلیاں آئی ہیں ضرور وہاں پر کچھ اسرار ہے۔ ماہی گیر سے اس جگہ کا حال دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی وقت ماہی گیر کو پھر طلب کیا گیا۔ اور اس سے پوچھا گیا کہ تم یہ مچھلیاں کہاں سے لاتے ہو ماہی گیر نے پتہ بتا دیا تو سب متعجب ہوئے کہ ہم ہمیشہ سے یہاں رہتے ہیں۔ لیکن آج تک یہ تالاب دیکھا اور نہ ایسی رنگ برنگ کی خوبصورت مچھلیاں۔

چنانچہ اسی وقت بادشاہ اپنے وزیر اور کچھ ملازموں کو لے کر پہاڑ پر گیا اور وہاں دیکھا کہ واقعی ایک تالاب موجود ہے بادشاہ تمام دن تالاب کے چاروں طرف پھرتا رہا۔ لیکن کوئی بات سمجھ نہ آئی۔ شام کو وزیر سے کہنے لگا کہ میں یہاں کا بھید ضرور معلوم کر لوں گا۔ تم لوگ قریب ہی چھپ جاؤ۔ میں رات بھر اسی جگہ ٹھہروں گا۔ سب لوگ آس پاس ٹھہر گئے۔ لیکن بادشاہ تالاب کے کنارے بیٹھ گیا۔ جب خوب اندھیرا ہو گیا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا تو کچھ فاصلے پر قلعہ نظر آنے لگا۔ بادشاہ بہت قوی دل تھا وہ فوراً اٹھا اور اسی طرف روانہ ہو گیا۔ قلعہ کے دروازے پر پہنچا تو کوئی شخص نظر نہ آیا۔ وہ بے تکلف اندر چلا گیا اور یہ قلعہ اندر سے خوب آراستہ و پیراستہ تھا جگہ جگہ باغ تھے نہریں تھیں۔

عجیب و غریب قلعہ

درختوں پر جانور چہچہا رہے تھے۔ اور ہر قسم کا سامان آرائش موجود تھا وہاں پر زر و جواہر کی بھی کمی نہ تھی اور کہیں آدم زاد کا پتہ نہ تھا بادشاہ حیران و پریشان ہر طرف دیکھ رہا تھا۔ اور دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ تالاب اور مچھلیوں کے حالات تعجب خیز ہیں۔ تو یہ ایک نیا اسرار پیدا ہو گیا معاملہ سلجھنے کی بجائے پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور ابھی ان ہی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ کہ رونے کی آواز اندر سے آئی۔

بادشاہ اسی آواز کی سمت چلا۔ آگے بڑھ کر دیکھا کہ ایک دروازے پر پردہ پڑا ہوا ہے اور اس میں سے آواز آ رہی تھی۔ بادشاہ نے آہستہ سے پردہ اٹھا کر اندر جھانکا۔ دیکھا تو ایک خوش شکل نوجوان تخت پر بیٹھا رو رہا ہے۔ اور دردناک آواز ہے بادشاہ قریب گیا اور سلام کر کے حال دریافت کرنے لگا۔ اس نوجوان سے بادشاہ نے عذر کیا کہ آپ برائے کرم اس قلعہ اور تالاب کا حال مجھ سے بیان کریں اور اپنی سرگزشت بھی سنائیں مجھ سے کچھ خدمت ممکن ہو سکی تو اس میں دریغ نہ کروں گا۔ وہ نوجوان آبدیدہ ہو گیا اور بولا کہ یقیناً یہ خداوند کریم کی بڑی مہربانی ہے جو اس نے آپ کو یہاں بھیجا ہے۔ اور اب میں اپنا حال عرض کرتا ہوں۔

معذور نوجوان کی داستان غم

شاہ محمود جو اس ملک کا بادشاہ ہے۔ میں اس کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ اور میری شادی چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اور ہم آپس میں محبت کرتے تھے۔ جب میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ تو میں تخت نشین ہوا اور ہم دونوں شوہر بیوی پانچ برس تک عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس عرصہ میں مجھے اپنی بیوی کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں تھا اور ایک دیانت دار اور شریف آدمی کی طرح اسی کے ہر ایک کام میں اعتماد کرتا رہا چنانچہ ایک روز اتفاقاً ملکہ حمام میں گئی دو پہر کا وقت تھا اور میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔ دو خواتین جو ملکہ کے ساتھ ہمیشہ

رہتی تھیں مجھے پنکھا کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ سمجھیں کہ میں سو گیا ہوں۔ حالانکہ میں اس وقت بالکل جاگ رہا تھا۔ چنانچہ وہ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگیں۔ ایک بولی کہ دیکھو ہمارا بادشاہ کیسا! خوبصورت اور نوجوان ہے۔ لیکن ملکہ اس کے باوجود ادنیٰ سے حبشی غلام سے لگی ہوئی ہے۔ اور اس نیک آدمی کو آج تک کوئی علم نہیں ہے دوسری نے جواب دیا کہ اس بیچارے کو کس طرح سے خبر ہو سکتی ہے۔ ملکہ جب اس موئے حبشی سے ملنے جاتی ہے تو اس کو بے ہوشی کی دوا پلایا کرتی ہے۔ یہ بات سن کر میرے ہوش وحواس جاتے رہے اور دماغ سن ہو گیا۔ میں اس وقت مصلحتاً سوتا بنا رہا۔ تھوڑی دیر میں میری بیوی حمام سے واپس آ گئی۔ لیکن میں نے تحقیقات سے پہلے اس سے کچھ نہ کہا۔ اور شام کو سونے کے وقت حسب معمول وہ میرے لیے شراب کا کٹورا لائی۔ میں سمجھ گیا کہ اسی طرح مجھے بے ہوش کر کے مجھے بے وقوف بنایا جاتا ہے میں نے گلاس تو لے لیا۔ لیکن ملکہ کی آنکھ بچا کر اس کو پینے کی بجائے دوسری طرف گرا دیا اور خود سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اور جب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ میں بے ہوش ہو گیا ہوں تو اس نے عریاں لباس پہن لیا اور باہر کی طرف چل دی۔ پھر میں بڑی آہستگی سے بستر سے اٹھا اور اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ ملکہ یعنی میری بیوی محل سے نکل کر ایک ویران میدان میں آ گئی جہاں ایک حبشی غلام جو غالباً اسی کے انتظار میں ٹہل رہا تھا موجود تھا۔ جب ملکہ وہاں پہنچی تو دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ پھر آرام و اطمینان سے محبت کی باتیں کرنے لگے۔ میرے تن بدن میں غیرت کی آگ لگ رہی تھی۔ اور میں اسی جگہ جھاڑی کی آڑ میں ٹھہر گیا جب وہ حبشی غلام اور ملکہ میرے قریب سے گزرے تو میں نے تلوار سے حملہ کر دیا۔ غلام میرے وار سے زخمی ہو کر گر پڑا اور ملکہ یعنی میری بیوی اس اچانک وار سے پریشان ہو گئی تھی۔ اس لیے مجھے پہچان نہ سکی اور میں اس کو وہیں چھوڑ کر محل میں واپس آیا۔ اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ملکہ واپس آ گئی اور یہ اطمینان کر کے کہ میں سو رہا ہوں۔ آپ بھی آرام کرنے لگی اور لیٹ گئی اور صبح کو میں حسب معمول دربار میں چلا گیا۔ اور اپنا کاروبار سلطنت انجام دیتا رہا۔ لیکن جب میں محل میں واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ ملکہ ماتمی لباس پہنے بیٹھی ہوئی ہے۔ اور اداس ہے میں نے دریافت کیا تو کہنے لگی کہ مجھے اپنے ایک عزیز کے مرنے کی اطلاع ملی ہے۔ اس واسطے ماتمی لباس پہنا ہوا ہے۔ چونکہ میں اصل حال سے آگاہ تھا۔ اس لیے خاموش رہا۔ کئی روز گزر گئے۔ لیکن ملکہ کا

ماتمی لباس نہ اترا۔ میں بھی یہ معلوم کرنے کی فکر میں تھا۔ کہ کم بخت حبشی کا کیا انجام ہوا۔ ایک دن آخر پتہ چلا کہ وہ مرا نہیں صرف زخمی ہو گیا ہے ایک شب کو میں نے پھر ملکہ کا تعاقب کیا۔ تو وہ ایک مکان میں پہنچی۔ جہاں وہی حبشی غلام زخمی پڑا تھا۔ ملکہ اس کے قریب بیٹھ گئی اور بڑے پیار سے کہنے لگی کہ مجھ سے بات کر میں تیرے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن وہ ملعون خاموش رہا۔ اس وقت مجھ پر غیرت کا جنون سوار ہوا۔ اور میں غصہ کی حالت میں سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور ارادہ کیا کہ دونوں کو قتل کر دوں۔ یہ دیکھ کر ملکہ میری طرف بڑھی اور کچھ پڑھ کر میری طرف پھونک ماری۔ میرا وہ ہاتھ جس میں تلوار تھی وہ بالکل ناکارہ ہو گیا۔

اس کے بعد پھر کچھ پڑھ کر بولی۔ کہ تو آدھا پتھر کا ہو جا۔ اس وقت میرا نیچے کا دھڑ پتھر کا سا ہو گیا۔ اس کے بعد مملکت کو جھیل بنا دیا۔ اور آبادی کو مچھلیاں۔ پھر اس کے چاروں طرف جادو کے زور سے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ تاکہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو جائے۔ اور یہ وہی جھیل اور مچھلیاں ہیں۔ وہ ظالم عورت اب بھی اپنے دوست حبشی غلام کے ساتھ یہیں رہتی ہے۔ روزانہ میرے پاس آ کر مجھے سو کوڑے مارتی ہے اور وہ حبشی غلام بھی ابھی تک تندرست نہیں ہوا۔ جب وہ نوجوان اپنی مصیبت کی داستان بیان کر چکا تو بادشاہ نے اس کو تسلی دی۔ اور کہا کہ میں ان دونوں سے تمہارا بدلہ لوں گا صرف تم مجھے ان کی رہائش گاہ کا پتہ دو۔ نوجوان نے بادشاہ کو پتہ بتا دیا۔ بادشاہ نہایت احتیاط سے اس مکان پر پہنچا اور دیکھا کہ ملکہ کا محبوب حبشی ایک آراستہ چھپر کٹ پر آرام سے سو رہا تھا۔ بادشاہ دبے پاؤں اندر گیا اور حبشی پر تلوار کا بھرپور وار کیا اور اس کا قصہ تمام کر دیا۔ اس کے بعد حبشی کی لاش دوسرے کمرے میں چھپا دی۔ اور خود کپڑا اوڑھ کر اسی چھپر کھٹ پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہ بدکار ملکہ آ گئی اور بہ محبت بھرے انداز سے کہنے لگی۔ آخر پیارے تم مجھ سے کیوں ناراض ہو اور منہ سے کیوں نہیں بولتے میں نے تمہارے انتقام میں تمام سلطنت کو برباد کر ڈالا۔ اور اپنے شوہر کو آدھا پتھر کا بنا دیا اور پھر تم پر ہاتھ اٹھانے کے جرم میں اب تک سو کوڑے روزانہ مارتی ہوں۔ بادشاہ جو کہ حبشی کی جگہ لیٹا تھا۔ وہ مریضوں کی طرح بہت آہستہ سے بولا۔ کہ تم اپنے شوہر کو روزانہ مارتی ہو۔ اور اس کی چیخ وپکار سے مجھے تکلیف ہوتی ہے میں چاہتا ہوں کہ تم اس کو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دو اور ان تمام لوگوں کو بھی اپنے سحر سے نجات دے دو۔ جو

مچھلیاں بنے ہوئے اس جھیل میں بیٹھے ہیں اور اس مملکت کو بھی اس کی اصلی حالت میں کردو۔ کیونکہ یہ سب میرے لیے بد عا کرتے ہیں۔ اس لیے صحت نہیں ہوتی۔ ملکہ نے کہا میری جان! یہ کوئی بڑی بات ہے میں ابھی سب کو ویسا ہی کر دیتی ہوں۔ جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ ملکہ نے سحر کا توڑ پڑھا اور ہر شے اپنی اصلی صورت پر آ گئی وہ نوجوان بھی مصیبت سے رہا ہو گیا۔ نہ وہ جھیل تھی نہ وہ پہاڑ۔ بلکہ ایک آباد ملک ہو گیا۔ بادشاہ کی فوج جو اس کے ہمراہ آئی ہوئی تھی۔ خود بخود دور ہو گئی کیونکہ یہ علاقہ سحر کی وجہ سے بادشاہ کے ملک کے قریب نظر آتا تھا۔ ورنہ اصل میں کافی دور تھا۔ جب ملکہ اس سے فارغ ہوئی تو پھر حبشی غلام کے پاس آئی۔

کیونکہ اب تک وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ چھپر کھٹ پر اس کا محبوب سو رہا ہے اور کہنے لگی کہ میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی ہے خدا کے لیے اب تو منہ کھولو۔ اور مجھ سے بات کرو۔ بادشاہ نے جو حبشی کی جگہ لیٹا ہوا تھا۔ اس کو قریب آنے کا شارہ کیا ملکہ جونہی اس کے قریب پہنچی۔ تو اس نے اٹھ کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ سر کٹ کر دور جا گرا۔ اس کے بعد بادشاہ وہاں سے نکلا۔ اور اس نوجوان کو تلاش کیا جو یہاں کا بادشاہ تھا پھر اس کو ہمراہ لے کر دونوں ملعونوں کی لاشیں دکھائیں۔ یہ دیکھ کر شہزادہ قدموں میں گر پڑا اور بہت شکریہ ادا کیا۔ کل رعایا کو حالات کا علم ہوا تو سب خدا کا شکر بجالائے اور بادشاہ کے ممنون احسان ہوئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر بادشاہ اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا اور اس نوجوان شہزادے نے بھی ساتھ چلنے کی درخواست کی اور دونوں بادشاہ دارالحکومت کی طرف روانہ ہوئے۔ جب اپنی سلطنت کے قریب پہنچے تو بادشاہ نے وزیر کو اطلاع دی۔ وہاں سب پریشان تھے یہ خبر سن کر سب خوش ہوئے اور استقبال کر کے اپنے بادشاہ کو شہر میں لائے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بادشاہ نے اپنی لڑکی کی شادی نوجوان شہزادے سے کر دی۔ اور عنان حکومت بھی اس کے سپرد کر کے خود بیت اللہ کو چلا گیا اور وہیں انتقال ہوا۔

یہ کہانی بیان کر کے شہرزاد نے اپنی بہن سے کہا کہ یہ کہانی بغداد کے مزدور کے قصہ سے زیادہ دلچسپ نہیں۔ اگر بادشاہ نے اجازت دی تو میں وہ بھی سناؤں گی۔ بادشاہ کو نئی حکایت سننے کا شوق ہوا چنانچہ اس نے اجازت دی اور حکم دیا کہ شہرزاد کو آج قتل نہ کیا جائے۔

بغداد کا ایک مزدور

بغداد کے خلفائے عباسیہ میں سے ہارون کے زمانہ میں لوگ راحت و آرام سے رہتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک مزدور تھا۔ جو شہر کے بازاروں میں محنت مزدوری کر کے اپنی روٹی کماتا تھا۔ ایک دن معمول کے مطابق وہ صبح سویرے بازار میں مزدوری کی تلاش میں آیا۔ ایک نقاب پوش عورت نے اس کو اشارہ کیا کہ میرے ساتھ آؤ مزدور اپنا ٹوکرہ لے کر اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ اس عورت نے مختلف جگہوں سے بہت سی چیزیں خریدیں اور ٹوکرے میں رکھتی رہی۔ اس کے بعد گھر روانہ ہوئی اور بہت سی گلیاں طے کر کے ایک عالی شان مکان میں آئی۔ مکان اندر سے بڑا آراستہ و پیراستہ تھا۔ اور سامنے دالان میں مسند پر ایک عورت بیٹھی تھی جو انداز سے مالکہ معلوم ہوتی تھی۔ مزدور نے سامان اتارا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ مسند پر بیٹھی عورت نے صافی صافی کہہ کر آواز دی۔

ایک خوبصورت عورت آئی اور کہنے لگی کہ بہن زبیدہ میں کھانے کا انتظام کرا رہی ہوں۔ مالکہ نے جس کا نام زبیدہ تھا۔ کہا کہ دیکھو امینہ سامان لے آئی ہے کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ صافی نے سب سامان اٹھوا کر اندر رکھ دیا اس کے بعد زبیدہ نے مزدور کے ہاتھوں میں دو دینار دیئے مزدور اتنی زیادہ اجرت پا کر بہت خوش ہوا لیکن اس کے ساتھ حیران بھی ہوا کہ اس گھر میں عورتیں ہی عورتیں ہیں اور کوئی مرد نہیں۔ مزدوری ملنے کے بعد بھی مزدور کھڑا رہا۔ تو زبیدہ نے کہا اب کیوں کھڑے ہو جاتے کیوں نہیں؟ مزدور نے کہا گستاخی معاف ایک عرض چاہتا ہوں۔

مزدور اور امینہ

زبیدہ نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا پھر پوچھا کہ کہو کیا چاہتے ہو؟ مزدور نے کہا کہ اتنا بڑا امکان یہ ساز و سامان لیکن یہاں کوئی مرد نظر نہیں آ رہا۔ نہ مالک نہ غلام۔ حتیٰ کہ بازار سے سامان لانے والی خاتون بھی آپ کی ہمشیرہ ہیں اس کا کیا سبب ہے۔ مزدور کے اس سوال پر سب ہنس پڑیں۔ زبیدہ نے کہا کہ یہ ایک راز ہے اور ہم اپنا راز ہر ایک پر ظاہر نہیں کرتے۔ مزدور نے دست بستہ عرض کیا۔ کہ محترم خاتون؟ میں نہ تو جاہل ہوں اور نہ اتنا کم ظرف کہ اگر کوئی راز معلوم ہو جائے۔ تو اسے ظاہر کرتا پھروں۔ زبیدہ اور زیادہ ہنسی اور کہنے لگی۔ اچھا اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو۔ تو اس شرط پر یہاں ٹھہر سکتے ہو۔ کہ جو کچھ دیکھو اس کے بارے میں سوال نہ کرنا۔ مزدور نے منظور کر لیا اور تمام دن وہاں رہا۔ لیکن کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ وہ اور بھی زیادہ حیران ہوا۔ بعد مغرب دستر خوان چنا گیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد شراب کا دور چلنے لگا۔ اور جب سرور جم گیا تو ان تینوں عورتوں زبیدہ، صافی، امینہ نے باری باری گانا اور دف بجانا شروع کیا یہاں تک کہ کافی رات گزر گئی اس وقت زبیدہ نے کہا کہ اس شخص کو رخصت کر دینا چاہیئے امینہ اور صافی ابھی جواب نہ دے پائی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ امینہ نے دروزہ کھول کر دیکھا اور زبیدہ سے آ کر کہا کہ باہر یک چشم تین قلندر کھڑے ہیں اور رات گزارنے کی جگہ چاہتے ہیں۔ زبیدہ نے کہا کہ اگر وہ اس شرط پر آمادہ ہوں کہ وہ یہاں کے کسی معاملہ میں مداخلت نہیں کریں گے۔ تو بلا لو۔ چنانچہ امینہ نے یہی بات قلندروں سے کہہ دی وہ راضی ہو گئے امینہ نے لا کر انہیں بھی بٹھا دیا۔ اور جو کچھ موجود تھا کھانے کو پیش کیا۔ پھر سب آپس میں مذاق کرنے لگیں کہ ایک مزدور اور تین یک چشم قلندر آج ہمارے مہمان ہیں۔ خوب دل لگے گا۔ اب پھر گانا بجانا شروع ہوا۔ اس دوران میں پھر دستک کی آواز آئی امینہ نے اٹھ کر دیکھا کہ تین شریف سوداگر کھڑے ہیں اور رات گزارنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ دراصل یہ تینوں خلیفہ ہارون رشید۔ جعفر وزیر اور مسرور غلام تھے جو رات کو لباس تبدیل کر کے پھرتے تھے تا کہ رعایا کی اچھی بری معلومات حاصل ہوتی رہیں وہ اس وقت گانے بجانے کی آواز سن کر دریافت

حال ہی کے لیے آئے تھے۔ امینہ نے آ کر زبیدہ کو حال سنایا تو زبیدہ نے شرط رکھی وہ شرط کو منظور کر کے اندر آ گئے کہ جو کچھ دیکھیں گے اس کے بعد کچھ دریافت نہ کریں گے۔ اس وقت زبیدہ نے سوال کیا کہ آپ کا کیسے آنا ہوا۔ جعفر نے بڑھ کر جواب دیا کہ ہم موصل کے سوداگر ہیں۔ ایک دعوت میں گئے تھے وہاں دیر ہو گئی۔ اب اگر کاروان سرا کی طرف جاتے ہیں تو راستے میں محتسب پوچھ گچھ کریں گے۔ یہی سوچتے ہوئے جا رہے تھے۔ کہ یہاں سے آوازیں آئیں۔ ہم سمجھے اہل خانہ بیدار ہیں شاید رات رہنے کی اجازت دے دیں۔ اسی امید پر دستک دی اور خدا کا شکر ہے کہ آپ نے ہماری درخواست منظور کر لی۔

امینہ اور صافی نے شراب پیش کی۔ لیکن انہوں نے عذر کیا اور ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گئے۔ باقی لوگ برابر مے نوشی کرتے رہے۔ تینوں عورتوں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ آرام کریں گے۔

تینوں قلندر اور خلیفہ، جعفر وزیر اور مسرور

تو وہ اٹھ کر باہر حوض پر بیٹھ گئیں۔ پھر انہوں نے مزدور کو بلایا اور سامنے دو کتیاں بندھی ہوئی تھیں ان کو لانے کا حکم دیا۔ مزدور نے ان دونوں کو لا کر سامنے کھڑا کر دیا۔ زبیدہ اٹھی اور چابک لے کر دونوں کتیوں کو اتنا مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ اور خود بھی تھک کر چور ہو گئی۔ اس کے بعد ان کو پیار کیا زخم دھو کر باندھے اور پھر وہیں پہنچا دیا۔ جہاں سے مزدور ان کو کھول کر لایا تھا۔ خلیفہ ہارون بہت متعجب ہوا اور چاہا کہ حال دریافت کروں۔ لیکن جعفر نے اشارے سے روکا۔ اس کے بعد پھر تینوں عورتیں گانے بجانے لگیں امینہ نے ایک غزل شروع کی اور بہت پر درد لہجے میں گانے لگی یہاں تک کہ زبیدہ وجد میں آ گئی اور اپنے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور پیٹھ ننگی ہوئی۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اس پر تازیانہ کے نشان ہیں اس کے بعد امینہ نے ایک غزل گائی تو یہی حال صافی کا ہوا اس کی کمر پر بھی تازیانہ کے نشان تھے۔ خلیفہ اور بھی حیران ہوا۔ کہ ماجرا کیا ہے جعفر نے کہا کہ صبح تک صبر فرمائیے۔ وعدہ خلافی مناسب نہیں۔ کل دربار میں طلب کر کے سب حال دریافت فرمائیے گا۔ اتنے میں وہ تینوں

قلندر بولے کے اس عجیب منظر کو دیکھنے سے تو یہ بہتر ہے کہ رات کسی جنگل میں گزار لیتے بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اہل خانہ نہیں ہو؟ قلندر بولے کہ نہیں خلیفہ نے سوچا کہ شاید وہ مالک خانہ ہوگا۔ جو کتیوں کو لایا تھا چنانچہ اس کو بلاکر دریافت کیا وہ کہنے لگا کہ میں بھی آپ ہی کی طرح اجنبی ہوں۔

زبیدہ کی غضبناک نگاہیں

ہارون رشید کا استعجاب اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس میں ضبط کی طاقت نہ رہی۔ چنانچہ اس نے مزدور سے کہا کہ تم دریافت حال کرو۔ مزدور زبیدہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ یہ سب لوگ بیحد حیران ہیں کہ آپ نے کتیوں کو کیوں مارا۔ اور پھر پیار کیا اور آپ کے اور آپ کی ہمشیرہ کے جسم پر تازیانوں کے نشانات کیسے ہیں اور اشعار سن کر آپ اس قدر بے قرار کیوں ہوئیں زبیدہ نے سب کو مخاطب کر کے پوچھا کہ یہ مزدور جو کچھ کہہ رہا تھا صحیح ہے کہ آپ ہمارا حال دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بے شک ہم اصل راز معلوم کرنے کے مشتاق ہیں۔ لیکن جعفر خاموش رہا۔ زبیدہ نے ان کی طرف غضبناک نگاہوں سے دیکھا۔ پھر بولی کہ تم لوگوں نے اپنا عہد توڑ دیا۔ اور شریف آدمی اس کو پسند نہیں کرتا۔ کہ عہد شکنی کرے اب اس کی سزا بھگتو۔

زنگیوں کا تلواریں لے کر آنا

یہ کہہ کر اس نے زور سے زمین پر پیر مارا۔ فوراً برابر کے کمرے سے سات زنگی برہنہ تلواریں لیے ہوئے نکلے اور سب کی مشکیں باندھ دیں۔ پھر زبیدہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی کہ تم لوگوں کو سزا دینے سے پہلے میں چاہتی ہوں۔ کہ تمہارے حالات معلوم کرلوں۔ قلندروں سے پوچھا کیا تم آپس میں بھائی ہو۔ اور کیا سبب ہے۔ کہ تم تینوں یک چشم ہو؟

قلندروں نے عرض کیا کہ ہم بھائی نہیں۔ بلکہ آج صبح سے پیشتر ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ اتفاقاً ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ ہم تینوں شہزادے ہیں۔ اور ہماری داستان مصیبت ایک عجیب کہانی ہے اس کے بعد زبیدہ نے جعفر و خلیفہ مسرور سے دریافت کیا۔ جعفر نے بڑھ کر کہا کہ ہم سوداگر ہیں اور اپنا حال شروع ہی میں آپ کو سنا چکے ہیں۔ زبیدہ نے غلاموں کو حکم دیا۔ کہ ان کی مشکیں کھول دو۔ لیکن ان کی حفاظت کرتے رہو۔ کہ یہ کوئی گستاخی نہ کرسکیں۔ سب سے پہلے مزدور نے اپنا حال بیان کیا۔

مزدور کی کہانی

اے محترم خاتون! میں اسی شہر بغداد کا رہنے والا ہوں۔ اور مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا ہوں آج صبح آپ کی ہمشیرہ نے بازار سے کچھ سامان خریدا اور میرے سر پر رکھوا کر یہاں لائیں۔ باقی حال آپ کے سامنے گزر چکا ہے۔ زبیدہ نے یہ سن کر حکم دیا کہ اچھا تو فوراً یہاں سے نکل جاؤ مزدور ہاتھ باندھ کر بولا کہ تعمیر ارشاد میں عذر نہیں۔ تاہم اتنی رعایت چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کا حال سن لوں۔ قلندروں میں سے ایک قلندر آگے بڑھا اور اپنا حال یوں بیان کرنا شروع کیا۔

پہلے قلندر کی آپ بیتی!

میں ایک بادشاہ کا لڑکا ہوں۔ میرے چچا بھی ایک علاقہ کے حاکم تھے۔ مجھے چچا کے یہاں جانے کا بہت کم اتفاق ہوا تھا۔ مگر ایک مرتبہ میں اپنے والد سے اجازت لے کر چچا کے یہاں گیا۔ وہاں میرے چچازاد بھائی نے بہت آؤ بھگت کی وہ میرا ہی ہم عمر تھا۔ چند روز میں ہم بے تکلف دوست بن گئے۔ ایک روز میرا بھائی کہنے لگا۔ کہ مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے۔ اگر تم قسم کھاؤ کہ کسی سے ظاہر نہیں کرو گے تو میں تم سے کہوں گا کہ میں

چونکہ اس سے کافی مانوس ہو چکا تھا۔ اس لیے بے تکلف قسم کھائی۔ وہ کہنے لگا کہ اچھا تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک نوجوان حسین لڑکی کو ساتھ لیے ہوئے آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اس کو فلاں باغ میں لے چلو اور میں ابھی آتا ہوں۔ میں اس لڑکی کو لے کر باغ میں پہنچ گیا۔ جہاں اس نے کہا تھا کہ کچھ دیر بعد وہ ایک ٹوکری میں کھانا اور صراحی میں پانی لے کر آ گیا پھر اس نے ایک جگہ سے زمین کھودنی شروع کی۔ کچھ کھدائی کے بعد ایک دروازہ نمودار ہوا۔ میرا چچیرا بھائی اور وہ لڑکی اپنے سامان کے ساتھ اندر چلے گئے اور فوراً دروازہ بند کر لیا۔ اور مجھ سے کہہ دیا کہ مٹی ڈال کر اوپر سے برابر کر دو میں نے آوازیں بھی دیں۔ لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں اپنی قسم سے مجبور تھا مٹی برابر کر کے گھر واپس چلا گیا۔ لیکن طبیعت پریشان تھی۔ چچا باہر شکار کھیلنے گئے ہوئے تھے میں نے ان کی واپسی کا انتظار نہیں کیا اور شکار گاہ ہی میں ان کو اطلاع کر کے خود اپنے وطن واپس چلا آیا۔ میں جب شہر کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور نمک حرام وزیر نے ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ جیسے ہی میں شہر میں داخل ہوا۔ سپاہیوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ اور نمک حرام وزیر کے پاس لے گئے وزیر مجھ سے پہلے ہی بہت ناراض تھا۔ کیونکہ ایک بار بچپن میں میرے ہاتھ سے اس کی آنکھ میں غلیل لگ گیا تھا جس سے اس کی ایک آنکھ صائع ہو گئی تھی۔ اب اس کو انتقام کا موقع مل گیا مجھے دیکھتے ہی وہ غصے میں بھر گیا اور میری آنکھ میں انگلی ڈال کر آنکھ باہر نکال لی۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ اس کو لے جا کر قتل کر دو۔ وہ شخص میرے باپ کا وفادار تھا۔ شہر سے باہر جا کر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ آپ ادھر نہ آیئے گا۔ ورنہ میری اور آپ کی زندگی کی خیر نہیں۔ میں وہاں سے بھاگ کر پھر چچا کے پاس آیا اور سب حال سنایا۔ چچا اپنے لڑکے کی گمشدگی سے پہلے ہی بہت مغموم تھا میری طبیعت دیکھ کر اور مغموم ہوئے۔ اس وقت میں نے یہ مناسب سمجھا کہ انہیں ان کے بیٹے کا اصل قصہ سنا دوں تا کہ ان کو کچھ تسلی ہو چنانچہ میں نے اپنی قسم توڑ دی اور سب واقعہ چچا سے بیان کر دیا چچا اسی وقت باغ میں گئے اور زمین کھود کر اس تہہ خانہ میں داخل ہوئے وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ میرا چچا زاد بھائی اور وہ لڑکی ہم آغوش لیٹے ہیں قریب جا کر دیکھا تو وہ مردہ تھے میرے چچا نے غصہ کے عالم میں کہا کہ اچھا ہوا دونوں مر گئے۔ دنیا میں بھی ان کو سزا مل گئی۔ اور قیامت کے روز بھی دوزخ میں جلائے جائیں گے

میں نے حیرت سے چچا کی طرف دیکھا کہ ان کو غم سے زیادہ غصہ ہے تو وہ کہنے لگے کہ یہ بدنصیب جس لڑکی کے ساتھ پڑا ہے یہ اس کی حقیقی بہن ہے۔ مجھ سے پوشیدہ اس نے یہ تہہ خانہ تعمیر کرایا تھا۔ اور تمہیں دھوکہ دے کر اپنی بہن کے ساتھ یہاں آ گیا۔

اس کے بعد ہم وہاں سے واپس چلے آئے ابھی چند روز بھی آرام سے نہ رہنے پائے تھے کہ وہی نمک حرام وزیر فوج جمع کر کے میرے چچا کے ملک پر بھی چڑھ آیا ہمارے پاس ساز و سامان بہت کم تھا۔ فوج بھی زیادہ نہ تھی۔ اس لیے شکست کھائی۔ میرے چچا بھی لڑائی میں کام آ گئے۔ مجبوراً مجھے وہاں سے بھی نکلنا پڑا اب دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ میں نے قلندرانہ وضع اختیار کر لی۔ اور جگہ جگہ پھرنے لگا۔ چنانچہ آج میں بغداد میں پہنچا تھا اور ان دونوں قلندروں سے بھی آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ قصہ سن کر زبیدہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ قلندر بھی ایک سمت کھڑا ہو گیا۔ تا کہ باقی لوگوں کی داستان سن سکے۔

دوسرے قلندر کی داستان

اب دوسرا قلندر اٹھا اور اس نے اپنا قصہ سنانا شروع کیا کہ میں ایک بادشاہ کا لڑکا ہوں میرے والد نے میری تعلیم کے لیے لائق اتالیق مقرر کیے۔ اور میں مدت تک ان سے ہر قسم کے علم و فنون سیکھتا رہا۔ قرب و جوار میں میری قابلیت کی شہرت ہو گئی اور سب بادشاہ مجھے عزت کی نظر سے دیکھتے رہے۔ ایک بار ہندوستان کے ایک راجہ نے مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ میں کچھ آدمی ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گیا راستے میں قزاقوں کے گروہ نے ہمیں گھیر لیا۔ آپس میں بڑی زوردار جنگ ہوئی۔ گو ہم بہت بہادری سے لڑے اور جم کر مقابلہ کیا۔ لیکن ہماری جمعیت بہت کم تھی۔ اور قزاقوں کا گروہ بہت زیادہ تھا۔

شہزادہ ڈاکوؤں کے نرغے میں

میرے سب ملازم ایک ایک کر کے مارے گئے اور میں بھی زخموں سے چور ہو کر گر گیا۔ قزاقوں نے ہمارا سب مال واسباب لوٹ لیا اور مردہ سمجھ کر مجھے چھوڑ گئے۔ جب مجھے ہوش آیا تو اپنے زخم باندھ کر بمشکل چلا راستے میں کوئی آبادی نہ ملی مجبوراً درختوں کے پتے اور جنگلی پھل کھا کر بسر اوقات کرتا رہا۔ اسی طرح گرتا پڑتا کئی روز کے بعد ایک شہر میں پہنچا۔ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک درزی نے میری خستہ حالی دیکھ کر مجھے اپنے پاس بلایا اور سب حال سنا اور کہنے لگا تم میرے ساتھ رہو۔ لیکن کسی سے اصلیت ظاہر نہ کرنا۔ کیونکہ یہاں کا بادشاہ تمہارے والد کا دشمن ہے کہیں تمہیں قید نہ کر لیا جائے۔

میں درزی کے گھر رہنے لگا۔ جب زخم اچھے ہو گئے تو میں نے سوچا کہ خود محنت کر کے گزر اوقات کرنی چاہیے دوسرے پر اپنا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ چنانچہ میں جنگل میں جاتا اور لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور ان کو بازار میں فروخت کر دیتا ایک روز میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ ایک بہت پرانے درخت کے نیچے مجھے لوہے کا کنڈا نظر آیا میں سمجھا کہ ممکن ہے کوئی دفینہ ہو۔ چنانچہ میں نے وہاں کی مٹی ہٹائی تو ایک دروازہ نظر آیا میں جھجک کر اس کے اندر چلا گیا رسی اور کلہاڑی میرے ہاتھ میں تھی۔ تھوڑی دور آگے بڑھا تو عالی شان محل نظر آیا اس کے دروازے میں ایک خوبصورت عورت کھڑی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر پوچھنے لگی کہ تو کون ہے اور یہاں کس طرح آیا میں نے اس کو سب قصہ سنا دیا۔ وہ کہنے لگی کہ خدا کا شکر ہے آج مدت کے بعد میں نے انسان کی شکل دیکھی ہے۔ پھر اپنا حال سنانے لگی کہ ایک جن مجھے گھر سے اٹھا لایا ہے۔ اور یہاں لا رکھا ہے۔ نو روز تو وہ کہیں باہر رہتا ہے اور دسویں روز میرے پاس آتا ہے صرف ایک دن رہ کر چلا جاتا ہے تم میرے پاس رہو تنہائی میں بڑی پریشان ہوں۔ ہر دسویں روز تم باہر جایا کرنا اور نو روز میرے پاس آرام سے رہا کرنا۔ یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اس کے بعد اس نے مجھے عمدہ لباس دیا۔ میں نے غسل وغیرہ سے فراغت پا کر کپڑے پہنے اور عمدہ قسم کے پھل اور کھانے کھائے غرض اسی طرح رہتے ہوئے مجھے چار روز گزر گئے پانچویں روز حسینہ کے سرہانے مجھے ایک آئینہ نظر آیا میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ وہ

کہنے لگی یہ طلسم ہے جب مجھے جن کو بلانا ہوتا ہے تو میں اسے ہاتھ لگا دیتی ہوں اور جن آ جاتا ہے میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر آئینہ کو توڑ دیا جائے تو یقیناً وہ جن مر جائے گا یا اس کو ایسا صدمہ ضرور پہنچے گا کہ وہ اس عورت پر قابو نہ رکھ سکے گا اور ہم دونوں یہاں سے آزاد ہو جائیں میں نے موقع پا کر اس طلسم کو توڑ دیا عورت بولی بہت برا ہوا اب فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ جن آتا ہی ہو گا وہ دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا میں وہاں سے بھاگا۔ لیکن جلدی میں اپنی رسی اور کلہاڑی وہیں بھول گیا۔ اتنے میں جن آ گیا اور اس عورت سے پوچھنے لگا کہ کیا معاملہ ہے؟ وہ بولی کچھ نہیں۔ نشہ کی حالت میں یہ طلسم میرے ہاتھ سے ٹوٹ گیا ہے۔ جن نے رسی اور کلہاڑی دیکھ کر غصہ میں بھر کر پوچھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے، وہ عورت کہنے لگی۔ مجھے معلوم نہیں۔ جن نے کہا تو جھوٹ بولتی ہے یقیناً یہاں کوئی آدم زاد آیا ہے اور اس کو مارنے لگا میں دروازے کے پاس چھپا ہوا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اب مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے کپڑے اتار کر ایک طرف ڈال دیئے۔ اور بھاگ کر پھر اسی درزی کے مکان میں چھپ گیا مجھے آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ درزی اندر آیا۔ اور کہنے لگا کہ تمہیں ایک بوڑھا بلاتا ہے۔ اور تمہاری کلہاڑی جو تم جنگل میں بھول آئے تھے لایا ہے یہ سن کر میں ڈرا لیکن اتنی دیر میں وہ بوڑھا خود ہی اندر چلا آیا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف اڑ گیا پھر اسی مکان میں لایا جہاں میں اور وہ عورت چار دن تک رہے تھے۔ اس کے بعد عورت کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

جن، عورت اور شہزادہ

یہ ہے تمہارا وہ عاشق؟ وہ بولی کہ میں اس کو جانتی بھی نہیں ہوں۔ کہ یہ کون ہے۔ جن نے کہا کہ اگر تو سچی ہے۔ تو میرے سامنے اپنے ہاتھ سے اسے قتل کر۔ عورت بولی کہ اول تو مجھ میں اٹھنے کی تاب ہی نہیں اور اگر اٹھوں بھی تو ایک بے گناہ کو کیوں قتل کروں۔

پھر جن مجھ سے کہنے لگا کہ اچھا تم اس کو قتل کرو۔ تا کہ مجھے یقین آ جائے کہ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے میں نے کہا کہ آپ ہی غور کیجئے کہ ایک بے گناہ عورت کو قتل کر کے

میں اپنی عاقبت کیوں خراب کروں۔جن غصہ کی حالت میں تھا۔اس نے تلوار اٹھا کر پہلے تو اس عورت کے ہاتھ کاٹے اور پھر گردن اڑا دی اور پھر مجھ سے کہنے لگا۔کیونکہ تمہارا جرم مشتبہ ہے۔اس لیے قتل تو نہیں کرتا۔لیکن تمہیں بندر بنائے دیتا ہوں تا کہ احتیاط کرو۔

شہزادہ بندر کی صورت میں

میں بہت چیخا، رویا، پیٹا، مگر اس نے ایک نہ سنی اور مجھے بندر بنا کر نکال دیا۔

میں ایک مہینہ تک ادھر ادھر پھرتا رہا۔آخر ایک دن کنارے دریا کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں سے جہاز کسی سمت سفر کرنے کو تیار تھا۔میں بھاگ کر جہاز میں سوار ہو گیا۔اہل جہاز مجھے مارنے دوڑے میں پریشانی کی حالت میں جگہ جگہ سر چھپاتا پھرتا تھا۔شور و غل سن کر کپتان آ گیا۔میں اس کے قدموں میں لپٹ گیا۔اس کو میری حالت پر رحم آیا اور مجھ کو اپنے پاس رکھ لیا۔جہاز کچھ دن سفر کرتا رہا۔اس دوران میں میں نے کسی کو پریشان نہیں کیا بلکہ جہاز کے کپتان کی خدمت کرتا رہا۔آخر جہاز کسی بندرگاہ پر پہنچا۔اور وہیں لنگر ڈال دیئے ابھی لوگ جہاز سے اترنے نہیں پائے تھے کہ کچھ آدمی وہاں کے بادشاہ کی طرف سے جہاز پر آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے ملک کا وزیر مر گیا ہے اور بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنا وزیر اس شخص کو مقرر کروں گا۔جو پہلے وزیر اعظم کی طرح خوشنویس ہو گا اس لیے آپ میں اگر کوئی صاحب اچھا لکھنا جانتے ہیں تو ہمارے ساتھ چلیں اور بادشاہ سے ملیں یہ کہہ کر ان لوگوں نے کچھ کاغذ اور قلم دوات نکالی۔تا کہ اگر کوئی شخص چلنے کو تیار ہو تو پہلے اس کا ابتدائی رسم الخط دیکھ لیا جائے۔میں یہ کارروائی دیکھ رہا تھا میں نے اچک کر ان کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا۔اور ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا وہ سمجھے کہ اب یہ کاغذ پھاڑ دے گا اس لیے مجھے مارنے دوڑے لیکن کپتان جو میرے خصائل سے واقف ہو گیا تھا۔کہنے لگا صبر کرو اور دیکھو کہ یہ کیا کرتا ہے۔میں نے قلم دوات لی اور بیٹھ کر اطمینان سے اس کاغذ پر چند شعر لکھے۔

سب لوگ میری حرکتوں پر حیران تھے میں نے وہ کاغذ بادشاہ کے کارندوں کو دے دیا۔وہ میری خوشخطی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔اور مجھے لے کر بادشاہ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور کل ماجرا بیان کیا۔بادشاہ بہت خوش ہوا اور مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔میں نے بادشاہ کی شان میں کچھ قصیدے لکھے اور پیش کیے دربار کے سب آداب و تعظیمات میں اسی طرح بجا لاتا تھا۔جیسے درباری لوگ ادا کرتے تھے۔بادشاہ اور سب لوگ میری حرکتوں سے متعجب تھے۔ایک روز بادشاہ مجھے اپنے ساتھ زنانہ خانہ میں لے گئے تا کہ خواتین کو بھی میرے کمالات دکھائیں جس وقت میں اندر گیا تو شہزادی نے فوراً پردہ کر لیا۔اور باپ سے کہنے لگی۔آپ نامحرم کو کیوں گھر میں لا رہے ہیں۔بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہاں کون غیر ہے۔شہزادی کہنے لگی کہ یہ بندر جو آپ کے ساتھ آ رہا ہے حیوان نہیں بلکہ انسان ہے اور کسی نے سحر کر کے بندر کی شکل بنا دی ہے۔بادشاہ نے کہا۔کیا تم اس کو اصلی حالت میں لا سکتی ہو۔شہزادی کہنے لگی کہ جی ہاں!

بادشاہ بولا پھر کوشش کرو شہزادی نے اسی وقت ایک حصار بنایا اور اس میں بیٹھ کر کچھ پڑھنا شروع کر دیا تھوڑی دیر میں ایک غبار سا چھا گیا اور اس کے بعد وہی جن سامنے آ کھڑا ہوا جس نے مجھے بندر بنایا تھا۔شہزادی نے کہا؟ جن سے کہ ملعون تم نے وہ قسم توڑ دی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کھائی تھی۔اور پھر شرارت شروع کر دی وہ جن کچھ نہ بولا اور شیر کی شکل بن کر شہزادی پر حملہ آور ہوا۔لیکن شہزادی پہلے ہی تیار تھی۔اس نے فوراً تلوار سے اس کی گردن الگ کر دی۔اس کے بعد وہ بچھو کی شکل میں سامنے آیا۔شہزادی سانپ بن کر لڑنے لگی۔بچھو عقاب بن کر اڑنے لگا۔تو شہزادی عقاب سیاہ بن کر پیچھے چلی دونوں نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد زمین شق ہوئی اور اس میں دو بلیاں لڑتی ہوئی نکلیں۔ یکا یک ایک بلی بھیڑیا بن کر دوسری پر جھپٹی وہ بلی ایک چھوٹا سا کیڑا بن کر قریب پڑے ہوئے انار میں گھس گئی وہ انار اوپر اٹھنا شروع ہوا۔بھیڑیے نے پنجے مارے انار زمین پر گر پڑا اور ٹوٹ کر دانے بکھر گئے۔بھیڑیا مرغ بن کر سب کو کھا گیا صرف ایک دانہ حوض میں گر گیا اور مچھلی بن کر تیرنے لگا۔مرغ بھی ناکو بن حوض میں کود پڑا۔پھر معلوم نہیں کیا ہوا۔صرف اتنا ہی نظر آیا کہ تمام حوض کا پانی متلاطم ہے کچھ دیر میں طلاطم بند ہو گیا۔

شہزادی اور جن کی جنگ

اور سامنے دو شعلے بھڑکتے ہوئے۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا جن اور شہزادی شعلہ جوالہ کی صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ مصروف پیکار ہیں ہمارے قریب آ کر آگ اتنی برسی کہ تمام مکان میں آگ لگ جانے کا اندیشہ ہو گیا لیکن شہزادی ان شعلوں کو برابر ٹھنڈا کرتی رہی۔ پھر ایک چنگاری میری آنکھ میں گر گئی اور آگ بجھ گئی۔ بادشاہ اور دوسرے لوگوں پر بھی شعلے گرے ہم اس مصیبت سے پریشان تھے کہ شہزادی اپنی اصل صورت میں ظاہر ہوئی اور کہنے لگی کہ جن کو تو میں نے جلا دیا ہے جلد تھوڑا پانی لاؤ۔ تاکہ اس بندر کو اس کی اصل صورت میں لے آؤں۔ کیونکہ میرا بھی کام تمام ہو چکا ہے۔ اور چند منٹ کی مہمان ہوں۔ پانی حاضر کیا گیا شہزادی نے اس پر دم کر کے میرے اوپر چھڑکا تو میں فوراً اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ پھر شہزادی نے ایک چیخ ماری اور جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔

یہ حالت دیکھ کر مجھے بہت صدمہ ہوا۔ کہ وہ غریب صرف میری وجہ سے اپنی زندگی کھو بیٹھی ہے۔ بادشاہ کو بھی بے حد صدمہ ہوا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ یہ مصیبت صرف تمہاری وجہ سے ہی نازل ہوئی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ جب میں تمہیں دیکھوں گا تو جوان بیٹی کا غم تازہ ہو جائے گا۔

چنانچہ میں اسی وقت روتا ہوا وہاں سے چل دیا۔ اور قلندر بن کر آج ہی بغداد میں آیا ہوں۔

اب زبیدہ نے اس کا قصہ سن کر کہا۔ تمہارا قصور معاف کرتی ہوں اور تمہیں اجازت ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن اس نے بھی باقی لوگوں کا حال سننے کی اجازت چاہی اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اب تیسرا قلندر اٹھا اور اپنی داستان شروع کی۔

تیسرے قلندر کا قصہ

میں بھی ایک شہزادہ ہوں۔ مجھے سیر و سیاحت اور سمندر کے سفر کا بہت شوق تھا۔ اور میں اکثر تفریح کے لیے جہاز پر سفر کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جہاز میں بیٹھ کر ایک جزیرہ دیکھنے جا رہا تھا کہ سمندری طوفان نے ہمیں گھیر لیا اور جہاز کپتان کے بس سے باہر ہو گیا اور ہم موجوں کے رحم و کرم پر تھے کہ موجیں جہاں چاہیں لے جائیں دس بارہ روز سمندر میں بھٹکتے رہے۔ لیکن کہیں کنارا نظر نہ آیا۔ کپتان ستول پر چڑھ گیا۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگا تھوڑی دیر کے بعد وہ گھبرایا ہوا نیچے اترا اور کہنے لگا کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں ہے میں نے پوچھا کیوں کیا ہوا؟ کپتان بولا کہ ہم بھٹک کر مقناطیسی پہاڑ کے قریب آ گئے ہیں اور کچھ دیر میں جہاز اس سے جا ٹکرائے گا جتنا لوہا جہاز میں استعمال ہوا ہے۔ سب کر پہاڑ سے چمٹ جائے گا اور تختے الگ ہو جائیں گے یہ سن کر سب زار و قطار رونے لگے اتنے میں جہاز پہاڑ کے اور قریب آ گیا اور پھر دفعتاً تیزی سے چلا اور پہاڑ سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھیوں میں سے کون بچا یا سب غرق ہو گئے میں ایک ٹوٹے ہوئے تختے پر بہتا رہا یہاں تک کہ ایک دوسرے پہاڑ کے کنارے جا لگا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور تختہ چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور اوپر جا کر دیکھا کہ پیتل کا ایک گنبد ہے اور اس کی چوٹی پر پیتل کا بنا ہوا ایک گھوڑا سوار ہے۔ میں دیر تک متعجب نظروں سے اسے گھورتا رہا۔

اسی اثنا میں رات ہو گئی میں ایک محفوظ جگہ دیکھ کر وہیں سو گیا۔ رات کو خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا وہ مجھ سے فرما رہے تھے کہ صبح اٹھ کر اسی جگہ کو کھودو۔ جہاں تم سو رہے ہو۔ اندر سے تمہیں ایک پیتل کی کمان اور شیشے کا تیر ملے گا۔ اس کو لے کر ایک تیر گنبد والے سوار کو مارو۔ سوار گر جائے گا۔ اور گھوڑا تمہارے پاس آ جائے گا۔ پھر کمان اسی جگہ دفن کر دینا۔ اس عرصہ میں سمندر کے اندر طوفان آئے گا تم گھوڑے پر بیٹھ کر نیچے چلے جانا۔ اور سمندر میں ایک کشتی تلاش کرنا۔ وہ تمہیں ضرور ملے گی۔

پہاڑ پر گنبد اور اس کے اوپر گھوڑا

تم اس میں بیٹھ جانا۔لیکن یہ خیال رہے کہ اس میں بیٹھنے کے بعد خدا کا نام نہ لینا ورنہ کشتی ٹوٹ جائے گی کیونکہ یہ سب سحر اور سفلی کا کارنامہ ہے۔ جیسے مجھے خواب میں بتایا گیا تھا۔چنانچہ میں گھوڑے کی مدد سے کشتی میں سوار گیا۔وہ کشتی ایک پیتل کا ملاح چلا رہا تھا۔کشتی آٹھ دس روز تک برابر چلتی رہی۔اس کے بعد کنارا نظر آنے لگا۔خشکی کو دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بزرگ کی بتائی ہوئی احتیاط بھول گیا اور بے اختیار میرے منہ سے خدا کا شکر نکل گیا ادھر خدا کا نام میری زبان پر آیا۔ادھر کشتی ریزہ ریزہ ہوگئی۔

شہزادہ اور جادو کی کشتی

میں پانی کی موجوں میں ڈوبتا ابھرتا رہا۔ جب میرے ہوش وحواس درست ہوئے تو میں پانی میں تھا اٹھ کر کنارے پر آیا اور خداوند کریم کا شکر ادا کیا۔ادھر ادھر گھوم پھر کر کچھ جنگلی پھل کھائے پھر دور تک آبادی کی تلاش میں پھرا۔لیکن کہیں انسان کا نام ونشان تک نظر نہ آیا میں پھر کنارے کی طرف آیا تو سامنے سے ایک جہاز آتا ہوا نظر آیا۔ میں بہت خوش ہوا لیکن پھر خیال آیا کہ معلوم نہیں کہ آنے والے دوست ہیں یا دشمن۔ احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔میں ایک درخت پر چڑھ گیا۔اتنی دیر میں جہاز قریب آ گیا۔اس میں سے کچھ آدمی اتر کر خشکی پر آئے۔اور ایک جگہ سے مٹی ہٹائی۔وہاں ایک تہہ خانہ تھا اس کو کھولا اور اس میں بے شمار چیزیں کھانے پینے کی رکھیں اس کے بعد ایک نہایت خوبصورت پندرہ سال کے لڑکے کو اس کے اندر لے گئے تھوڑی دیر بعد واپس آ گئے لیکن لڑکا نہیں لوٹا۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس کارروائی کا کیا مطلب ہے۔ان لوگوں نے پھر تہہ خانہ بند کر دیا اور جہاز کی طرف چلے میں نے سوچا کہ مجھے اس غریب لڑکے کی مدد کرنی چاہیے۔ خدا جانے کیوں یہ لوگ اس کو

زندہ در گور کر گئے۔ چنانچہ جب وہ جہاز پر سوار ہو کر چلے گئے تو میں درخت سے اترا اور تہہ خانہ کھول کر اندر چلا گیا تو دیکھا بڑی پر تکلف جگہ ہے اور ایک مسند پر وہی لڑکا بیٹھا ہے میں نے اس کو دیکھ کر سلام کیا اور مجھے دیکھ کر لڑکا ڈر گیا۔ میں نے اس کو تسلی دی اور بتایا کہ میں بھی ایک مصیبت زدہ انسان ہوں۔ میرا جہاز تباہ ہو گیا تھا میں ایک تختہ کے سہارے بہتا ہوا یہاں آ لگا لیکن یہ بتاؤ کہ تم کون ہو۔ اور یہاں کس طرح آئے۔لڑکے نے کہا کہ میری پیدائش کے وقت نجومیوں نے بتایا تھا کہ اس لڑکے کے چودھویں سال خطرہ ہے۔اور کسی اجنبی ابن کسب کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔اس لیے میرے والد نے اس غیر آباد علاقہ میں ایک تہہ خانہ بنوایا اور مجھے یہاں چھوڑ گئے۔ چالیس روز گزرنے کے بعد پھر کوئی اندیشہ نہیں۔

لڑکے کی موت تہ خانہ میں

چنانچہ میرے والد آج سے چالیسویں روز بعد آ کر مجھے واپس لے جائیں گے میں اس لڑکے کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران رہ گیا کہ الٰہی کیسی مصیبت پڑے گی کہ میں اس لڑکے کو قتل کر دوں چنانچہ چالیس روز گزر گئے اور ہم بڑی محبت سے رہتے رہے ٹھیک چالیسویں روز جب کہ اس کے والد آنے والے تھے میں نے اس کو غسل کروایا لباس تبدیل کرایا۔اور کھانے کے لیے کچھ پھل رکھے۔سرہانے کی طرف الماری میں چاقو پڑا ہوا تھا میں نے بڑھ کر اس کو اٹھایا۔اور جب بیٹھنے لگا تو میرا پیر پھسل گیا اور میں لڑکے کے اوپر گرا۔اور چاقو لڑکے کے سینے میں اتر گیا اور لڑکا وہیں ختم ہو گیا۔اس واقع کا مجھے اتنا دکھ ہوا کہ میں رو پڑا۔لیکن کیا کر سکتا تھا۔تقدیر الٰہی تھی۔ جو پوری ہو کر رہی میں تہہ خانے سے نکلا اور آنے والے لوگوں کے خوف سے درخت پر چڑھ گیا۔کچھ دیر بعد وہ لوگ آئے اور تہہ خانہ کھلا دیکھ کر گھبرائے ہوئے اندر گئے پھر تھوڑی دیر بعد لڑکے کی نعش لیے ہوئے روتے پیٹتے باہر آئے لڑکے کی نعش کو اپنے ساتھ لیے جہاز پر سوار ہو گئے ان لوگوں کے جانے کے بعد میں نیچے اتر ارات اس تہہ خانے میں بسر کی۔ صبح کو خدا کے بھروسے پر ایک سمت روانہ ہو گیا اور ایک مہینہ مسلسل اس لق ودق جنگل میں چلتا رہا۔لیکن مجھے کہیں آبادی نظر نہ آئی۔ میں بہت پریشان

تھا لیکن کیا کرتا برابر آگے بڑھتا رہا۔ ایک روز دور سے مجھے ایک قلعہ نظر آیا میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب قریب پہنچا تو قلعہ کا دروازہ کھلا اور اس میں سے دس نوجوان اور ایک بوڑھا شخص نکلا۔ لیکن سب یک چشم تھے۔

دس کانے جوان اور ایک پیر مرد!

جب وہ سب میرے قریب آئے تو میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر میرا حال پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ میں نے اپنی کل داستان مصیبت سنائی وہ کچھ دیر ادھر ادھر گھومتے رہے اس کے بعد قلعہ کی طرف چلے اور مجھے پھر اپنے ساتھ لے گئے اندر سے قلعہ کافی وسیع اور خوب آراستہ تھا۔ ایک طرف بہت بڑا ہال کمرہ تھا وہ سب اس کمرے میں بیٹھ گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ بوڑھا بیچ میں بیٹھ گیا اور وہ جوان اس کے گرد حلقہ بنا کر کچھ دیر کھڑے رہے پھر وہ بھی بیٹھ گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ جو کچھ یہاں دیکھو۔ اس کے متعلق کوئی سوال نہ کرنا۔ میں نے اقرار کرلیا اور ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔ پھر ہم سب نے بیٹھ کر کھانا کھایا اور باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی۔ اس وقت بوڑھا آدمی اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں دو طشت لے کر آیا۔ اور دو جوانوں کے سامنے رکھ دیئے پھر اسی طرح ایک اور طشت لایا اور سب کے آگے وہ طشت رکھ دیا۔ ان جوانوں نے سر پوش اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ ان میں سیاہی ہے۔ ہر جوان نے اس میں کچھ سیاہی لی اور اپنے چہرے پر مل لی۔ جب سب سیاہی مل چکے تو ماتم شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک ماتم کرتے رہے پھر ایک شخص پانی لایا اور سب نے منہ ہاتھ دھوئے اور اپنے اپنے سونے کے کمرے میں چلے گئے۔ مجھے بھی ایک کمرہ سونے کے لیے دے دیا گیا۔

لیکن میں اس واقعہ کو دیکھ کر چونکہ بہت پریشان اور حیران تھا اس لیے رات بھر نیند نہ آئی۔ اگلے دن بھی اسی فکر میں رہا۔ کہ آخر اس کارروائی کا کیا مطلب ہے۔ رات کو ان لوگوں نے پھر وہی حرکتیں کیں۔ میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور میں نے ان سے سوال کر ہی دیا کہ آپ لوگوں کے ایسے کرنے کا کیا سبب ہے ان میں سے ایک نوجوان بولا۔ تمہاری ہی

بہتری کے لیے اصل حالات ظاہر نہیں کرتے اگر تم سنو گے تو اپنی داہنی آنکھ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ میں نے کہا خواہ کچھ ہو۔ لیکن میں صحیح حالات معلوم کر کے رہوں گا تو نوجوان کہنے لگا اچھا صبح کو ہم انتظام کریں گے۔ تم خود اپنی آنکھ سے دیکھ لینا یہ کہنے کی بات نہیں ہے۔ صبح کو ان لوگوں نے مجھے پھر سمجھایا کہ اس چکر میں نہ پڑو۔ لیکن میں نہیں مانا۔ مجبوراً ان میں سے ایک شخص بھیڑ لایا۔ پھر اس کو ذبح کر کے گوشت الگ کر دیا اور کھال مجھے دے دی۔ کہ اس میں لپٹ جاؤ۔ ہم اس کو اوپر سے سی دیں گے اور باہر رکھ دیں گے۔ تھوڑی دیر بعد پھر ادھر سے پرندہ گزرے گا وہ تمہیں اپنا شکار سمجھ کر اٹھا لے گا۔ اور اڑ جائے گا ایک پہاڑ پر اترے گا۔ اس وقت اس سے پہلے کہ وہ تمہیں نقصان پہنچائے اس چھری سے جو ہم تمہیں دیں گے کھال کاٹ کر باہر نکل آنا اور شور مچانا، وہ ڈر کر اڑ جائے گا اور تم تھوڑی دور آگے جانا وہاں ایک قلعہ نظر آئے گا۔ اس کے اندر چلے جانا پھر ہمارا راز تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں اس کے لیے تیار ہو گیا چنانچہ ان لوگوں نے چھری دے کر کھال میں سی دیا اور قلعہ کے باہر میدان میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد پرندہ آیا اور مجھے اٹھا کر لے چلا خدا جانے وہ کتنی دیر اڑا بہر حال جب وہ ایک جگہ اترا تو میں فوراً کھال چیر کر باہر آ گیا۔ اور شور مچانے لگا۔ پرندہ ڈر کر اڑ گیا۔ وہاں سے میں سامنے کی جانب چلا تو سامنے قلعہ نظر آیا میں بے کھٹکے قلعہ کے اندر چلا گیا قلعہ اندر سے اتنا حسین اور عمدہ تھا کہ میں نے آج تک ایسی عمارت نہیں دیکھی تھی۔ سجاوٹ کا یہ عالم تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا ہفت اقلیم کا زر و جواہر اس کی صناعی میں خرچ کیا گیا ہے میں نے چاروں طرف دیکھا۔ لیکن مجھے کوئی شخص نظر نہ آیا تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو شاندار بارہ دری نظر آئی۔ اس میں چالیس عورتیں بیٹھی تھیں جن کا نظیر شاید چشم عالم نے نہ دیکھا ہو۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئیں۔ اور بہت اعزاز و اکرام سے مجھے لے جا کر بٹھایا۔ اور خود میرے سامنے دست بستہ کھڑی رہیں۔ میں یہ عالم دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اس کے بعد وہ سب میرے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

ابن کسب اور مہ جبیں عورتیں!

اور میرے حالات دریافت کرتی رہیں اور باتوں باتوں میں رات ہوگئی۔ شام کا دستر خوان بچھا۔ دسترخوان پر بے شمار نعمتیں موجود تھیں۔ میں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر ناچ گانا ہوتا رہا۔ آدھی رات کے قریب وہ کہنے لگیں کہ اب آرام کیجئے اور ہم میں سے جس کو پسند کیجئے۔ وہ آپ کے ساتھ چلے گی میں سوچنے لگا کہ میں کس کو منتخب کروں ایک سے ایک حسین عورت تھی۔ مجھے خاموش دیکھ کر ان میں سے ایک آگے بڑھی اور کہنے لگی ہم میں حسد نہیں ہے۔ کسی کو بھی اپنے ساتھ سلایئے۔ کیونکہ کل دوسری کی باری ہوگی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ میرے ساتھ روانہ ہوگئی اور باقی دوسرے کمروں میں چلی گئیں۔

صبح کو میں بیدار ہوا تو وہ سب عورتیں میرے پاس سلام کرنے آئیں۔ میں ان معاملات کو دیکھ کر بڑا حیران تھا۔

کہ آخر یہ کیا اسرار ہے۔ بہر حال دوسرا دن بھی عیش وعشرت میں بسر ہوا۔ شب کو حسب معمول ایک دوسری عورت میرے پاس ہوتی۔ یونہی زندگی گزرتی رہی۔ میں دنیا و مافیہا کو بالکل بھول گیا۔ یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا دوسرے سال کا پہلا دن تھا۔ میں صبح بیدار ہوا تو باہر سے شور اور رونے کی آوازیں آتی ہوئی معلوم ہوئیں میں باہر آیا تو وہ سب عورتیں رو رہی تھیں۔ میں نے سبب دریافت کیا تو کہنے لگیں۔ کہ اب ہم آپ سے رخصت ہو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کیوں؟ وہ بولیں کہ ہم سب مختلف شہروں کی شہزادیاں ہیں۔ تفریح طبع کے لیے ایک سال اس مکان میں ہمارا قیام رہتا ہے۔

اور دوسرے سال کے پہلے دن ہم یہاں سے چالیس روز کے لیے باہر رہیں گے اور اس کے بعد پھر ایک سال کے قیام کے لیے لوٹ آئیں گے اب تک یہاں سے بہت سے لوگ آئے اور سال بھر رہے لیکن ہمارے جانے کے بعد ہماری ہدایات کے خلاف کیا اور نقصان اٹھایا۔ خدا جانے وہ زندہ ہیں یا مر گئے ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ اب ہم سے

آپ یہاں کی کنجیاں لیجئے اور آرام و بے فکری کے ساتھ رہیے۔ سارے قلعہ میں گھومیئے پھریئے۔ لیکن اس کمرے کو نہ کھولیئے ورنہ نتیجہ کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔

یہ کہہ کر کنجیاں میرے سپرد کیں۔ اور خود چلی گئیں۔ انتالیس دن تک میں نے ان کی ہدایات پر عمل کیا لیکن ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ چالیسویں روز مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے وہ کمرہ کھولا جس سے ممانعت تھی۔ دروازہ کھلتے ہی خوشبو کی لپٹوں سے دماغ معطر ہوگیا۔ اندر جا کر دیکھا بہترین زر وجواہر سے کمرہ بھرا پڑا تھا۔ اور ہر چیز نادر و نایاب ہے کہ بہت کم کسی کی نظر سے گزری ہوگی۔ سامنے ایک مشکی گھوڑا کھڑا ہے زین وساز سے کسا ہوا۔ میں گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوگیا۔ لیکن یہ سواری نئی قسم کی تھی۔ گھوڑا مجھے لے کر آسمان پر اڑنے لگا۔ تموج ہوا سے بے ہوش ہوگیا تھوڑی یا بہت دیر میں جس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں۔ گھوڑا ایک میدان میں اترا اور مجھے اپنی پیٹھ سے اتار کر اوجھل ہوگیا۔

میں وہاں سے اٹھ کر آگے بڑھا اور دیکھا سامنے کچھ آدمی ننگے بیٹھے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا کہ ان کا حال معلوم کروں۔ لیکن ان لوگوں نے مجھے جھڑک دیا۔ اور کوئی گفتگو نہیں کی۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا اور قلندرانہ وضع اختیار کر لی، اور پھرتا پھراتا ادھر آنکلا۔ یہاں ان دونوں قلندروں سے ملاقات ہوگئی۔

زبیدہ نے یہ سن کر اس کو بھی جانے کی اجازت دے دی۔ پھر خلیفہ ہارون وجعفر اور مسرور کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ کہ تم بھی اپنا قصہ بیان کرو۔ جعفر نے کہا کہ ہمارے حالات صرف وہی ہیں۔ جو ہم نے مکان میں داخلے سے قبل بیان کئے تھے زبیدہ نے زنگی غلاموں کو حکم دیا کہ سب کو باہر نکال دو۔ چنانچہ یہ سب لوگ باہر آگئے۔ خلیفہ کے اشارہ پر جعفر ان قلندروں کو اپنے ساتھ لے گیا۔

صبح کو جب خلیفہ ہارون رشید کا دربار آراستہ ہوا تو بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ فلاں محلہ سے زبیدہ، صافی اور امینہ معہ اپنی کتیوں کے لائی جائیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ زبیدہ کی نظر خلیفہ اور جعفر پر پڑی تو ان کو پہچان کر کانپ گئی کہ وہ رات والے سوداگر ہیں۔ دیکھئے شب والی گستاخی کا کیا انجام ہو خلیفہ ہارون رشید نے زبیدہ کو اپنے حالات بیان کرنے کا حکم دیا۔ زبیدہ کانپتی اور ڈرتی ہوئی آگے بڑھی اور اس طرح حالات زندگی بیان کرنے شروع کر دیئے۔

زبیدہ کی داستان حیات

یا امیر المومنین یہ دونوں کتیاں میری سگی بہنیں ہیں۔ ان میں سب سے بڑی بہن میں ہوں۔ صافی اور امینہ میری سوتیلی بہنیں ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد ورثہ میں ہمیں کافی جائیداد ملی تھی۔ میری حقیقی بہنوں نے اپنی منشاء کے مطابق اپنے نکاح کر لیے اور شوہروں کے ہمراہ چلی گئیں لیکن ان کا انتخاب غلط ثابت ہوا تھوڑی ہی مدت میں ان کا روپیہ پیسہ ختم ہو گیا۔ اور ان کے خاوندوں نے ان کو گھروں سے نکال دیا۔

یہ تباہ و برباد ہو کر میرے پاس آئیں۔ میں نے ان کو سر آنکھوں پر لیا۔ اور جتنی دلجوئی کر سکتی تھی وہ کی۔ ابھی ایک سال بھی پورا نہیں گزرا تھا کہ ان دونوں نے پھر شادی کا اظہار کیا۔ میں نے کہا کہ پہلے نکاح کے بعد تمہاری کیا بھلائی ہوئی ہے کہ اب تم پھر ارادہ کر رہی ہو۔ چند دن صبر کرو۔ مناسب موقع دیکھ کر میں تمہاری شادی کا انتظام کر دوں گی لیکن میری دونوں بہنیں مصر ہیں اور حسب مرضی دوبارہ عقد کر لیے لیکن کچھ ہی دن بعد پھر پریشان حال واپس آئیں۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اس وقت ان کو ملامت کروں۔ اپنے یہاں محبت سے رکھا۔ ابھی چند مہینے گزرے تھے۔ کہ ہمیں تجارت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ہم مناسب مال خرید کر بصرے کی طرف روانہ ہوئیں۔

تقدیر سے ہمارا جہاز راستہ بھول گیا۔ اور ہم بظاہر ایک غیر آباد جزیرے کے پاس پہنچے ۔ کپتان نیچے اترا اور جزیرے کے حالات معلوم کرنے چلا گیا تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور کہنے لگا کہ یہاں آکر خدا کی قدرت دیکھو کیا کیا عجائبات ہیں ہم سب اتر کر گھومنے پھرنے نکل گئے میری بہنیں ایک سمت چلی گئیں۔ میں دوسری سمت چل پڑی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک پورا شہر آباد ہے مکان نفیس اور عالی شان بازار سجے ہوئے باغات اور نہریں موجود۔ ہر طرف پھیلے ہوئے ہزاروں آدمی سڑکوں پر نظر آئے لیکن سب پتھر کے بنے ہوئے کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا میں سخت تعجب کے عالم میں دیکھتی ہوئی آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔ تھوڑی اور آگے بڑھی تو ایک مکان سے انسانی آواز آئی۔ میں نے اندر جھانکا تو معلوم ہوا کہ ایک بہت خوبصورت نوجوان بیٹھا۔

زبیدہ نے نوجوان کو قرآن شریف پڑھتے دیکھا

قرآن مجید پڑھ رہا ہے میں نے اندر جا کر اس کو سلام کیا۔ جب سے میری نظر اس پر پڑی تھی دل کا عجیب حال تھا جو کہ عرض کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے لیکن حضور کے سامنے چونکہ سب واقعات پیش کرنے ہیں اس لیے مجبوراً کہتی ہوں کہ اس نوجوان کو دیکھ کر میں اس سے محبت کرنے لگی۔ جب سلام کر کے میں اس کے قریب گئی تو وہ بھی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے آج مدت کے بعد اپنے جنسوں کی صورت نظر آئی ہے۔ میں نے اس سے حال دریافت کیا تو وہ سرد آہ بھر کر بولا۔ کہ اس ملک کا بادشاہ میرا باپ ہے اور یہاں کے لوگ آتش پرست تھے۔ مجھے جس دایہ نے پرورش کیا وہ مسلمان تھی کبھی کبھی مجھے بھی اسلام کے فرائض بتایا کرتی تھی۔

جب میں سن شعور کو پہنچا تو میں پوشیدہ طور پر مسلمان ہو گیا۔ اور کچھ زمانہ گزرا تو ایک روز ایک آواز غیب سے آئی جسے سارے شہر نے سنا کہ تم سب خدا پر ایمان لے آؤ مسلمان ہو جاؤ ورنہ عذاب آنے والا ہے۔ اہل شہر نے سنا لیکن پرواہ نہ کی۔

آخر عذاب آیا اور سب پتھر کے بن گئے صرف میں تنہا باقی بچا ہوں۔ امیر المومنین، یہ حال سن کر میں ڈری اور اس سے کہنے لگی۔ کہ کنارے پر ہمارا جہاز کھڑا ہے۔ اگر آپ بھی یہاں سے چلنا چاہیں تو ہمارے ساتھ چلیں۔ وہ تیار ہو گیا۔ پھر ہم جہاز پر آئے اور یہاں سے زر و جواہر بھر لیا۔ وہ نوجوان شہزادہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگا تھا۔ چنانچہ جہاز پر ہی ہمارا عقد ہو گیا۔ اور ہم ہنسی خوشی بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک روز شب کو جب کہ موسم بہت ہی سہانا تھا۔ میں اور میرا شوہر جہاز کے عرش پر سو رہے تھے کہ ان دونوں بہنوں نے ہمیں سمندر میں پھینک دیا۔ میرا شوہر تو اسی وقت غرق ہو گیا۔ لیکن میں ایک تختے کے سہارے صبح تک تیرتی رہی۔ آخر موجوں نے مجھے کسی جزیرے کے کنارے لا کر ڈال دیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور تیر کر خشکی پر آئی۔ کچھ جنگلی پھل کھا کر ایک درخت کے نیچے دم لینے کے لیے بیٹھ گئی۔ میں شاید سو جاتی کہ ایک تیز سرسراہٹ کی آواز سن کر چونک پڑی

سامنے دیکھا کہ ایک سانپ منہ کھولے بری طرح بھاگا ہوا آ رہا ہے اور اس کے پیچھے ایک اژدہا ہے۔ میں گھبرا کر اٹھی۔ اور ایک بڑا سا پتھر اٹھایا۔ جونہی وہ میرے قریب سے گذرے ان پر دے مارا۔ پتھر اژدہے کو لگا۔ اور اس کا سر کچل گیا۔

سانپ نے میری طرف دیکھا۔ اور پھر ایک دم اوپر اڑ گیا۔ میں یہ ماجرا دیکھ کر بہت پریشان ہوئی لیکن کیا کر سکتی تھی۔ میری تو وہ مثل ہو رہی تھی نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ مجبوراً ایک صاف سا پتھر دیکھ کر اس پر لیٹ گئی۔ اس پریشانی میں بھی خدا جانے کس طرح میری آنکھ لگ گئی۔ جب میں بیدار ہوئی تو دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت دو کتیوں کو لیے بیٹھی ہے میں اس کو دیکھ کر ڈری۔ لیکن وہ میرے قریب آ کر کہنے لگی کہ تم پریشان نہ ہو۔ میں دوست ہوں دشمن نہیں حقیقتاً میں انسان نہیں ہوں۔ بلکہ پری ہوں ابھی کچھ دیر ہوئی۔ تم نے میری جان بچائی تھی میں نے پوچھا کہ میں نے تمہاری جان کب اور کس طرح بچائی ہے۔ وہ مسکرا کر بولی۔ وہ سانپ جو دوڑا ہوا آ رہا تھا۔ میں ہی تھی۔ اور یہ اژدہا جو مرا پڑا ہے۔ ایک جن تھا جو مجھے پکڑنا چاہتا تھا خدا نے اس وقت تمہیں میری مدد کے لیے بھیج دیا۔ اور تم نے اس خبیث کو ہلاک کر دیا۔ اس کی ہلاکت کے بعد جب اطمینان سے میں نے تمہاری طرف دیکھا تو مجھے اصلی حال معلوم ہو گیا۔ چنانچہ میں فوراً اڑ گئی اور تمہارے جہاز کو باحتیاط بغداد پہنچا کر کل مال واسباب بھی تمہارے گھر رکھ آئی۔

اور تمہاری غدار بہنوں کو بطور سزا کتیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے جو یہ حاضر ہیں۔ ان کا قصور ایسا نہیں کہ صرف اسی سزا پر کفایت کی جائے۔ بلکہ روزانہ ان کو سو کوڑے مارو ورنہ تم نقصان اٹھاؤ گی پھر کہنے لگی کہ تم آنکھیں بند کر لو۔ اس نے مجھے اٹھا لیا۔ اور پھر جو آنکھ کھلی تو خود کو اپنے مکان بغداد میں پایا۔ جاتے ہوئے اس نے مجھے اپنا بال دیا کہ اگر کبھی میری مدد کی ضرورت ہو تو تم مجھے بلا سکتی ہو۔

اے امیر المومنین اس روز سے روزانہ میں ان کتیوں کو سو کوڑے مارتی ہوں۔ لیکن پھر بہن ہونے کا خیال آتا ہے۔ تو ان کو پیار کرتی ہوں۔ زبیدہ اپنا قصہ سنا کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ خلیفہ نے پھر امینہ کو حکم دیا کہ تم اپنا حال بیان کرو۔ یہ سن کر امینہ خلیفہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ اور اپنا حال اس طرح سنانا شروع کیا۔

امینہ کی کہانی

جیسا کہ بہن زبیدہ نے اپنا قصہ میں بیان کیا ہے۔ میرے والد نے بہت دولت چھوڑی تھی۔ میں اپنا حصہ لے کر الگ ہوئی کچھ مدت بعد میں نے ایک جوان صالح سے عقد کر لیا۔ لیکن وہ تھوڑے ہی دنوں بعد فوت ہو گیا۔ مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ میں نے عہد کر لیا کہ نکاح ثانی نہیں کروں گی۔ روپیہ پیسہ کی میرے پاس کوئی کمی نہ تھی۔ میں اطمینان سے اپنے گھر رہنے لگی کہ پتا چلا کہ کچھ دنوں بعد میری ایک عزیز کی شادی ہے اس تقریب میں امیر المومنین کے ہاں سے بھی بعض خواتین آئیں گی۔

مجھ سے رشتہ داروں نے کہا کہ واقف نہیں ہیں۔ اگر تم چلو اور ان کی تواضع کا انتظام کر دو تو عین نوازش ہو گی۔ میں نے منظور کر لیا۔ اور ان کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ وہ مجھے ایک بہت بڑے مکان میں لے گئے۔ وہاں ایک نہایت خوبصورت عورت اور جوان نے میرا استقبال کیا۔ اور اعزاز و کرام سے صدر مقام پر بٹھایا۔ لیکن میں حیران تھی۔ کہ یہاں شادی کا کوئی ہنگامہ نظر نہیں آتا۔ وہ عورت میرے پاس بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی کہ بہن معاف کرنا۔ شادی تو ایک بہانہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ بہت بڑے افسر کا لڑکا تم پر عاشق ہو گیا ہے۔ اس کا حال بہت ہی ابتر ہے۔ تم اس پر کرم کرو۔ اور شادی کر لو۔

یہ سن کر میں بہت ہی ناراض ہوئی۔ کہ کیا یہی شریفوں کا شیوہ ہے ابھی میں شاید اور کچھ سخت سست کہتی۔ کہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان اندر آیا۔ اور مجھ سے دست بستہ کھڑا ہو کر شادی کی درخواست کرنے لگا۔ اندازے سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ کسی بہت بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ اس لیے بہت زیادہ سختی بھی نہیں کر سکتی۔ جب میں نے کوئی جواب نہ دیا تو کہنے لگا کہ میری جان پر بنی ہے جب تک تم اقرار نہیں کرتی تمہیں جانے نہیں دوں گا۔ اور اگر بات بڑھی تو خیر میں اپنی جان دے ہی دوں گا۔ لیکن تم بھی بغداد میں رسوا ہو جاؤ گی۔

یہ سب باتیں میں بھی سوچ رہی تھی۔ آخر میں نے دل کو سمجھایا کہ نوجوان ہزاروں میں ایک ہے صاحب عزت و وقار والا ہے۔ خاموشی سے قبول کر لینا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ میں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ اسی وقت قاضی صاحب آ گئے اور ہمارا عقد ہو گیا۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنے لگی۔ لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون ہے۔

امینہ کا شوہر قتل کرنا چاہتا ہے

ایک روز میں بازار میں کپڑا خریدنے گئی۔ ایک دوکان پر میں نے کپڑا دیکھا۔ اور قیمت دریافت کی تو بزاز نے بڑی گستاخی سے کہا کہ صرف ایک بوسہ، میں بہت ناراض ہوئی اور چلنے کا ارادہ کیا اتنے میں دوکاندار اٹھ کر مجھ سے لپٹ گیا اور میرے رخسار پر اس زور سے کاٹا کہ خون نکل آیا اور پھر دوکان کے دوسرے دروازے سے بھاگ گیا۔ میں شرم وغیرت کی وجہ سے گھر چلی آئی۔ شام کو میرے شوہر نے میرا رخسار دیکھ کر پوچھا کہ کیا ہوا میں نے جھوٹ کا سہارا لیا اور کہہ دیا کہ چوٹ لگ گئی ہے۔ لیکن وہ مطمئن نہ ہوا۔ اور ایک غلام کو بلا کر حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔

میں بہت روئی پیٹی۔ لیکن اسے رحم نہ آیا۔ آخر وہ بوڑھی عورت جو مجھے لائی تھی۔ اس کے قدموں میں گر پڑی اور میری جان بخشی کے لیے عرض کرنے لگی۔ اس پر میرا شوہر کہنے لگا کہ خیر میں قتل تو نہیں کرتا لیکن سزا ضرور دوں گا۔ چنانچہ اس نے ہنٹر لے کر اتنا مارا۔ کہ میں بے ہوش ہوگئی۔ جب ہوش میں آئی تو دیکھا کہ میں ایک چھوٹے سے گندے مکان میں ہوں اور وہ بڑھیا میری تیمارداری کر رہی ہے مدت تک میرا علاج ہوتا رہا۔ آخر میں تندرست ہوگئی اور اپنی بہن زبیدہ کے پاس آگئی۔ اور اس کو کل حال سنایا۔ اس نے مجھے محبت سے اپنے پاس رکھ لیا اور اب میں یہیں رہتی ہوں۔

خلیفہ یہ واقعات سن کر بہت متعجب ہوا۔ اور حکم دیا کہ یہ واقعات شاہی کتب خانے میں لکھے جائیں پھر زبیدہ کو کہا کہ اس پری کو بلاؤ جس نے تمہاری بہنوں کو کتیاں بنایا ہے۔

پری نے کتیوں کو اصلی صورت دی

زبیدہ نے پری کا بال نکالا اور اس کو جلا دیا۔ پری فوراً سامنے آ کھڑی ہوئی اور خلیفہ کو سلام کیا پھر کہنے لگی کہ امیر المومنین میں زبیدہ کی بے حد ممنون ہوں۔ خلیفہ نے پری سے کہا کہ تم ان کتیوں کو اصلی صورت میں لا سکتی ہو۔ پری نے کہا ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ان کو انسان بنا دو۔ پری نے کچھ پڑھ کر دم کیا تو وہ کتیاں انسانی شکل میں آگئیں۔ پھر خلیفہ نے کہا کہ میری حکومت میں امینہ جیسی پاک و بہادر لڑکی پر ظلم کرنے والا کون شخص ہے۔ پری نے کہا آپ کا چھوٹا لڑکا۔ امین۔ پھر امینہ پر پڑھا ہوا پانی چھڑکا۔ جس سے اس کے سب زخم کے نشانات وغیرہ صاف ہو گئے اور پری سب کو سلام کر کے غائب ہوگئی۔

خلیفہ نے امین کو طلب کیا اور امینہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر اصل واقعہ بتایا۔ اور کہا کہ اس کو اپنے حرم میں رکھو۔ یہ بالکل بے گناہ ہے زبیدہ نے خلیفہ سے خود عقد کیا اور تینوں قلندروں کا نکاح زبیدہ کی تینوں بہنوں سے کر دیا۔ شہزادی نے کہانی پوری کی تو ابھی کچھ رات باقی تھی۔ چنانچہ دنیازاد کے اصرار پر سندباد کا قصہ شروع کیا۔

سندباد کا قصہ

خلیفہ ہارون رشید کے عہد حکومت میں ایک ضعیف لکڑ ہارا بغداد میں رہا کرتا تھا اس کا نام ہندباد تھا وہ ایک روز لکڑیوں کا گٹھا لیے ہوئے اتفاقاً سندباد جہازی کی حویلی کے پاس سے گزرا اور تھکان سے مجبور ہو کر لکڑیوں کو ایک طرف رکھ دیا اور خود ستانے بیٹھ گیا۔ اس وقت سندباد کے یہاں کچھ احباب بیٹھے تھے اور خوش گپیاں ہو رہی تھیں۔ ضعیف لکڑ ہارے کو اس کی امارت دیکھ کر بہت رشک آیا۔ ایک راہ چلتے آدمی سے پوچھنے لگا کہ بھائی اس حویلی میں کون رہتا ہے۔ وہ بولا کہ تم بغداد میں رہتے ہو۔ اور سندباد جہازی کو نہیں جانتے۔ راہ گیر تو چلا گیا۔ لیکن لکڑ ہارا آسمان کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔

کہ خداوند ہندو باد اور سند باد کے ناموں میں کچھ فرق زیادہ نہیں۔ لیکن یہ کتنا امیر ہے ۔اور میں کتنا غریب ہوں۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ الفاظ سند باد نے بھی سن لیے اور ایک غلام کو اشارہ کیا کہ اس بڈھے کو بلالاؤ غلام بوڑھے کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ آپ کو مالک بلاتے ہیں۔ ہند باد کو تعجب ہوا کہ اس امیر کو مجھ غریب سے کیا کام ہوگا۔ لیکن وہ غلام کے ساتھ اندر گیا سند باد نے اچھی طرح تعظیم سے لکڑہارے کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور بولا کہ تم باہر بیٹھے ہوئے کیا کہہ رہے تھے؟ بوڑھا ڈرا کہ دیکھئے کیا ہوا۔ کہنے لگا کہ حضور بوجھ اٹھانے سے چور ہو گیا ہوں۔ یوں کچھ زبان سے نکل گیا سند باد نے کہا کہ خوف نہ کرو۔ میں نے تمہارے الفاظ سن لیے ہیں۔ میرے دل پر ان کا بہت اثر ہوا۔ لیکن تو یہ خیال نہ کرو کہ یہ دولت مجھے کہیں سے مفت ہی مل گئی ہے بلکہ میں نے اس کے لیے بہت مصیبتیں اٹھائی ہیں میں تمہیں اپنی روداد سناتا ہوں۔ اس کے بعد ایک غلام کو حکم دیا کہ ہند باد کا لکڑی کا گٹھر گھر ڈال آؤ۔

سند باد کا پہلا سفر

سب حاضرین کو مخاطب کر کے سند باد نے اپنی داستان سنانی شروع کی۔ میرے والد بہت بڑے تاجر تھے نقدی کے علاوہ جائیداد بھی کافی تھی۔ جب انہوں نے وفات پائی۔ تو کل املاک میرے قبضہ میں آ گئیں۔ نوجوانی کا زمانہ تھا میں عیش وعشرت میں پھنس گیا اور بے دردی سے روپیہ خرچ کرتا رہا آخر دولت کہاں تک ساتھ دیتی۔ سرمایہ ختم ہونے لگا۔ تو آنکھیں کھلیں جو جائیداد باقی تھی اس کو فروخت کر کے روپیہ اکٹھا کیا اور اپنے ملنے والے تاجروں سے مشورہ کر کے اسباب تجارت خریدا اور خدا کا نام لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا ہمارا جہاز مختلف مقامات پر ٹھہرا میں جو چیزیں ساتھ لایا تھا۔ ان کو فروخت کرتا اور نیا مال خریدتا رہا۔ اور اس طرح میں نے معقول فائدہ حاصل کیا۔ ایک روز ہمارا جہاز ایک چھوٹے سے جزیرے کے قریب ٹھہرا۔ اور ہم لوگ سیر کرنے کے لیے نیچے اتر آئے۔ میں سیاحت کا ہمیشہ سے شائق ہوں۔ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ زیادہ دور پھرتا ہوا چلا گیا۔ دفعتاً ایک زلزلے کا سا جھٹکا لگا۔ اس وقت جہاز کا کپتان چلایا بھاگو بھاگو جلدی کرو یہ جزیرہ

نہیں مچھلی ہے اور ہم سب اس کی پشت پر پھر رہے ہیں۔ یہ سن کر لوگ بے تحاشا دوڑے جو جہاز کے قریب تھے۔ وہ تو سوار ہو گئے لیکن چونکہ میں دور چلا گیا تھا جہاز تک نہ پہنچ سکا اتنے میں مچھلی نے ڈبکی لگائی اور میں پانی کی سطح پر رہ گیا ہر چند ہاتھ پاؤں مارے کہ جہاز تک پہنچ جاؤں۔ لیکن موجوں کے زور سے خدا جانے کہاں سے کہاں جا نکلا۔ آخر یونہی اچھلتا بیٹھتا کسی موج کے زور پر ایک جزیرے کے کنارے جا پڑا خشکی تک پہنچا اور خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا۔ جنگلی پھل اور پتے کھا کر ایک چشمہ سے پانی پیا۔ تو اوسان درست ہوئے کچھ دیر تک ایک درخت کے نیچے پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر چلا کہ دیکھوں کوئی آبادی ہے یا نہیں۔ کچھ دور چلا تھا کہ ایک گھوڑی درخت سے بندھی ہوئی نظر آئی میں اس کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں گیا تو دیکھا کہ کچھ آدمی درختوں کے نیچے چھپے بیٹھے ہیں انہوں نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور حال دریافت کیا۔ میں نے کل واقعہ سنایا وہ کہنے لگے۔ گھبراؤ نہیں ہمارے ساتھ چلو پھر اپنی آمد کا حال سنایا۔ کہ ہم دریائی گھوڑے کی نسل لینے آئے ہیں۔ چنانچہ آج بھی شاہی گھوڑی اسی لیے لائی گئی ہے کہ جب دریائی گھوڑا اس سے مل لے گا۔ تو شور کر کے اس کو بھگا دیں گے کیونکہ دریائی گھوڑے کا قاعدہ ہے کہ مادہ کو ملنے کے بعد زندہ نہیں چھوڑتا میں ان لوگوں کے پاس ہی چھپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑا پانی سے نکلا اور گھوڑی سے جفتی کی۔ جب فارغ ہوا اور گھوڑی کو مارنا چاہا تو ہم نے شور مچا کر اس کو بھگا دیا۔ اس کے بعد ہم گھوڑی لے کر شہر آ گئے۔

ان لوگوں نے میرا قصہ بادشاہ کو سنایا۔ اس نے مجھ پر بہت مہربانی کی۔ کھانے پینے کا انتظام کیا۔ میں نے سب علاقہ دیکھا لوگوں سے ملا۔ وہاں کے رسم ورواج معلوم کیئے۔ پھر ایک جزیرہ دیکھنے لگا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہاں سے خود بخود گانے کی آواز آتی ہے واقعی عجیب اسرار تھا ایک روز میں نے سنا کہ کوئی جہاز آیا ہے میں بھی سمندر کے کنارے پر گیا۔ وہاں سے جو اسباب اتر رہا تھا۔ میں نے اس پر اپنا نام لکھا ہوا دیکھا میں نے کپتان سے ملاقات کی۔ لیکن مصائب نے میری صورت اتنی بدل دی تھی کہ کپتان پہچان نہ سکا۔ میں نے اپنے سامان کی ساری تفصیلات اور اپنے رہ جانے کا قصہ اس کو سنایا۔

تب اس نے پہچانا اور بڑی گرم جوشی سے ملا۔ اور میرا کل اسباب معہ منافع جو اس دوران میں فروخت ہوا مجھے دے دیا۔ میں نے کپتان کو کچھ دینا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا

اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں زندہ دیکھ رہا ہوں۔ اور تمہاری امانت تم تک پہنچا سکا۔ میں اس کی دیانت داری دیکھ کر حیران رہ گیا پھر میں نے اپنا مال وہاں فروخت کیا اور اپنا پسندیدہ مال خرید کر جہاز پر سوار ہوا اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوا گھر واپس آیا۔

اس سفر میں مصیبت تو بہت پیش آئی۔ لیکن منافع بھی اتنا ہوا کہ شاید عام حالات میں دس برس میں بھی نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سندباد نے ایک تھیلی دینار کی بڈھے لکڑہارے ہندباد کو دی۔ اور کہا کہ کل پھر آنا اپنی باقی داستان زندگی بھی سناؤں گا۔ روپیہ پا کر بوڑھا خوشی خوشی گھر گیا۔ اگلے روز اچھا لباس پہن کر وقت مقررہ پر سندباد کے محل میں پہنچا۔

سندباد کا دوسرا سفر

سندباد نے اپنے دوسرے سفر کا حال سنانا شروع کیا۔ پہلے سفر کے بعد میرا ارادہ تھا کہ اب دریا کا سفر نہیں کروں گا لیکن چند روز آرام کرنے کے بعد پھر میرے دل میں سفر کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ میں نے مال و اسباب تجارت خریدا ایک جہاز جو کہ بہت سے تاجروں کو لے جا رہا تھا۔ اس پر سوار ہو گیا۔ ہم ہفتوں سفر کرتے رہے۔ بہت سے جزیروں میں مال فروخت کیا وہاں کا مال خریدا اور آگے کی طرف روانہ ہوئے میں نے ہفتوں میں کافی منافع حاصل کر لیا تھا ایک روز ہم کئی دن کے سفر کے بعد ایک ویران جزیرے کے قریب پہنچے اور سوختہ پھل حاصل کرنے کے لیے وہاں ٹھہر گئے میں دور تک جزیرے کی سیر کرتا ہوا نکل گیا۔ میں اپنے خیالات میں ایسا محو تھا کہ یاد ہی نہ رہا۔ کہ ساحل کدھر ہے گھبرا کر لوٹا۔ لیکن تمام دن پھرنے کے باوجود بھی مجھے کنارہ نہ ملا۔ جہاں ہمارا جہاز ٹھہرا تھا۔ اس کے بعد جدھر منہ اٹھا روانہ ہو گیا۔ ایک رات دن سفر کے بعد میں نے ایک گیند جیسی سفید چیز دیکھی۔ لیکن یہ معلوم نہ کر سکا کہ یہ کیا ہے کہ دفعتاً میرے سر پر اور آس پاس سایہ چھا گیا۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی تو ایک دیو پیکر پرندہ اڑتا ہوا نظر آیا میں ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا وہ پرندہ نیچے اترا۔ اور اس سفید گیند پر بیٹھ گیا اس وقت مجھے خیال آیا۔ کہ یقیناً وہ سیمرغ جانور ہے۔ اور وہ سفید گیند اس کا انڈا ہے میں نے سوچا کہ یہاں سے نکلنے کی یہی تدبیر ہے کہ جب یہ

اڑے تو اس کے پنجوں سے لپٹ جاؤں۔

جہاں کہیں یہ اترے گا میں بھی پہنچ جاؤں گا آگے خدا کی مرضی۔ جو کچھ بھی ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی پگڑی کا ایک سرا اپنی کمر سے باندھ لیا۔ اور دوسرا سیمرغ کے پیر سے۔ اگلے روز وہ اڑا میں اس کے پیر سے بندھا ہوا تھا سیمرغ اڑتے اڑتے اتنا بلند ہوا کہ نیچے کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ بہت دیر کے بعد وہ نیچے اترنا شروع ہوا میں تیار تھا۔ جونہی زمین قریب آئی میں نے کمر سے پگڑی کھول دی اور ایک طرف کود گیا سیمرغ نے قریب ہی پڑے ہوئے اژدہا کو پنجے میں اٹھایا اور اڑ گیا۔ اب جو میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں کئی پہاڑوں میں گھرے ہوئے ایک چھوٹے سے میدان میں کھڑا ہوں اور اس میں چاروں طرف الماس بکھرے پڑے ہیں میں بہت خوش ہوا۔ اور بہترین قسم کے الماس اپنی کمر میں باندھ لیے۔ پھر ایک پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دور تک گیا تھا کہ اژدہوں کی خوفناک پھنکاریں آنے لگیں اور راستہ نہیں تھا میں اس وقت کی اپنی گھبراہٹ اور پریشانی بیان نہیں کر سکتا۔ دل غم سے بیٹھتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ادھر شام سر پر آ گئی۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنا حوصلہ قائم رکھا۔ اور کھوہ میں جگہ صاف کر کے بیٹھ گیا۔ منہ کے آگے اس طرح پتھر چن لیے کہ کوئی سانپ وغیرہ اندر نہ آ سکے۔ جوں توں کر کے رات بسر کی۔ صبح کو اٹھ کر چاروں طرف پھرنے لگا۔ شاید کہ یہاں سے نکلنے کی صورت نظر آئے مجھے باہر نکلتے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پہاڑ کی چوٹی سے بڑے بڑے ٹکڑے آ کر گرنے لگے میں نے حیران ہو کر چاروں طرف دیکھا لیکن کوئی حیوانی یا انسانی صورت نظر نہ آئی تھوڑی دیر میں بڑے بڑے پرندے آنے لگے۔ وہ گوشت کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر اڑ جاتے تھے۔ میں نے سوچا کہ جس طرح سیمرغ مجھے اس جزیرے سے اس جگہ لایا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کوئی جانور باہر نکال لے جائے۔ چنانچہ میں نے ایک بڑا سا گوشت کا ٹکڑا اپنی پیٹھ پر باندھ لیا اور الٹا لیٹ کر خدا سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ! مجھے یہاں سے نجات عطا فرما۔ کچھ دیر بعد ایک بہت بڑا پرندہ میرے پاس آیا۔ اور گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر مجھ کو اٹھا لیا اور اڑنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا وہاں پہنچ کر اس نے یونہی ایک سمت مجھے زمین پر رکھا میں شور مچاتا ہوا کھڑا ہو گیا اور پرندہ ڈر کر اڑ گیا میں نے گوشت کا ٹکڑا کھول کر پھینک دیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کدھر جاؤں ایک سمت مجھے چند آدمی نظر آئے تو میں ان کے پاس گیا اور ان کو

اپنی داستان مصائب سنائی۔ انہوں نے بہت ہمدردی ظاہر کی۔ میں نے ان کا حال دریافت کیا تو کہنے لگے کہ ہم لوگ سوداگر ہیں اور یہاں ہیرے جمع کرنے آئے ہیں۔ نیچے تو کوئی جا نہیں سکتا۔ اس لیے ہم یہ ترکیب کرتے ہیں کہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے پھینک دیتے ہیں اور ان ٹکڑوں کے ساتھ کچھ ہیرے چمٹ جاتے ہیں۔ جب پرندے ان ٹکڑوں کو اپنے پنجوں سے اٹھاتے ہیں تو ہم ان کو ڈرا دھمکا کر گوشت چھین لیتے ہیں اور ان سے کچھ ہیرے مل جاتے ہیں اور بعض پرندے گوشت اپنے گھونسلوں میں لے جاتے ہیں۔ اور گوشت کھا جاتے ہیں مگر ہیرے کے ٹکڑے وہیں پڑے رہتے ہیں چنانچہ کچھ جواہرات ہم وہاں سے حاصل کر لیتے ہیں۔ میں چند روز ان تاجروں کے ساتھ پہاڑ پر رہا۔

ہیرے والے پہاڑ

میں پھر ان کی رہبری میں جزیرہ روحا میں آ گیا کچھ جواہرات فروخت کر کے بہت سا اسباب تجارت خریدا اور جہاز میں بیٹھ گیا۔ بصرہ آیا اور وہاں سے براستہ خشکی بغداد پہنچا۔ اس سفر میں اتنی مصیبت اٹھائی کہ میں نے عہد کر لیا کہ اب دریا کا سفر نہیں کروں گا۔ یہ قصہ سنا کر سندباد نے پھر ایک تھیلی دیناروں کی ہندباد کو دی اور تاکید کی کہ کل آنا تجھے تیسرے سفر کے حالات سناؤں گا۔

سندباد کا تیسرا سفر

تیسرے دن شام کو لکڑہارا سندباد کے محل میں آیا کھانا کھانے کے بعد سندباد نے حالات سفر سنانے شروع کیے۔ گویا میں نے عہد کر لیا تھا کہ اب سفر نہیں کروں گا۔ لیکن گھر کے راحت و آرام نے صعوبت سفر بھلا دی تھی۔ اس واسطے میں پھر جانے کو تیار ہو گیا۔ مختلف قسم کا اسباب تجارت اکٹھا کیا اور ایک تجارتی جہاز میں سوار ہو گیا۔ شروع شروع میں ہم بڑی آسانی سے سفر کرتے رہے۔ اور جگہ جگہ اپنے مال کی خرید و فروخت کرتے رہے۔

آخر کار ایک روز کپتان نے بتایا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ چنانچہ کئی روز تک ہمیں کوئی جزیرہ یا ساحل نہ ملا۔ مجھے پریشانی تھی۔ لیکن زیادہ نہیں۔ کیونکہ سمندر ساکن تھا۔ اور ہوا موافق۔ ایک روز ہمیں ایک جزیرہ نظر آیا۔

ہم خوش ہوئے کہ جزیرہ آ گیا ہے جب جزیرے کے قریب لنگر ڈال چکے تو معلوم ہوا کہ یہ آدم خوروں کا جزیرہ ہے۔ جلد ہی ہم نے لنگر اٹھائے اور چاہا کہ بھاگ جائیں۔ لیکن آدم خور ہمیں دیکھ چکے تھے۔ اور اپنی کشتیاں لے کر ہمارے جہاز پر حملہ آور ہوئے۔ رسہ کاٹ ڈالا۔ بادبانوں کو پھاڑ دیا۔ آخر کار ہم مغلوب ہو گئے اور وہ لوگ ہمارے جہاز کو جزیرے کے کنارے لے آئے۔ اور سب کو گرفتار کر کے ایک غار میں بند کر دیا جس میں لاتعداد انسانوں کی ہڈیاں پڑی تھیں اور بدبو کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا مشکل تھا تھوڑی دیر میں ایک بن مانس وضع کا آدم خور آیا جو کہ بہت گرانڈیل قوی ہیکل دیونما نیم انسان تھا اس نے ہم میں سے ہر ایک کو اٹھا اٹھا کر دیکھا کہ تیار اور موٹا کون ہے۔ اس نے دیکھ بھال کر کے جہاز کے کپتان کو پسند کیا اور اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا جس کا ارادہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے کباب بناؤ۔ جب وہ کپتان کو لے کر چلا گیا تو ہم زار و قطار رونے لگے۔ کہ باری باری سب کا یہی حشر ہو گا۔ صبح کو وہ جنگلی لوگ بہت سے جنگلی پھل ہمارے پاس ڈال گئے۔ لیکن جہاں سامنے موت کھڑی نظر آ رہی ہو۔ پھل کون کھائے۔ جب ہم اس طرف متوجہ نہیں ہوئے تو ان لوگوں نے زبردستی ہمارے منہ میں پھل ٹھونس دیئے اور مجبور کیا کہ کھائیں ہمارا سارا دن رونے ہی میں گزر گیا۔ شام کو وہی سردار پھر آیا۔ اور ایک آدمی کو چھانٹ کر لے گیا اور کم بخت سب مل کر اس مجبور کو بھی کھا گئے۔

آدم خور سردار

رات کو ہم لوگوں نے مشورہ کیا کہ موت سے بہر حال رہائی ممکن ہے۔ پھر کیوں نہ فرار کی کوشش کی جائے۔ بچ کر نکل گئے یارہ گئے۔ یہ قسمت کے ہاتھ میں ہے۔ یوں بھی یہ سب کو ایک ایک کر کے بھون کھائیں گے۔ تجویز منظور ہوگئی۔ اور ہم دن بھر ادھر ادھر گھوم کر لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ تا کہ ہم کوئی معمولی سی کشتی تیار کرلیں۔ رات کو ہم نے ڈنڈے باندھ کر کچھ کشتیاں بنالیں۔ اور جب وہ سب سو گئے تو ہم اٹھے اور کباب بنانے کی سلاخوں کو خوب گرم کیا۔

اور سردار جہاں سو رہا تھا خاموشی سے جا کر اس کی آنکھوں میں گرم سلاخ پیوست کردی۔ شدت درد سے وہ چلانے لگا۔ ہم کشتیوں میں بیٹھ گئے ہر طرف سے وہ آدم خور جمع ہو گئے۔ اور پتھروں کی بارش کردی۔ ان کی زد سے ہم بچ گئے۔ میں جس کشتی میں سوار تھا۔ وہ موجوں کے بہاؤ سے ایک دوسرے جزیرے کے کنارے جا لگی۔ ہم اس سے اتر کر جزیرے میں پہنچے اور دم لینے کو ہم ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ چونکہ ہم تھک کر چور ہو گئے تھے اس لیے لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ معلوم نہیں کہ کب تک سوئے کہ دفعتاً میری آنکھ کھلی اور چر چر کی آواز آئی۔ اس وقت رات ہوگئی تھی۔ پھر جب میں نے چاندنی میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ایک ساتھی کو اژدھا نگل رہا ہے۔ اور چر چراہٹ اس کی ہڈیاں ٹوٹنے کی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میرا بدن شدت خوف سے سرد ہو گیا۔ اور میں سر سے لے کر پیر تک کانپ اٹھا۔ میں نے آہستہ سے دوسرے ساتھی کو بیدار کیا۔ ہم دونوں بھاگ کر ایک درخت پر چڑھ گئے لیکن میرا ساتھی اژدہا کے ہاتھ آ گیا۔ اور وہ اس کو بھی کھا گیا میں جوں توں کر کے کشتی تک پہنچا۔ اور اس میں پڑا رہا۔ رات دعائیں کرتے کرتے گزر گئی۔

صبح کو میں نے کشتی سمندر میں چھوڑی۔ اور پھر قریب ہی مجھے ایک جہاز جاتا نظر آیا میں نے اپنی چادر ہوا میں گھمائی زندگی کے دن باقی تھے اہل جہاز نے مجھے دیکھ لیا۔ جہاز میرے قریب لائے اور سوار کرایا اس جہاز کا کپتان وہی تھا جس کے ساتھ میں نے دوسرا سفر کیا تھا۔ وہ بڑے تپاک سے ملا۔ کل حال دریافت کیا۔ اور بڑی محبت سے سلامتی جان کی

مبارک باد دی۔ اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے تمہارا وہ مال ابھی تک میرے پاس امانتاً موجود ہے جو پہلے سفر میں رہ گیا تھا۔ میں نے کپتان کا شکریہ ادا کیا۔ کہ اس نے نہ صرف میری جان بچائی۔ بلکہ میرا مال بھی عطا فرما دیا۔ میں نے اپنا مال لیا اور مختلف ملکوں میں فروخت کرتا ہوا سلہٹ پہنچا۔ وہاں سے اور مختلف چیزیں لیں۔ اور پھر وطن واپس آ گیا۔ گو مصیبتیں تو بہت پڑیں۔ لیکن میں نے منافع بھی اتنا حاصل کیا کہ اگر زندگی بھر بیٹھ کر کھاتا تو کافی تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ میں نے ارادہ کرلیا کہ اب گھر سے باہر قدم نہیں رکھوں گا۔ سند باد نے پھر ایک سو دینار کی تھیلی ہند باد لکڑ ہارے کو دی اور اگلے روز آنے کو کہہ دیا۔ تا کہ چوتھے سفر کے حالات سنائے۔

سند باد کا چوتھا سفر

حسب معمول شام کو لکڑ ہارا ہند باد پھر سند باد کے گھر کہانی سننے کو آیا کھانے سے فارغ ہو کر سند باد اپنے حالات سنانے لگا۔ تیسرے سفر کے بعد میرا قطعاً ارادہ سفر کا نہیں تھا لیکن میں اپنی طبیعت سے مجبور تھا۔ کچھ روز راحت و آرام سے گزرے تھے کہ میرے سر پر پھر سفر کی دھن سوار ہوئی۔ چنانچہ میں نے تجارتی مال خریدا اور ایک اچھے جہاز میں روانہ ہو گیا ہم نے بہت سے نئے جزیرے دیکھے مال کی خرید و فروخت کی اور معقول منافع اٹھاتے بڑھتے چلے گئے۔ شاید ہمیں سفر کرتے ہوئے ایک مہینہ گزرا تھا۔ کہ ایک روز ہم طوفان میں گھر گئے کپتان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح جہاز کو بچالے۔ لیکن نہ بچا سکا۔ اور ہمارا جہاز کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ ہم لوگ سمندر میں گر گئے اور اپنے بچاؤ کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔ آخر جن لوگوں کو ٹوٹے ہوئے جہاز کے تختے دستیاب ہو گئے۔ وہ تو ان کے سہارے تیر گئے۔ باقی کا حال خدا جانے کیا ہوا؟ بہر حال میں اور میرے ساتھی تختوں کے سہارے دو دن تک تیرتے رہے ہم بھوک پیاس سے بیدم ہو رہے تھے۔ کہ سامنے ہمیں ایک جزیرہ دکھائی دیا۔ بڑی مشکل سے خشکی تک پہنچے۔ کچھ جنگلی پتے اور دیگر چیزیں کھا کر پانی پیا تو یہ محسوس ہوا کہ واقعی ہم زندہ ہیں۔ کچھ دیر دم لینے کو لیٹے رہے۔ پھر آبادی کی تلاش

میں آگے بڑھے۔ سامنے فاصلے پر کچھ عجیب قسم کی جھونپڑیاں تھیں۔ ہم وہاں پہنچے ابھی کچھ
سمجھنے نہ پائے تھے کہ کانگو نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور ایک مکان میں لے گئے
جس میں ان کا سردار بیٹھا تھا اس نے ہمیں ایک طرف بیٹھنے کا حکم دیا پھر ہمارے سامنے
نہایت نفیس اور اعلیٰ قسم کے کھانے چنے گئے۔ میں نے ہر چند اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ
کھانا نہ کھاؤ۔ لیکن وہ نہ مانے اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ مگر میں نے ایک لقمہ تک نہیں چکھا اس
کے بعد ہمیں ناریل اور شراب پلائی گئی۔ میرے ساتھی شراب پیتے ہی مدہوش ہو گئے۔ میں
سمجھ بھی رہا تھا۔ اور دیکھا بھی۔ لیکن کر کچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ تھوڑی دیر میں شراب اور کھانے
کے اثر سے جو جادو کا تھا میرے حواس باختہ ہونے لگے۔ اور ظالم ننگے حبشی میرے ساتھیوں
کو مار مار کر کھانے لگے۔ میں نے چونکہ وہاں کچھ نہیں کھایا تھا۔ اور اپنے غم میں ہلکان ہو رہا
تھا اس لیے میری حالت بھی خراب ہوتی رہی۔ لیکن اس کا یہ فائدہ بھی ہوا کہ میرا کھایا جانا
بھی پلٹتا رہا آخر ایک روز موقع پا کر میں فرار ہو گیا۔ گو بدن میں قوت نہیں تھی۔ لیکن جان
بڑی عزیز ہوتی ہے میں برابر بھاگتا رہا۔ آخر رات کے وقت ایک گھنے درخت پر رات بسر
کی۔ اس کے پتے کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی۔ صبح کو پھر آگے بڑھا۔ اسی طرح میں تقریباً
سات روز تک برابر چلتا رہا۔ جب بھوک سے بے تاب ہوتا تو جنگلی پھل اور پتے کھا لیتا۔
ساتویں دن ایک طرف کچھ آدمی نظر آئے۔ جو کالی مرچیں چن رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر
میری جان میں جان آئی۔ ان کے پاس جا کر میں گر گیا۔ ان لوگوں نے میرے اوپر رحم کیا
اور مجھ سے حال دریافت کیا۔ میں نے اپنی داستان مصیبت سنائی ان لوگوں نے مجھے
اطمینان دلایا۔ پھر کچھ کھانے کو دیا۔ جب میری حالت ٹھیک ہو گئی تو میں نے بھی ان کے
ساتھ مرچیں توڑنی شروع کر دیں۔ کئی روز کے بعد میں جہاز پر سوار ہو کر ایک ملک میں پہنچا
وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ لوگ زین بنانا نہیں جانتے اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری
کرتے ہیں۔ میں نے ایک زین تیار کیا اور ان کے بادشاہ کے حضور پیش کیا۔ اور اس کا
طریقہ استعمال بتایا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ مجھے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اور اس نے
ایک امیر کی لڑکی سے شادی کر دی۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ عیش سے زندگی بسر کرنے لگا
میرے پڑوس میں ایک بڑا شریف آدمی رہتا تھا۔ میں اس سے بہت مانوس تھا۔ وہ بھی بڑی
محبت سے پیش آتا تھا اتفاقاً اس کی بیوی بیمار ہو گئی اور مر گئی۔ میں نے اس کو تسلی و تشفی دی تو وہ

کہنے لگا کہ بھائی میں بھی اب کچھ دن کا مہمان ہوں۔ مجھے تعجب ہوا۔ اور میں نے کہا کہ تم تو
خدا کے فضل و کرم سے تندرست ہو۔ کیوں اتنے مایوس ہوتے ہو۔ وہ بولا تم نئے آدمی ہو اور
یہاں کے متعلق نہیں جانتے۔ ہماری قوم میں دستور ہے کہ اگر شوہر مر جائے تو بیوی کو اور
بیوی مر جائے تو شوہر کو اس مردے کے ساتھ ہی دفن کر دیتے ہیں یہ بات سنتے ہی میرے
ہوش اڑ گئے کہ اچھا نکاح کیا اگر کہیں میری بیوی پہلے مر گئی تو سچ مچ زندہ در گور ہونا پڑے گا۔
بہر حال اس وقت تو میں ضبط کر گیا لیکن دل اندر سے ڈوبا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں جنازہ اٹھا
اور سب لوگ میت کو لے کر ایک بڑی غار کے پاس گئے۔ پھر اس کا منہ کھولا اور اس میں
ڈال دیا اس کے بعد اس کے شوہر کو سات روز کا کھانا اور پانی دے کر غار میں اتار دیا گیا اور
غار کا منہ بند کر کے واپس چلے آئے میں نے بادشاہ سے مل کر اس رسم کو روکنے کی التجا کی اور
بہت خدا کے خوف سے ڈرایا لیکن اس نے کہا کہ یہ قدیمی روایت ہے بند نہیں ہو سکتی۔ اگر
میں مر جاؤں یا میری بیوی مر جائے تو ہم بھی قانون کی پابندی سے نہیں بچ سکتے۔ مایوس ہو کر
لوٹ آیا اور دل میں طے کر لیا کہ اگر اس غلط ملک سے بھاگا جائے تو بہتر ہوگا میں اس فکر میں
تھا کہ اتفاقاً میری بیوی بیمار پڑ گئی اور دوسرے ہی روز مر گئی۔ بادشاہ خود تعزیت کے لیے آیا
لیکن میرا حال برا تھا۔ بہر حال جنازہ تیار ہو گیا سب غار پر پہنچے۔ پہلے میت غار میں ڈالی گئی
اور اس کے بعد مجھے بھی بیوی کے پیچھے دھکیل دیا گیا غار میں اس قدر اندھیرا تھا کہ میرا دم
گھٹنے لگا لیکن کیا کر سکتا تھا پہلے تو بیٹھ کر بہت رویا اور جب جی ہلکا ہو گیا تو ایک طرف سے
تھوڑی سی جگہ صاف کی اور وہیں پڑ گیا اور خدائے رحیم سے دعا کرنے لگا کہ مجھے اس
مصیبت سے نجات دے۔ میں نے اپنے کھانے پینے کی بہت حفاظت کی صرف ضرورت
کے وقت کھاتا تھا کہ شاید کوئی تدبیر سوجھے۔ تیسرے روز اتفاقاً کوئی اور مر گیا چنانچہ غار کا منہ
کھلا اور ایک مردہ اور اس کے بعد ایک عورت اور کھانا پانی غار میں احتیاط سے رکھ دیا گیا
جب غار کا منہ بند کر کے لوگ چلے گئے تو اندھیرے میں عورت کا ہاتھ میں نے پکڑ لیا اور
سمجھایا اور تاکید کی کہ کھانے پینے کی چیزیں تھوڑا تھوڑا استعمال کرو تا کہ کچھ روز یہ کام دے
سکے۔ اس عرصہ میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ دو روز تک ہم نے کھانے پینے کی
چیزیں لے کر ہاتھ پیر مارے لیکن کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ شام کو پھر غار کا منہ کھلا اور ایک مردہ
اور زندہ عورت داخل کیے گئے۔ میں نے اس عورت کو بھی تسلی دی۔ دوسرے روز ہم تینوں

اسی فکر میں بیٹھے تھے کہ ایک ایسی آواز آئی جیسے کوئی جانور ہڈی چبا رہا ہے میں نے سوچا کہ جس راہ سے یہ جانور آیا ہے اسی راہ سے ہمیں نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے میں نے جانور کو ڈرایا تو وہ بھاگا تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگا۔ کچھ دور جا کر روشنی معلوم ہوئی قریب جا کر دیکھا تو دریا کے کنارے اس غار میں سوراخ ہے اور اس میں سے آدمی گزر سکتا ہے میں باہر نکلا اور سجدہ شکر بجا لایا۔ پھر واپس غار میں جا کر اپنا کھانا اور ان عورتوں کو باہر لایا۔ اور پھر ہم ایک طرف چھپ گئے کئی روز کے بعد ایک جہاز آیا میں نے کپڑا ہلا کر اہل جہاز کو متوجہ کیا چنانچہ جہاز کنارے کی طرف آیا اور ایک کشتی ہمیں لینے کنارے آئی۔ ہم اس میں سوار ہو کر جہاز میں پہنچے اہل جہاز ہمارا حال سن کر بہت متعجب ہوئے جہاز وہاں سے روانہ ہوا۔ میں اس غار میں سے بہت سا زیور اٹھا لایا تھا ایک جزیرے میں پہنچ کر اس کو فروخت کیا اور اسباب تجارت خریدا اور مختلف ملکوں میں کاروبار کرتے ہوئے بخیریت بصرہ آ گیا اور وہاں سے براستہ خشکی بغداد آیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور عزم کر لیا کہ اب ہرگز سفر میں نہیں جاؤں گا اس کے بعد سند باد نے ایک اور دیناروں کی تھیلی لکڑ ہارا نے ہند باد کو عطا کی پھر اگلے روز آنے کے لیے کہا۔

سند باد کا پانچواں سفر!

حسب معمول لکڑ ہارا شام کے وقت سند باد کے پاس آیا اور کھانے کے بعد سند باد نے سفر نامہ شروع کیا۔ سند باد نے کہا کہ چوتھے سفر کے بعد گو میں نے سخت عہد کیا تھا کہ آئندہ بغداد سے باہر قدم نہیں رکھوں گا لیکن چند روز کے عیش و راحت نے پھر سفر کا شوق پیدا کر دیا۔ اور میں اسباب تجارت لے کر بصرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بصرہ پہنچ کر میں نے اپنے لیے ایک جہاز کا انتظام کیا۔ اور اس کی تیاری میں میں نے اس امر کا خاص خیال رکھا کہ طوفان کا مقابلہ آسانی سے ہو سکے اور ہر قسم کی راحت و آسائش اس میں فراہم کی۔

جہاز تیار ہو گیا تو ہم سفر پر روانہ ہو گئے اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے ایک جزیرے میں پہنچے۔ وہاں میں نے سیمرغ کا انڈا دیکھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی دکھلایا میرے

ساتھی منع کرنے کے باوجود اس انڈے کو توڑ کر کھا گئے۔ میں نے کہا کہ جو تم نے کیا اس کا نتیجہ خطرناک ہوگا۔ فوراً لنگر اٹھاؤ اور یہاں سے چل دو چنانچہ جلد سوار ہو کر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے لیکن زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ سیمرغ کا جوڑا آ گیا اور اپنے انڈے کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر غیض و غضب کے عالم میں جہاز پر حملہ آور ہوا اور بڑے بڑے پتھر اٹھا کر جہاز پر گرانے شروع کر دیئے کپتان نے ہر چند کوشش کی کہ جہاز کو اس مصیبت سے بچا لے لیکن ممکن نہ ہوا۔

آخر اس جوڑے نے اتنے پتھر جہاز پر برسائے کہ جہاز تباہ ہو گیا اور بہت سے ساتھی ہلاک ہو گئے ہم تختوں کے سہارے تیرنے لگے مجھے معلوم نہیں میرے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا۔ بہر حال مجھے موجیں لیے پھرتی رہیں۔ تمام دن کی مصیبت کے بعد ایک زوردار موج نے مجھے ایک سرسبز و شاداب چھوٹے سے جزیرے میں لا ڈالا۔ میں جوں توں کر کے اٹھا اور صاف سی جگہ دیکھ کر لیٹنے کا انتظام کیا۔ کھانے کی اس جزیرے میں کوئی کمی نہ تھی ہر طرف جنگلی انگوروں کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں میں نے انگور کھائے اور آ کر لیٹ گیا رات میں نے آرام سے گزاری صبح اٹھ کر چلا کہ دیکھوں یہاں سے نکلنے کی کیا سبیل ہوگی پھرتے پھراتے ایک چشمے کے کنارے پہنچا جہاں سے میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنا نصف دھڑ پتوں سے چھپائے ہوئے بیٹھا تھا جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو مسکرا کر اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ مجھے چشمے کے کنارے پہنچا دے اس کے جسم میں ہمت بالکل نہیں تھی۔ میں نے ازراہ ہمدردی اس کو کندھے پر اٹھایا۔ اور اس نے اپنی ٹانگیں میری گردن میں لپیٹ لیں۔ میں اس کو لے کر چشمے کے کنارے پر آ گیا۔ اور اتارنا چاہا تو اس نے اپنی ٹانگیں کس لیں اب میں پریشان ہوا کہ اس مصیبت سے کیونکر نجات حاصل کروں تھوڑی دیر کے بعد وہ کسی طرف چلنے کو اشارہ کرتا اور اگر میں ذرا بھی رکتا تو اپنی ٹانگیں اس طرح مارتا تھا جیسے گھوڑے کو چابک مارتے ہیں خدا جانے اس کی ان خشک ٹانگوں میں اتنی قوت کیوں کر تھی۔ کبھی مجھے میوہ دار درختوں کے نیچے لے جاتا اور پھر وہاں کھڑا کر کے خود اطمینان سے پھل کھاتا۔

جزیرے میں بوڑھا اور سندباد

کئی روز اسی طرح گزر گئے اگر میں سونے کے لیے لیٹتا۔ تب بھی وہ اپنی ٹانگیں میری گردن سے الگ نہیں کرتا تھا ہر وقت اس کی تکلیف سے میں تھک جاتا۔ چنانچہ ایک کدو میں کچھ انگوروں کا رس نکال کر بھرا۔ اور اس کا منہ بند کر کے دھوپ میں رکھ دیا۔ دو چار روز میں شراب تیار ہوگئی جب زیادہ تھکان ہوتی تو اس میں سے دو چار گھونٹ پی لیا کرتا تھا ایک روز اس مردود بوڑھے نے بھی اسے پینے کی خواہش ظاہر کی۔ دفعتاً مجھے خیال آیا کہ اس کو خوب شراب پلا کر بے ہوش کر دوں تب اس سے شاید نجات ملے گی چنانچہ میں نے اس کو خوب شراب پلائی۔ یہاں تک کہ وہ بوڑھا بے ہوش ہوگیا۔ اس وقت اس کے پیروں کی گرفت ڈھیلی ہوئی میں نے با آسانی اس کو اپنے کندھے سے الگ کیا اور ایک پتھر اس کے ناپاک سر پر زور سے مارا کہ بھیجا نکل آیا اور اس طرح خبیث بوڑھا ختم ہوگیا۔

اس مصیبت سے چھٹکارا پا کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ایک جہاز کے ملنے کی امید پر کنارے کی طرف روانہ ہوا۔ کئی روز کے انتظار کے بعد کسی جہاز کا ادھر سے گزر ہوا میں نے بہت اشارے کیے جو اہل جہاز نے دیکھ لیے اور جہاز جزیرے کے قریب آیا۔ اور ایک کشتی مجھے لینے آئی۔ اہل جہاز نے سب حال دریافت کیا اور اس عجیب وغریب بڈھے سے نجات پانے پر مبارکباد دی۔ پھر ہم ناریل کے درختوں کے جزیرے میں پہنچے یہ جزیرہ بہت آباد تھا اور اس قدر بندر تھے کہ خدا کی پناہ میں جزیرے کی سیر کو اندرونی حصے تک چلا گیا۔ اور مجھے واپسی میں کافی دیر ہوگئی جب ساحل پر آیا تو معلوم ہوا کہ جہاز چلا گیا میں بہت پریشان ہوا کہ خواہ مخواہ اس سیر وتفریح کے پیچھے نئی مصیبت مول لے لی۔ ساحل پر کچھ لوگ آباد تھے۔ وہ دن کو جنگل میں کام پر جاتے اور شام کو بندروں کے خوف سے کشتی میں سوتے۔ ان میں سے ایک شخص نے حال سن کر مجھے اپنی کشتی میں جگہ دے دی اور کہنے لگا کہ صبح کو چند ٹوکرے لے کر جب سب لوگ سو جائیں تو تم بھی ان کے ساتھ چلے جانا۔ یہ ناریل اکٹھے کرتے ہیں جب کچھ ناریل تمہارے پاس جمع ہو جائیں گے تو کسی جہاز والے کو فروخت کر کے روپیہ حاصل کرنا اور پھر اس جہاز میں جہاں جی چاہے چلے جانا۔

اگلے روز میں بھی ٹوکرے لے کر ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا۔ جنگل میں پہنچ کر ان لوگوں نے ناریل کے درختوں پر پتھر پھینکنے شروع کیے۔ تھوڑی دیر میں ناریل گرنے لگے۔ میں یہ دیکھ کر حیران تھا کہ درخت کی چوٹی پر تو پتھر نہیں جاتا اور ناریل گر رہے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ بندر چڑھے ہوئے ہیں اور جب ہم پتھر پھینکتے ہیں تو ہماری نقل میں وہاں سے ناریل گراتے ہیں اور لوگ ان کو اٹھا لیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی یہی کام شروع کر دیا اور شام تک بہت سے ناریل جمع ہو گئے۔

اسی طرح میں روزانہ ناریل کے جنگل میں جاتا اور ناریل اکٹھے کرتا۔ جب کافی ذخیرہ ہوگیا تو ایک روز ایک جہاز آیا اور سب کے تمام ناریل خرید لیے۔ میں اسی جہاز میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوا پھر ہم ایک ایسے جزیرے میں آئے جہاں موتی نکالے جاتے تھے میرے پاس کافی دینار تھے۔ میں نے بھی قسمت آزمائی کی مقدر کی یاوری کہ بہترین قسم کے موتی نکلے۔ میں ان کو لے کر اسی جہاز میں بصرے آیا اور وہاں سے بخیر وعافیت بغداد آ گیا اس مرتبہ بھی توبہ کی۔ کہ اب سفر کا نام تک نہیں لوں گا۔

اس کے بعد بدستور سندباد نے لکڑہارے ہندباد کو سو دینار کی تھیلی دی۔ اور اگلے دن آنے کی پھر دعوت دے دی۔

سندباد کا چھٹا سفر

جب تک سفر کی تھکان دور نہ ہوئی۔ اور ان خوفناک واقعات کی یاد تازہ رہی جو پانچویں سفر میں مجھے پیش آئے تھے میں اپنے عہد پر قائم رہا۔ لیکن عیش وعشرت اور زندگی کی یکسانیت سے طبیعت سیر ہوگئی۔ تو پھر میں نے سفر کی ٹھان لی۔ تاجروں کی ایک جماعت جو کہ کاروباری سلسلہ میں باہر جا رہی تھی۔ میں بھی اسباب تجارت لے کر ان کے ساتھ ہولیا کچھ دن تک ہم لوگ بہ امن وامان بحری سفر کرتے رہے۔ ایک روز ہماری جماعت جہاز میں سفر کر رہی تھی کہ کپتان گھبرایا ہوا آیا اور کہنے لگے کہ ہم بھنور میں پھنس گئے ہیں۔ اور جہاز کے بچ نکلنے کی کوئی امید نہیں۔ لوگ رونے پیٹنے لگا تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز گرداب میں

پھنس کر ایک زیر آب چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ کچھ آدمی تو فوراً ہی غرق ہوگئے۔ اور کچھ ٹوٹے ہوئے تختوں کے سہارے تیرنے لگے میں بھی ایک تختہ کے اوپر بہتا ہوا ایک پہاڑ کے کنارے جالگا۔ تختہ سے اتر کر میں پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور کچھ جنگلی پتے اور جڑیں کھائیں۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لاتعداد انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ہم سے پہلے بہت سے جہاز اس گرداب میں پھنس کر تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ مرنے والوں کا بہت جواہر بھی وہیں پڑا تھا۔ ایک روز دم لینے کے بعد سوچا کہ یہاں کھانے کے لیے درختوں کے پتوں اور جڑی بوٹیوں کے سوا کوئی چیز نہیں ہے اگر چند روز اسی طرح بے آب و دانہ رہنا پڑا تو یقیناً ہلاک ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے کچھ ڈنڈے اکٹھے کر کے ایک بنے والی کشتی تیار کی اور کشتی کو سمندر میں ڈال دیا۔ توکلت علی اللہ اللہ اکبر کہہ کر اس میں بیٹھ گیا اور چل دیا۔ سفر کی تھکان اور بھوک کی شدت سے قوت برداشت جواب دے گئی۔ اور میں کشتی میں بے ہوش ہوگیا مجھے یاد نہیں کہ میں کب تک بے ہوش رہا۔ لیکن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری کشتی ساحل پر بندھی ہوئی ہے اور صاف آسمان پر سورج چمک رہا ہے۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا کہ میری کشتی کے کنارے پر چند آدمی بیٹھے ہوئے نظر آئے اور اشارے سے ان کو قریب بلایا اور حال دریافت کیا۔ لیکن وہ میری زبان نہ سمجھے اور نہ ہی ان کی گفتگو میری سمجھ میں آئی۔ مجبوراً میں نے اشارے سے کچھ کھانے کو مانگا ان لوگوں نے مجھے کھانے کے لیے دیا۔ پھر میں کشتی سے اتر کر ساحل پر آ گیا۔ چند روز اسی طرح ان کے ساتھ بسر کئے کہ جس چیز کی مجھے ضرورت ہوتی۔ اشارے سے بتاتا۔ خوش قسمتی سے ایک دن ایک شخص آیا۔ جو عربی جانتا تھا۔ اس کے ذریعہ میں نے اپنے سفر کا حال ان کو بتایا۔ وہ لوگ اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور اسی مترجم کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔

بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں بغداد کا رہنے والا ہوں تو بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ میں خلیفہ ہارون رشید کا باجگذار ہوں چند روز میں اسی شہر میں رہا اور جب سفر کی تھکاوٹ دور ہوگئی۔ تو میں نے بادشاہ کو خبر دی کہ میں اپنے وطن جا رہا ہوں تو بادشاہ نے خلیفہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بہت سے تحائف اور ایک خط مجھے دیا۔ اور ایک جہاز میں جو بصرہ جا رہا تھا۔ سوار کرا دیا۔ وہاں سے بصرہ پہنچا اور پھر خشکی کے راستہ بغداد آ گیا اور اس

بادشاہ کے تحائف اور خط خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں پیش کیے۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور مجھے کافی انعام و اکرام دیا۔

اس سفر کے بعد میں نے قسم کھالی کہ آئندہ سفر پر نہ جاؤں گا۔ چھٹے سفر کا حال بیان کرنے کے بعد سندباد نے ہندباد کو سو دینار کی تھیلی دے کر کہا کہ کل پھر آنا۔ میں تمہیں اپنے ساتویں اور آخری سفر کی داستان سناؤں گا۔

سندباد کا ساتواں سفر

اگلے روز شام کو حسب معمول لکڑہارا ہندباد پھر آیا اور کھانا کھانے کے بعد سندباد نے اپنے ساتویں سفر کی کہانی سنانی شروع کی۔ مجھے سفر سے آئے ہوئے زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ میری طبیعت بغداد سے پھر اچاٹ ہوئی۔ اور میں سفر کے لیے تیار ہوگیا جب میری سفر کی روانگی کی شہرت ہوئی تو خلیفہ نے مجھے اپنے دربار میں طلب کیا اور فرمایا کہ پچھلے سفر سے واپسی پر جو خط اور تحائف لائے تھے اب ہم اس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے جب تم روانہ ہونے لگو تو ہم سے چند تحائف اور اس خط کا جواب لیتے جانا۔ سامان سفر مکمل کر کے میں خلیفہ کے در دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ اور اپنی روانگی کی اطلاع کرائی۔ چنانچہ امیر المومنین نے ایک خط اور بہت سے تحائف مجھے دیئے کہ جب تم اس جزیرے میں پہنچو تو یہ وہاں کے بادشاہ کو دے دینا میں سب سامان لے کر بصرہ پہنچا اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر شہر بہ شہر کاروبار کرتا ہوا اس جزیرے میں پہنچا۔ جہاں کے بادشاہ کو تحائف پہنچانے تھے۔ اس جزیرے میں اتر کر بادشاہ کے پاس گیا اور خلیفہ کا خط اور تحائف پیش کر دیئے۔

بادشاہ نے مجھے بہت کم انعام و اکرام دیا۔ اس کے بعد میں چین کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ اور طویل مدت تک سفر کر کے بخیر و عافیت چین پہنچ گیا۔ لیکن ابھی جہاز لنگر انداز ہونے نہیں پایا تھا کہ کپتان سر پیٹنے لگا ہم نے پوچھا کہ ساحل موجود ہے۔ پھر تم اس قدر پریشان کیوں ہو۔ کپتان بولا کہ ہم اس وقت بدقسمتی سے ایسی جگہ آ گئے ہیں جہاں مد و جزر ہے۔ اور جہاز حل کی طرف بڑھنے کی بجائے خود بخود گھرے سمندر کی طرف لوٹ رہا ہے۔

اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ یہ ساحل چین نہیں ہے۔ بلکہ ہم راستہ بھول کر اس جگہ آ گئے۔ جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک اقلم الملک کے قریب ہے۔ ہمارا جہاز پیچھے ہٹ گیا ہے تھوڑی دیر میں ایک طوفان سا اٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا۔ کہ ایک بہت بڑی مچھلی منہ کھولے ہوئے آ رہی ہے قریب آ کر مچھلی نے جہاز کو ٹکر ماری اور جہاز پاش پاش ہو گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھیوں میں سے کون زندہ بچا اور کون ہلاک ہوا۔ میں غوطے کھاتا ہوا ایک شکستہ تختے پر بیٹھ گیا۔ سمندر کی موجوں نے مجھے یوں لیا۔ جیسے آندھی میں اڑتا ہوا گھاس کا تنکا، اس حالت کو دیکھ کر میں اپنی عہد شکنی پر رو رہا تھا۔ کہ میں نے کیوں یہ سفر اختیار کیا۔ آخر ایک دن طوفان کی ہلاکت خیزیوں سے بچ کر وہ تختہ کسی جزیرے کے کنارے جا لگا میں فوراً خشکی پر اتر آیا اور خدا کا شکر ادا کیا جب قدرے طبیعت کو سکون ہوا تو میں اٹھ کر گھومنے لگا سامنے ایک بہت بڑی نہر آئی میں نے اس کے کنارے بیٹھ کر ایک کشتی بنائی اور نہر میں سفر شروع کیا تین چار روز میں اطمینان سے اس نہر میں سفر کرتا رہا۔ ایک روز میں نے دور سے دیکھا کہ نہر ایک پہاڑی چٹان کے نیچے سے ہو کر گزرتی ہے۔ یہ دیکھ کر میرے حوش و حواس جاتے رہے ہر چند کوشش کی کہ کشتی پھیر لوں۔ لیکن پانی کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ میری کوئی ترکیب کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ مجبوراً آنکھیں بند کر کے کشتی میں لیٹ گیا اور دل ہی دل میں سلامتی کی خدا سے دعائیں مانگتا رہا۔ کشتی اپنی رو میں الٹی پلٹتی پہاڑ کے نیچے سے سلامتی کے ساتھ گزر گئی۔ میں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور پھر کشتی کو سنبھالنے کے لیے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سامنے دیکھا ایک عالیشان شہر ہے کنارے پر کچھ آدمی کھڑے ہیں۔ میں نے اشارے سے ان سے درخواست کی کہ مجھے بچائیں۔ ان لوگوں نے کوشش کر کے میری کشتی کو روکا اور مجھے کنارے پر لے گئے بھوک کی شدت سے میری جان لبوں پر آئی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے مجھے کھانا دیا۔ پھر اپنے ساتھ شہر میں لے گئے اور تین روز تک میری اتنی خاطر و مدارات کی کہ میں جو اپنا گھر بھول گیا چوتھے روز مجھے ساحل پر لے آئے اور کہنے لگے۔ یہ تمہارا مال ہے اگر تم چاہو تو اس کو اچھے منافع پر فروخت کیا جا سکتا ہے میں نے حیران ہو کر کہا کہ میرے ساتھ کوئی مال و اسباب نہیں وہ ہنس کر کہنے لگے کہ یہ لکڑی جس سے تم نے کشتی بنائی ہے بے حد قیمتی ہے گو اس وقت بازار کا بھاؤ گرا ہوا ہے لیکن پھر بھی کم از کم گیارہ سو دینار میں فروخت ہو سکتی ہے یہ کہہ کر وہ مجھے گھر لائے اور

گیارہ سو دینار اور رہائش کے لیے ایک مکان دیا اس تمام عرصہ میں میرا میزبان ایک بوڑھا شخص میرے ساتھ رہا کرتا تھا جب میں وہاں رہنے لگا تو ایک روز بوڑھے نے کہا کہ میرا آخری وقت قریب آ چکا ہے اگر تم میری لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول کر لو تو بڑی مہربانی ہو گی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور شادی کر کے ہنسی خوشی رہنے لگا چند روز بعد اس بوڑھے کا انتقال ہو گیا اور اس کی تمام جائیداد کے وارث میں اور میری بیوی قرار پائے۔ ایک ہفتہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ عجیب قسم کے ہیں کیونکہ ہر مہینہ بعد ان کے پر نکل آتے ہیں۔ اور یہ اڑ کر کہیں جاتے ہیں ایک دفعہ ایک شخص کی خوشامد کر کے میں بھی اس کے پروں میں لپٹ گیا اور وہ مجھے اڑا کر ایک پہاڑ پر لے گیا وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا۔ کہ اسی قسم کے اور بہت سے پر والے آدمی جمع ہیں اور فرشتوں کی تسبیح و تحلیل کی جان پرور آوازیں آ رہی ہیں۔

بے اختیار میری زبان سے سبحان اللہ نکل گیا۔ یہ سنتے ہی وہ سب مجھ پر پل پڑے اور آدھ موا کر کے رکھ دیا۔ میں سخت حیران تھا کہ ایک مصیبت سے نکلتا ہوں اور دوسری آ موجود ہوتی ہے اسی اثنا میں دو بہت خوبصورت نوجوان میرے قریب آئے اور سلام کر کے مجھے تسلی دی اور ایک سونے کی چھڑی دے کر کہہ گئے کہ اب نیچے اترو میں پہاڑ سے نیچے اترنے کی کوشش کر رہا تھا اور تھوڑی دور چلا تھا کہ سامنے سے ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا جس کے تعاقب میں ایک اژدھا آ رہا تھا میں نے اس آدمی کو اس اژدھا سے بچایا اور وہ میرا بہت ممنون ہوا اور ہم دونوں آگے چلے تو کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے وہی آدمی آ رہا ہے۔ جو مجھے پروں پر بٹھا کر پہاڑ تک لایا تھا قریب آ کر اس نے میری بڑی خوشامد کی اور اپنے پروں پر بٹھا کر مجھے دوبارہ گھر پر چھوڑ گیا میری بیوی نے سلامتی پر شکر ادا کیا اور کہنے لگی کہ ان لوگوں سے بالکل میل جول نہ رکھو۔ یہ لوگ اخوان الشیاطین ہیں میں نے کہا کہ پھر ایسے ملک میں رہنے سے کیا فائدہ وہ کہنے لگی کہ بسم اللہ اپنے وطن چلو۔ چنانچہ میں نے کل جائیداد فروخت کر کے سامان تجارت خریدا اور ایک جہاز میں سوار ہو کر بخیریت بصرے آ گیا اور وہاں سے خرید و فروخت کرتا ہوا بغداد آیا اور ہمیشہ کے لیے سفر سے توبہ کی اور اب عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا ہوں۔

یہ قصہ سندباد نے سنا کر ایک سو دینار کی تھیلی ہندباد کو دی اور کہا کہ اگر تمہیں منظور ہو تو

آئندہ میرے پاس رہو اور کاروبار کرو۔ چنانچہ ہندباد معہ اپنے اہل وعیال کے سندباد کے
پاس آ گیا اور بھائیوں کی طرح رہنے لگا کہانی ختم ہوئی تو دینازاد نے اس کی بہت تعریف
کی۔شہرزاد کہنے لگی کہ بہن اگر بادشاہ نے کل مجھے قتل نہ کیا تو انشاء اللہ ایک اس سے بھی
عجیب اور دلچسپ کہانی سناؤں گی بادشاہ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جب تک اس کی
مکمل کہانیاں نہ سن لوں تب تک اس کو قتل نہیں کرنا چاہیے وہ شہرزاد کی قابلیت حسن بیان اور
خوبصورتی کا روز بروز زیادہ شیدا ہوتا جارہا تھا۔

غلام کی غلط بیانی اور عورت کا قتل

دوسری شب کو شہرزاد نے حسب وعدہ کہانی سنانی شروع کی۔ بادشاہ گوزبان سے کچھ
نہیں کہتا تھا۔لیکن کہانیاں بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

خلیفہ ہارون رشید ایک روز سر شام جعفر ومسرور کے ساتھ لباس تبدیل کئے ہوئے
حالات معلوم کرنے کی غرض سے پھر رہا تھا کہ ایک بوڑھے ماہی گیر کو دیکھا کہ بیٹھا ہوا
قسمت کا گلہ کر رہا ہے۔خلیفہ نے جعفر کو اشارہ کیا کہ حال دریافت کرو۔جعفر بوڑھے کے
پاس گیا اور بڑی ہمدردی سے پوچھا کہ بابا کیا بات ہے تقدیر کا شکوہ کیوں کر رہے ہو۔بوڑھا
بولا کہ میں ایک عیال دار ماہی گیر ہوں۔آج تمام دن دریا میں جال ڈالتا رہا۔لیکن ایک مچھلی
بھی ہاتھ نہیں پڑ آئی۔اور گھر والوں کے پاس کچھ بھی نہیں تو خلیفہ نے کہا دریا پر میرے ہمراہ
چلو اور اپنا جال ڈالو جو کچھ بھی نکلے گا۔میں اسے سو دینار میں خرید لوں گا۔بوڑھا بہت خوش
ہوا اور اسی وقت جال کاندھے پر ڈال کر چلنے کو تیار ہو گیا دریا پر پہنچ کر ماہی گیر نے جال
پھینکا۔اتفاقاً جال میں بھاری صندوق آ گیا خلیفہ نے حسب وعدہ سو دینار عطا فرما دیئے اور
صندوق لے کر محل میں واپس آیا۔صندوق کھولا تو اس میں سے جوان عورت کے ٹکڑے کی
ہوئی لاش برآمد ہوئی خلیفہ ہارون رشید نے جعفر کی طرف دیکھ کر کہا یہ کیا ماجرا ہے اتنا بڑا ظلم
میرے قدموں کے نیچے ہو جائے اور کسی کو خبر تک نہ ہو۔میں تمہیں تین روز کی مہلت دیتا
ہوں۔اگر اس عرصہ میں حالات معلوم نہ ہوئے اور قاتل نہ ملا تو تم قتل کیے جاؤ گے۔جعفر

حیران و پریشان گھر واپس آیا وہ جانتا تھا کہ تین روز میں اس واقعہ کا سراغ ملنا ناممکن ہے۔
اس واسطے اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا اور گھر میں بیٹھ کر خداوند کریم کارساز حقیقی سے دعا
کرنے لگا تین دن کے بعد خلیفہ نے جعفر کے قتل کا اعلان کر دیا۔اور ساتھ ہی اسباب قتل
بھی مشہور کر دیا کہ دریا سے صندوق میں بند ایک عورت کی لاش برآمد ہوئی اور اس کا قاتل
نہیں ملا وزیر اعظم کو تین دن کی مہلت دی گئی تھی کہ وہ قاتل تلاش کرے ورنہ اس کو قتل کر دیا
جائے گا چونکہ قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اس لیے آج جعفر وزیر قتل کر دیئے جائیں گے
جب جعفر کو مقتل میں لایا گیا تو ایک بوڑھا آدمی آگے بڑھا۔اور کہنے لگا کہ قاتل میں ہوں
لوگ جمع تھے۔جعفر اس سے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ صفوں کو چیرتا ہوا ایک نوجوان آیا اور
بولا کہ حضور آپ بھی بے قصور ہیں اور یہ بزرگ بھی۔حقیقت میں قاتل میں ہوں۔لوگ
حیران ہوئے کہ یہ دو آدمی اقبال جرم کر رہے ہیں چنانچہ اس واقعہ کی اطلاع خلیفہ ہارون
رشید کو کی گئی۔تو اس نے سب لوگوں کو دربار میں طلب کیا اور اس بوڑھے اور نوجوان سے
اصل حالات دریافت کئے گئے۔

نوجوان آدمی نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور یہ بزرگ میرے چچا بھی اور سسر بھی
ہیں۔ان کی لڑکی یعنی اپنی بیوی کا قاتل میں ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ میری بیوی مقتولہ بیمار تھی۔ایک حکیم صاحب نے اس کے لیے سیب
تجویز کیے اور میں نے ہر چند سیب تلاش کیے لیکن بغداد میں اس وقت ایک سیب بھی نہ ملا۔
ایک آدمی نے کہا کہ بصرے کے شاہی باغ میں آج کل سیب مل سکتے ہیں اور کہیں نہیں
چنانچہ میں بصرے گیا۔اور تین سیب خریدے اور لا کر اپنی بیوی کو دے دیئے شام کو میں اپنی
دوکان پر بیٹھا تھا کہ سامنے سے ایک غلام گزرا جو سیب اچھالتا جارہا تھا۔میں نے دیکھا اور
پہچانا کہ یہ وہی سیب ہے جو میں بصرے سے لایا تھا میں نے اس کو بلایا اور دریافت کیا کہ
یہاں تو سیب ملتا ہی نہیں تم کہاں سے لائے وہ کہنے لگا۔کہ میری معشوقہ نے دیا ہے میں کئی
روز سے باہر گیا ہوا تھا آج واپس آیا تو معلوم ہوا کہ وہ علیل ہے میں مزاج پرسی کو گیا۔چنانچہ
اس نے یہ سیب مجھے دیا جو اس کا بے وقوف خاوند بصرے سے اس کے لیے لایا تھا غلام کی
باتیں سن کر غیرت اور غصہ سے میری حالت پاگلوں جیسی ہو گئی۔میں گھر گیا دیکھا تو میری
بیوی کے پاس صرف دو سیب رکھے ہیں میں نے پوچھا کہ تیسرا سیب کہاں ہے؟ وہ بولی کہ

مجھے معلوم نہیں۔ شاید کسی بچے نے اٹھالیا ہوگا مجھے چونکہ حال معلوم تھا اس لیے ضبط نہ کر سکا اس کو قتل کر کے صندوق میں بند کر دیا۔ اور دریا میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد میرا لڑکا روتا ہوا آیا میں نے پوچھا کیا ہوا وہ بولا کہ میں یہاں سے ایک سیب لے کر باہر گیا تھا وہ میرے ہاتھ سے ایک غلام نے چھین لیا اور میں رونے لگا۔ وہ غلام بولا تو سیب کہاں سے لایا۔ میں نے کہا کہ میری ماں بیمار ہے میرا باپ اس کے لیے تین سیب بصرہ سے لایا ہے میرا سیب دے دو۔ ورنہ میری ماں مارے گی اس غلام نے مجھے مارا اور سیب لے کر بھاگ گیا۔ بچے سے یہ واقعہ سن کر مجھے اتنی پشیمانی ہوئی کہ عرض نہیں کر سکتا۔ لیکن اب کیا کر سکتا تھا اس کے بعد میں نے سسر کو یہ واقعہ سنایا وہ بھی رونے لگا۔ ہم ابھی ماتم داری سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ اطلاع ملی کہ میری بیوی کے قتل کے عوض جعفر وزیر بلاقصور مارے جا رہے ہیں چنانچہ میں یہاں پہنچا اور اپنے جرم کا اقرار کیا۔

خلیفہ نے اس نوجوان اور بوڑھے کو معاف کر دیا اور کہا اصل قصور اس غلام کا ہے جس نے اتنا بڑا بہتان تراشا ہے اور جعفر کو حکم دیا کہ اس غلام کو تلاش کرا اور جعفر نے اس نوجوان کی مدد سے ہر چند کوشش کی۔ لیکن اس غلام کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جعفر خلیفہ کے مزاج سے واقف تھا کہ اگر وہ غلام نہ ملا تو وہ مجھے ہرگز معاف نہ کرے گا اسی پریشانی میں اگلے روز جعفر اپنی چھوٹی لڑکی کو پیار کر کے جانے لگا تو اس نے محسوس کیا کہ لڑکی کی جیب میں کوئی سخت چیز ہے نکال کر دیکھا تو وہی کم بخت سیب تھا جس کے لیے پہلے ایک قتل ہو چکا ہے۔ اور جعفر کی جان پر بنی ہوئی ہے جعفر نے اپنی لڑکی سے پوچھا کہ سیب تمہیں کہاں سے ملا۔ لڑکی نے بتایا کہ میں نے اپنے غلام ریحان سے تین دینار میں خریدا ہے جعفر نے غلام کو طلب کیا اور سیب دکھا کر پوچھا یہ سیب تم کہاں سے لائے ہو۔ غلام نے کہا حضور کئی دن ہوئے میں نے ایک لڑکے سے چھینا تھا جعفر نے غلام کو گرفتار کر لیا۔ اور خلیفہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس غلام کو برسرِ عام قتل کر دیا جائے۔ جعفر نے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ غلام کا قصور بھی ارادی نہیں ہے اس نے جھوٹ تو ضرور بولا۔ مگر اس کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ جس شخص سے وہ غلط بیانی کر رہا ہے وہ اسی لڑکے کا باپ ہے جس سے اس نے سیب چھینا تھا۔ میں آپ کو نورالدین شمس کا قصہ سناتا ہوں۔ جو شاید اس سے بھی عجیب ہو۔

قصہ نورالدین اور شمس الدین کا

پچھلے زمانے میں مصر میں ایک عادل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے وزیر کے دو لڑکے تھے نورالدین اور شمس الدین ایک روز شام کو دونوں بھائی بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ نورالدین نے کہا کہ اچھا ہو جو ہم دونوں بھائیوں کی شادی ایک ہی گھر میں ہو جائے اور ایک ہی روز ہم دونوں کی شادی کر دی جائے نورالدین نے کہا کہ اچھا بتاؤ کہ تم اپنے لڑکے کے لیے میری لڑکی کو حق مہر کیا دو گے بڑا بھائی شمس الدین کہنے لگا کہ تین ہزار دینار سرخ اور تین باغ نورالدین نے کہا کہ مجھے اتنا تھوڑا حق مہر منظور نہیں۔ میری اور تمہاری حیثیت برابر ہے۔

شمس الدین کو اس بات پر غصہ آ گیا تم میری توہین کر رہے ہو۔ صبح ہونے دو میں تمہیں مزا چکھاؤں گا پھر غصہ میں دانت پیستا ہوا نکل گیا۔ اور نورالدین کو بھی اپنے بھائی کے سخت الفاظ کا ملال تھا۔ رات بھر دونوں اسی فکر میں غلطاں اور پریشان رہے۔ شمس الدین صبح کو اپنے باپ کے ساتھ شکار کھیلنے چلا گیا۔ لیکن چھوٹا نورالدین مناسب زادِ راہ لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گیا کئی روز کے تھکا دینے والے سفر کے بعد بصرہ پہنچا اور ایک مکان کا انتظام کر کے تلاش روزگار میں پھرنے لگا اتفاقاً وزیر کی نظر نورالدین پر پڑی اس نے اپنے تجربہ اور قیافہ سے اندازہ لگا لیا کہ یہ کسی اونچے گھرانے کا لڑکا ہے۔ اس نے اپنے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ نورالدین کو اپنے ساتھ لا کر میرے سامنے پیش کرے چنانچہ وہ شخص نورالدین کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو وزیرِ اعظم بلاتے ہیں۔ میرے ساتھ چلیے نورالدین اس کے ساتھ ہو لیا اور وزیر کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت ادب سے سلام کیا وزیر نے بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اور دریافت کیا کہ کہاں کے رہنے والے ہو اور کس طرح یہاں آئے ہو۔ نورالدین نے اپنے حالات بیان کیے اور بتایا کہ میں وزیر اعظم مصر کا لڑکا ہوں۔ بعض معاملات ناگوار پیش آئے تو گھر سے چلا آیا اور میں نہیں چاہتا کہ اب اہل خاندان کو اطلاع دوں۔ اگر خدا نے فضل کیا اور میں اپنی قوت بازو سے کسی قابل ہو گیا تو دیکھا جائے گا وزیر نے جو ہر قابل کو پرکھ لیا تھا چنانچہ نورالدین کو اپنے پاس رکھ

لیا اور ہر روز اس کی قابلیت اور ذہانت کا معترف ہوتا رہا۔ اس عرصہ میں خفیہ ذرائع سے نور الدین کے بیان کی تصدیق بھی کر چکا تھا ایک روز اس نے نورالدین سے کہا کہ میری کوئی نرینہ اولاد نہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنی لڑکی کی شادی تم سے کر دوں اور بطور فرزند داماد وارث بنالوں۔ نورالدین نے منظور کر لیا۔ چنانچہ وزیر نے بڑی دھوم دھام سے شادی کر دی۔ اور اپنی جائیداد کا وارث کر دیا۔ اسی اثناء میں نورالدین نے اپنی ذاتی استعداد سے شہر میں رسوخ پیدا کر لیا تھا اور تمام امرائے دربار اسے پسند کرنے لگے تھے وزیر نے ایک دن اس کو بادشاہ کے سامنے اپنے بھتیجے اور داماد کی حیثیت سے پیش کیا۔ بادشاہ نے دربار کی حاضری کی اجازت دے دی اور امرائے دربار میں شامل کر لیا۔ قضا و قدر سے جس دن نورالدین کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اسی روز شمس الدین کے گھر لڑکی پیدا ہوئی اور اسی طرح جو وہ خواب دونوں بھائیوں نے تصور میں دیکھا تھا اصل حقیقت بن گیا نورالدین نے اپنے لڑکے کا نام بدر الدین حسن رکھا باپ اور نانا نے بچے کے مستقبل کا شروع ہی میں فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ اس کی تربیت کا بہترین انتظام کر دیا گیا تھا اور یہ لوگ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے رہے نور الدین شاہی دربار میں جاتا رہتا تھا اور اپنی قابلیت اور قوت کارکردگی سے بادشاہ کے دل میں گھر کر چکا تھا جب وزیر اعظم بصرہ یعنی نورالدین کے خسر کا قضا الٰہی سے انتقال ہوا تو بادشاہ نے نورالدین کو اپنا وزیر بنا لیا۔

شمس الدین تو اس وقت بھائی سے لڑ کر باپ کے ساتھ شکار کو چلا گیا تھا لیکن واپسی پر اس کو ندامت ہوئی کہ ہم خواہ مخواہ آپس میں لڑے اور میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو ملامت کی جو مناسب نہ تھی۔ چنانچہ جب وہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ نورالدین کسی طرف خاموشی سے نکل گیا ہے۔ شمس الدین کو بڑا صدمہ ہوا اور باپ کو اس کے چلے جانے کی اطلاع دی لیکن وہ واقعہ ظاہر نہ کیا جو جھگڑے کی بنا تھی۔ باپ نے ہر چند نورالدین کو تلاش کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مجبوراً صبر کر کے خاموش ہو گیا کچھ دن کے بعد شمس الدین کی شادی ہو گئی اور اسی دوران باپ کا انتقال ہو گیا اور شاہ مصر نے شمس الدین کو اپنا وزیر مقرر کر لیا لیکن شما الدین کے دل سے پشیمانی کا وہ احساس نہ گیا کہ صرف میری وجہ سے چھوٹا بھائی گھر چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اور اب خدا جانے وہ کس حال میں ہو گا۔

نورالدین نے اپنے زمانہ وزارت میں رعایا کے راحت و آرام کے لیے بڑے

بڑے کام سرانجام دیئے۔ اور لوگ اس سے محبت کرنے لگے کہ شاید ہی کسی وزیر کو اتنی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی ہو اور اس دوران میں اس کا لڑکا بدرالدین حسن بھی تعلیم و تربیت حاصل کر کے جوانی کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا چنانچہ نورالدین اس کو اپنے ساتھ دربار میں لے جاتا اور ذمہ دار کاموں کی عملی تعلیم دیتا بادشاہ بھی اس سے خوش تھا رعایا کے مفاد کے کاموں کی نگرانی بدرالدین حسن کے سپرد تھی۔ اور وہ عوام میں مقبول ہو گیا کہ لوگ اس پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے اسی زمانہ میں نورالدین بیمار پڑ گیا اور بادشاہ نے وزارت عظمیٰ کا کام بھی بدرالدین کے سپرد کر دیا دربار میں اکثر کچھ حاسد بھی تھے جو ان باپ بیٹوں کا اقتدار دیکھ کر جلتے تھے۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ بدرالدین حسن اور نورالدین رعایا میں بہت مقبول ہیں اور ان کا اتنا اثر قائم ہو چکا ہے کہ اگر آپ کے خلاف کھڑے ہو گئے تو آپ کو یا آپ کے شہزادے کو سلطنت سنبھالنی مشکل ہو جائے گی اور کیا تعجب ہے کہ یہ حکومت پر قبضہ کرنے کی نیت ہی سے آج تک ایسی کوشش کرتے رہے ہوں۔ کہ عوام اور خاص سے اچھا برتاؤ کر کے اپنا شریک کر لیں بات ایسی موقعہ کی تھی کہ بادشاہ کے دل میں شک کی بنیاد بیٹھ گئی۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ کوئی الزام لگا کر ان کو الگ کرنا چاہیے۔

اتفاقاً نورالدین کی علالت زیادہ بڑھ گئی۔ اور چند ہی روز میں انتقال ہو گیا۔ بدرالدین حسن اپنے باپ کے غم میں دیوانہ ہو گیا اور ہر وقت اس کو یاد کرتا اور روتا۔ اسی عرصہ میں بادشاہ نے ایک دوسرا شخص وزیر اعظم مقرر کر دیا اور ایام ماتم پورے ہونے سے پیشتر ہی حکم دیا کہ بدرالدین حسن کو گرفتار کر لیا جائے اور اس کا مال و املاک ضبط کر لیا جائے اس کے باپ کے نمک خواروں میں سے ایک وفادار شخص خاموشی سے آیا اور بدرالدین سے کہنے لگا کہ اسی وقت کسی طرف کو نکل جاؤ۔ ورنہ ممکن ہے کہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔ چنانچہ جس حال میں اس وقت تھا اسی طرح گھر سے نکل بھاگا۔ اور شہر سے باہر جا کر ایک قبرستان میں پناہ لی۔ نورالدین نے مرنے سے پہلے اپنا کل حال بیٹے کو سنا دیا تھا اور ایک خط بھی شمس الدین کے نام لکھ دیا تھا جس میں کچھ ایسے اشارے تھے کہ جن کو صرف وہی پہچان سکتا تھا اور وہ بطور تعویز اس کے گلے میں پڑا تھا اور بدن پر پرانے کپڑے تھے اس کے سوا کوئی چیز بدرالدین کے پاس نہ تھی۔ اتفاقاً ایک یہودی کہیں سے آ گیا اور بدرالدین کو

اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگا کہ آپ یہاں اس حالت میں کیوں پڑے ہیں۔ بدرالدین سمجھ گیا کہ اس کو کچھ معلوم نہیں اس نے جواب دیا کہ میں نے والد کو خواب میں اس حالت میں دیکھا وہ ناراض ہو رہے تھے کہ میرے پاس نہیں آیا مجھے اتنی پریشانی ہوئی اسی وقت گھر سے نکلا اور یہاں چلا آیا پھر یہودی کہنے لگا کہ آپ کے آدمی جو مال لیے آرہے ہیں ان میں سے فلاں مال میں خریدتا ہوں۔ اگر آپ تیار ہوں تو دس ہزار دینار منافع اور ایک لاکھ اصل قیمت بھی دینے کو تیار ہوں آپ مجھے تحریر لکھ دیں بدرالدین کو غنیمت معلوم ہوا۔ چنانچہ اس نے منظور کرلیا اور تحریر لکھ دی۔ یہودی نے نفع کی رقم تو اسی وقت ادا کردی اور ایک لاکھ روپے کی ہنڈی مصر میں اپنے آڑھتی کے ہاتھ دے دی۔ اس کے بعد یہودی چلا گیا اور بدرالدین وہیں ایک سمت لیٹ کر سو گیا۔ اتفاقاً ادھر سے ایک جن کا گزر ہوا۔ اور بدرالدین کا حسن دیکھ کر ٹھہر گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک پری آئی اور جن سے کہنے لگی کہ مصر کے وزیر کی ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی ہے اور بادشاہ نے ناراض ہو کر اس کی شادی ایک کبڑے سائیں سے کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ آج ہی رات کو وہ شادی ہونے والی ہے میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ اس نوجوان کو وہاں لے چلو اور کبڑے سائیں کی بجائے نوجوان سے شادی کرادو جن نے منظور کرلیا اور بدرالدین کو لے کر مصر گیا۔ اسی وقت کبڑا سائیں دولہا بنایا جارہا تھا شادی کے ہنگامہ کا شور سن کر بدرالدین جاگا اور حیران رہ گیا کہ میں کہاں آ گیا ہوں۔ قریب تھا کہ شور مچادے۔ لیکن جن نے اصل واقعہ بتا کر اسے حکم دیا کہ ہم جو کچھ کہیں وہ کرتے رہو۔ جب بارات چلی تو جن نے بدرالدین کو کبڑے کے دائیں طرف چلنے کو کہا اور ایک تھیلی اشرفیوں کی دے دی کہ خوب لٹاتے چلو یہ ختم نہیں ہوں گی۔ برات وزیر کے مکان پہنچی اور مراسم نکاح کی ادائیگی کا وقت آیا اسی وقت جن نے قاضی صاحب کو الگ لا کر اپنی صورت دکھائی خوف کے مارے قریب تھا کہ قاضی صاحب بے ہوش ہو جائیں لیکن جن نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ اس مردود کبڑے کی بجائے تم خاموشی سے وزیر کی لڑکی کا نکاح اس نوجوان سے پڑھا دو قاضی صاحب کانپتے ہوئے آکر بیٹھے اور نکاح خوانی کے وقت آہستہ سے بدرالدین کی طرف متوجہ ہو کر نکاح پڑھا دیا۔ اور کبڑا دولہا یونہی بیٹھا رہا اتنے میں جن نے دوسری طرف لوگوں کو ایسا ڈرایا کہ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ کبڑے کی بجائے نکاح بدرالدین سے ہو گیا ہے۔ جب قدرے سکون ہوا اور باراتی

رخصت ہوگئے تو دولہا کو حجلۂ عروسی میں طلب کیا گیا کبڑے نے بدرالدین کی طرف دیکھ کر کہا تم باہر کیوں نہیں جاتے پری نے بدرالدین کو سکھا دیا تھا۔ کہ تم کبڑے کی کسی بات کا جواب نہ دینا اور خود حجلۂ عروسی میں چلے جانا۔ کبڑے کا ہم بندوبست کردیں گے چنانچہ بدرالدین اندر چلا گیا اور جن ایک بلی کی شکل بن کر کبڑے کے سامنے غرایا۔ پھر گدھے کی شکل بن گیا جسے دیکھ کر کبڑے میاں ڈر گئے۔ پھر ایک گرانڈیل بھینسا بن کر کبڑے کی طرف چلا اور کہنے لگا کہ خبردار! جو یہاں سے حرکت کی یا کسی سے تم نے اس واقعہ کا ذکر کیا اس کے بعد کبڑے کو الٹا کرکے دیوار کے سہارے کھڑا کردیا اور آپ غائب ہو گیا کبڑے میاں تو خوف کی وجہ سے بدستور دیوار کے سہارے الٹے کھڑے ہیں لیکن بدرالدین اندر پہنچا۔ کنیزیں دلہن تک بدرالدین کو لائیں اور پھر وزیرزادی کو مبارکباد دے کر رخصت ہوگئیں۔ دلہن کبڑے کی بجائے ایک بے حد حسین نوجوان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ بدرالدین جو جن اور پری سے قصہ سن چکا تھا۔ بے تکلف دلہن کے پاس بیٹھ گیا۔ دلہن نے اس سے پوچھا کہ میں نے تو سنا تھا کہ میری شادی ایک کبڑے سائیں سے کی جارہی ہے۔ بدرالدین نے اس کو آغوش محبت میں لے کر کہا کہ تمہارا کبڑا سائیں میں ہی ہوں۔ پھر دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے اور بدرالدین نے دلہن کو جن اور پری کا واقعہ بتایا اس کے بعد دونوں نے پہلو بہ پہلو لیٹ کر آرام کیا۔

کبڑے کو جن نے ڈرایا

سونے سے قبل بدرالدین نے اپنا لباس اتار کر قریب کی کرسی پر رکھ دیا تھا اور اس کے پاس اشرفیوں کی وہ تھیلی بھی تھی جو اس یہودی سے لی تھی۔ صبح کے وقت جن اور پری نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر صبح کو بادشاہ نے حال معلوم کرکے اس غریب کو ہلاک کرادیا۔ تو بہت بری بات ہوگی۔ اس لیے اس نوجوان کو کسی دوسری جگہ پہنچا دینا چاہیے۔ اور کبڑے کو تاکید کردینی چاہیے وہ کسی سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرے اور فوراً اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے۔ چنانچہ پہلے تو کبڑے کے پاس گئے جو بدستور الٹا کھڑا تھا۔ اس کو خوب

ڈرا دھمکا کر کہہ دیا کہ اگر کل شام تک تم اس ملک میں نظر آئے تو تمہاری خیر نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے بدرالدین کو اٹھایا اور دمشق کی جانب مسجد کی سیڑھیوں میں لٹا دیا۔

صبح کو جب بدرالدین کی آنکھ کھلی اور اپنے آپ کو اس حال میں پایا۔ تو بہت حیران ہوا۔ نمازی اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور حال دریافت کرنے لگے تم کون ہو اور یہاں کیوں پڑے ہو۔ بدرالدین نے تمام واقعہ سنایا تو لوگوں نے سمجھا کہ غریب کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ عجیب باتیں کرتا ہے ہرسوں بصرے میں تھا کل مصر میں شادی ہوئی اور وزیرزادی کے ساتھ اور صبح دمشق کی جامع مسجد میں آ گیا ہے خود بدرالدین بھی سوچ رہا تھا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ عالم بیداری تھا یا خواب جب لوگوں نے زیادہ ہی پریشان کیا تو بدرالدین اٹھ کر ایک طرف چل دیا راستہ میں ایک حلوائی کی دکان تھی اس پر جا کر بیٹھ گیا۔ یہ حلوائی کسی زمانہ میں جادوگر رہ چکا تھا اب مدت سے توبہ کر لی تھی۔ اور دکانداری کر کے اپنی گزراوقات کرتا تھا اس نے بھی حال دریافت کیا۔ بدرالدین نے ڈرتے ڈرتے اپنا ماجرا سنایا اور کہنے لگا کہ اس سے پیشتر آپ بھی مجھے دیوانہ نہ قرار دیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کی بصرے اور مصر سے تحقیق کرائیں اور اس عرصہ میں آپ کی دوکان پر کام کرتا رہوں گا۔ تب آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اس میں اصلیت ہے یا نہیں حلوائی بہت دانا تھا اس نے اتنی ہی گفتگو سے اندازہ کر لیا تھا۔ کہ یہ نوجوان صحیح کہہ رہا ہے اور وہ بولا کہ جو کچھ باتیں تم نے کی ہیں صحیح ہیں لیکن میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تم اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ کیونکہ لوگ اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور تم خوشی سے میرے پاس رہو اولاد کی طرح، میرا کوئی لڑکا یا لڑکی نہیں ہے بدرالدین نے اس کو غنیمت سمجھا اور وہ حلوائی کے یہاں رہنے لگا۔

ادھر مصر میں جب وزیرزادی بیدار ہوئی اور بدرالدین کو نہ پایا تو بہت حیران ہوئی۔ لیکن یہ خیال کر کے خاموش ہو گئی کہ شاید کہیں گئے ہوں گے کیونکہ بدرالدین کا مکمل لباس کرسی پر بدستور رکھا تھا اتنے میں ایک کنیز حاضر ہوئی عرض کیا کہ آپ کے والد تشریف لائے ہیں۔ وزیرزادی نے لباس درست کیا اور آداب سے باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا وزیر حیران رہ گیا کہ لڑکی تو بہت خوش معلوم ہوتی ہے۔ کہ کبڑے سائیں سے شادی ہونے پر بھی خوش ہے۔ آخر وزیر نے پوچھ ہی لیا کہ بیٹی کیا تم اس کبڑے سے شادی کر کے مطمئن ہو۔

کیونکہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں تمہیں کوئی ملال نہیں۔ حالانکہ بادشاہ نے جو ظلم کیا ہے میری روح اس سے کچل گئی ہے لڑکی نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کیسا کبڑا میرا شوہر تو ایک بہترین شریف خوبصورت اور صحت مند نوجوان ہے اور شاید کسی ضرورت سے باہر گئے ہیں یہ ان کا لباس رکھا ہے وہ آ جائیں تو آپ بھی دیکھ لیجئے گا شمس الدین یہ سن کر حیران ہوا اور اپنے داماد کو دیکھنے کے لیے باہر آیا تو کیا دیکھا کہ کبڑا دیوار سے الٹا کھڑا لگا ہوا ہے۔ وزیر نے اس کو سیدھا کیا اور پوچھا کیا معاملہ ہے وہ کبڑا رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ مجھے معاف فرمایئے اگر بادشاہ کا باپ بھی کہے تو میں آپ کی صاحبزادی سے شادی کا نام بھی نہ لوں گا پھر اس جن کی سختیاں اور دھمکیاں یاد کر کے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ اور بار بار وزیر کے پیروں پر گرتا تھا کہ اب زندگی بھر اس شہر کی طرف منہ نہ کروں گا۔ بس آپ میری خطا معاف کر دیجئے۔ ورنہ وہ جن مجھے مار ڈالے گا اور میں ابھی شہر چھوڑ دیتا ہوں لیکن وہ ظالم حکم دے گا کہ سورج نکلنے تک اس جگہ سے ہلا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ وزیر کبڑے کی باتیں سن کر متعجب ہوا اور ایک غلام کو بلا کر حکم دیا کہ اس مردود کو یہاں سے نکال دو۔ چنانچہ کبڑا نکال دیا گیا وزیر اپنی بیٹی کے پاس آیا اور پوچھا کہ تمہارے شوہر آئے؟ لڑکی نے جواب دیا نہیں میرے بیدار ہونے سے پہلے وہ کہیں چلے گئے۔ پھر مجھے کچھ معلوم نہیں یہ ان کا لباس رکھا ہے وزیر نے لباس کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو اس میں اتفاقاً وہ تعویذ نکل کر گر پڑا جو بدرالدین کے والد نے بطور خط اپنے بھائی شمس الدین کو لکھا تھا۔ شمس الدین نے اس کو کھول کر پڑھا۔ اور کچھ دیر سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر ہنس کر اپنی بیٹی سے کہنے لگا کہ واقعی تم سچ کہتی تھی۔ لیکن میں خوش ہوں کہ تمہارا شوہر میرے گمشدہ بھائی کا لڑکا اور میرا عزیز ترین بھتیجا ہے۔ وزیرزادی یہ سن کر اور بھی خوش ہوئی اور اس نے باپ سے جن و پری کا وہ قصہ بیان کر دیا جو بدرالدین نے اس کو سنایا تھا وزیر کہنے لگا کہ وہ جن تمہارے شوہر کو کسی اور جگہ لے گیا ہے۔ خدا پر بھروسہ رکھو جس نے تمہیں اس مردود کبڑے سے نجات دی۔ وہ میرے پیارے بھتیجے کو بھی ملا دے گا وزیر نے اس قصہ کو بالکل پوشیدہ رکھا اور بدرالدین کا لباس اٹھا کر احتیاط سے رکھوا دیا۔ اور خاموشی سے اس کی تلاش شروع کرا دی چند روز بعد بادشاہ کا غصہ بھی جاتا رہا۔ اس نے شمس الدین کو بلا کر اس کا قصور معاف کر دیا۔ اور دوبارہ وزارت پر متعین کر دیا اس وقت شمس الدین نے لڑکی کی شادی کا مکمل قصہ بادشاہ کو سنایا۔

بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا اور چاروں طرف قاصد روانہ کیے کہ جہاں کہیں بدرالدین کا نشان ملے ڈھونڈ کر لاؤ۔ نو ماہ گزر گئے اور بدرالدین کا کہیں پتہ نہ چلا۔ وزیرزادی کے ہاں ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام عجب رکھا گیا نانا نے اس کی تعلیم و تربیت کا بہت اچھا انتظام کیا زیادہ پیار و محبت کی وجہ سے عجب بہت شریر ہو گیا تھا اور اپنے ہم سبق لڑکوں کو اکثر پریشان کیا کرتا تھا ایک روز لڑکوں نے مشورہ کیا کہ اس کو شرمندہ کرنا چاہیے۔ تا کہ یہ شرارت کرنا بند کر دے۔ چنانچہ جب عجب آیا تو سب لڑکے اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ آؤ ایک کھیل کھیلیں اور سب سے پہلے ہر لڑکا اپنے باپ کا نام بتائے گا اور اگر کسی کو معلوم نہ ہوا۔ تو اس کو نہیں کھلائیں گے چنانچہ سب لڑکوں نے اپنے باپ کا نام بتا دیا۔ جب اس کا نمبر آیا تو اس نے اپنے باپ کا نام شمس الدین بتایا لڑکے اس پر ہنسے اور کہا وہ تو تمہارا نانا ہے باپ کا نام بتاؤ عجب بہت شرمندہ ہوا۔ اور روتا ہوا استاد کے پاس آیا تو استاد نے قصہ سن کر کہا کہ واقعی تمہارے باپ کا نام تو کوئی نہیں جانتا عجب نے گھر جا کر ماں سے سب واقعہ بیان کیا۔ وہ بھی اپنے شوہر کو یاد کر کے بہت روئی اور بیٹے کو تسلی دی کہ بہت جلد تمہارے ابا کو بلاؤں گی۔ شام ہوئی اور وزیر نے خیال کیا کہ اب میری بیٹی آیبہ میں فرق آ رہا ہے چنانچہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور داماد کی تلاش میں جانے کے لیے دس ماہ کی رخصت مانگی۔ بادشاہ نے بخوشی اجازت دے دی اور قرب و جوار کے کل بادشاہوں کو خط لکھ دیئے کے میرا وزیر ایک کام کے سلسلہ میں آ رہا ہے جو ممکن ہو اس کی امداد کی جائے یہ گویا مجھ پر ذاتی احسا ن ہے۔

شمس الدین نے سامان سفر باندھ لیا۔ اور اپنی بیٹی اور نواسے کو لے کر بدرالدین کی تلاش میں روانہ ہوا شہر کی پہلی منزل دمشق تھی۔ وہاں پہنچ کر شمس الدین نے بھتیجے کی تلاش میں آدمی چھوڑ دیئے۔ ایک روز عجب اپنے اتالیق کے ساتھ دمشق کے بازار کی سیر کو نکلا۔ اور اتفاقاً اس دوکان کے سامنے آ نکلا جس میں بدرالدین حلوائی کا کام کرتا تھا۔ چونکہ حلوائی خود مر چکا تھا۔ اور اب بدرالدین ہی اس کے کاروبار کا مالک تھا بدرالدین نے عجب کو دکان کے سامنے سے گزرتے دیکھا۔

بدرالدین حلوائی شاہ وزیر

تو بے اختیار اس کی طرف کھنچ گیا دوکان سے اٹھ کر اس کے قریب گیا اور سلام کر کے کہنے لگا کہ میری دکان پر تشریف لائیے۔ اور کچھ نوش کیجئے۔ عجب کے اتالیق نے انکار کیا۔ اور کہا کہ یہ ایک بڑے آدمی کا لڑکا ہے میں اس کو بازار میں کھانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ حلوائی بدرالدین نے بہت اصرار کیا تو عجب کہنے لگا کہ میں ضرور اس کی دعوت قبول کروں گا۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوا اتالیق نے بھی منظور کر لیا اور دونوں بدرالدین حسن کی دوکان پر گئے۔

بدرالدین نے بہت اعزاز سے ان کو بٹھایا اور بہترین قلفی بنا کر پیش کی عجب اور اس کے استاد نے کھا کر بہت تعریف کی۔ بدرالدین کہنے لگا کہ اس قسم کی قلفی میری والدہ اور والد کے سوا کوئی نہیں بناتا۔ اس کے بعد استاد اور عجب چلنے لگے تو بدرالدین نے باصرار درخواست کی کل دوبارہ تشریف لائیے گا۔

استاد شاگرد وہاں سے اٹھ کر اپنی جائے قیام پر واپس آ گئے تین دن ان لوگوں کا قیام رہا لیکن پھر دوبارہ بازار جانے کا اتفاق نہ ہوا۔ اور جو آدمی بدرالدین کی تلاش میں بھیجے گئے تھے۔ وہ بھی ناکام واپس آئے تو شمس الدین نے بصرے کا رخ کیا۔

اور وہاں پہنچ کر شاہ مصر کا خط پیش کیا۔ شاہ بصرہ نے بہت اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور خط پڑھ کر کہنے لگے کہ افسوس ہے۔ میرا وزیر نورالدین پچیس سال ہوئے انتقال کر چکا ہے لیکن مرحوم کی بیوہ بے شک یہیں رہتی ہے شمس الدین دربار سے اٹھ کر اپنی بھاوج کے پاس آیا اور کل واقعہ بیان کر کے عجب کو پیش کیا بدرالدین کی والدہ پوتے کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی بار بار سینے سے لگاتی اور زار و قطار روتی اور کہتی کہ خدا کا شکر ہے کہ میرا بدرالدین زندہ ہے اور آج اللہ نے میرا پوتا بھی میرے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد شمس الدین پھر دمشق واپس آیا اور اپنی بھاوج یعنی بدرالدین کی والدہ کو بھی اپنے ساتھ لیتا آیا۔ شمس الدین نے سب سے کہہ دیا کہ جو کچھ خرید و فروخت کرنی ہو کر لو کل یہاں سے کوچ ہو گا سب لوگ بازار چلے عجب بھی اپنے استاد کے ساتھ سیر کرتا ہوا۔ بدرالدین کی دوکان کے سامنے سے گزرا؟

بدرالدین تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا دونوں کو بااصرار دوکان پر لایا۔ اور بہت خاطر
مدارات کی پھر بہترین قلفی بنا کر پیش کی شام کو جب واپس آ گئے تو بدرالدین کی والدہ ہر
وقت پوتے پر جان نثار کرتی تھی آج بڑے اہتمام سے ان کے لیے قلفی بنائی اور رات کو
کھانے پر عجب کو دی عجب کی طبیعت سیر تھی۔ لیکن دادی کے اصرار پر کھانے لگا اور تھوڑی کھا
کر چھوڑ دی اور کہنے لگا کہ دادی اماں آج میں نے بازار سے ایک حلوائی کی دوکان سے قلفی
کھائی تھی۔ جو اس سے بھی زیادہ لذیذ تھی۔ دادی یہ سن کر چونکی۔ پہلے تو اتالیق کو بلا کر سخت
سست کہا کہ تم میرے بیٹے کو بازار سے کھلاتے ہو۔ اتالیق نے عذر کیا کہ وہ حلوائی اتنا مصر
ہوا کہ انکار کرنا نہ بن پڑی۔ اس لیے یہ غلطی ہو گئی اس کے بعد بدرالدین کی والدہ نے ایک
غلام کے ہاتھ اس دوکان سے قلفیاں منگا کر کھائیں تو حیران رہ گئیں اس وقت شمس الدین کو
بلا کر انہوں نے سب واقعہ بتایا اور کہا کہ آپ اس حلوائی کو بلا لیں۔ ایسی قلفیاں میرے بیٹے
بدرالدین کے سوا کوئی نہیں بنا سکتا۔ چنانچہ شمس الدین نے حاکم دمشق سے امداد لے کر
بدرالدین کو گرفتار کر کے اپنی قیام گاہ پر بلایا پردے سے عجب کی ماں اور دادی نے دیکھ کر
اسے پہچان لیا اور شمس الدین کو کہا کہ یہی بدرالدین ہے شمس الدین نے اس کو خیمہ میں
طلب کر لیا اور نہایت غصہ کی حالت میں پوچھا کہ یہ قلفیاں تمہاری دوکان کی ہیں بدرالدین
نے کہا ہاں میرا کیا قصور ہے۔ جو گرفتار کر لیا گیا ہوں۔

شمس الدین نے کہا کہ یہ قلفیاں نہایت خراب تھیں اور ان کو کھا کر میرے کئی عزیز بیمار
ہو گئے ہیں۔ اس لیے تمہیں اس کی سزا دی جائے گی بدرالدین کی ماں بے تاب تھی۔ کہ بیٹے
کو سینے سے لگائے بیوی بھی چاہتی تھی کہ شوہر سے ملوں۔ شمس الدین نے دونوں کو سمجھا دیا
کہ اگر دفعتاً اس کو اتنی مسرت حاصل ہو گئی تو مرگ کا اندیشہ ہے چنانچہ وہ دونوں خاموش
ہو گئیں۔

اس کے بعد بدرالدین کو ایک صندوق میں بند کر کے ساتھ لیا۔ اور سب ہنسی خوشی مصر
کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں صندوق کھول کر کھانا پانی دے دیا جاتا اور سب غلاموں کو
تاکید کی گئی کہ اس سے کوئی برا سلوک نہ کریں۔ سفر کرتے کرتے سب لوگ مصر پہنچے تو ایک
شام کو شمس الدین نے بدرالدین کو اپنے پاس بلایا کہ اب تمہیں سزا ملنی چاہیے اس کے بعد
غلاموں کو حکم دیا کہ سولی تیار کراؤ تاکہ اس کو آج شب کو سولی ہی پر چڑھا دیا جائے یہ حکم سن کر

بدرالدین کا خون خشک ہو گیا۔ غلام اس کو لے گئے پھر حکم دیا کہ اسے صندوق میں بند کر دیا
جائے اس کے بعد یہ قافلہ شمس الدین کے مکان پر آ گیا۔ آتے ہی شمس الدین نے بیٹی کو حکم
دیا۔ کہ اسی طرح حجلۂ عروسی آراستہ کرو۔

اور بدرالدین کے کپڑے اسی کرسی پر رکھ دو۔ اور جب بدرالدین اندر آئے تو اس پر
قطعاً یہ ظاہر نہ ہو کہ دس سال تک غیر حاضر رہا ہے۔ بلکہ اس کو یہی کہو گویا وہ بات ابھی ختم نہیں
ہوئی ہے جس میں عقد ہوا ہے۔ القصہ وزیرزادی نے کل انتظامات مکمل کیے خود دلہن بن کر
بیٹھ گئی اس کے بعد بدرالدین کو صندوق سے نکال کر حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا گیا لیکن سولی
کے نام سے اس کے ہوش و حواس خراب ہو رہے تھے۔ کمرے میں آ کر بدرالدین حیران
چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وزیرزادی اٹھی اور بڑے پیار و محبت بھرے لہجے میں اس سے کہنے
لگی کہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں میں بڑی دیر سے آپ کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ آپ کہاں
چلے گئے تھے بدرالدین نے دیکھا کہ وہی عروسی کا کمرہ ہے وہی دلہن ہے وہی ساز و سامان
ہے۔ حتیٰ کہ دس سال پہلے والے میرے کپڑے بھی اسی طرح کرسی پر رکھے ہیں۔ گویا ابھی
ابھی اتارے ہیں۔

بدرالدین کا دس سال پرانا کمرہ

اسی پریشانی کے عالم میں وہ اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ کہ میں جاگ رہا
ہوں یا سو رہا ہوں؟ وزیرزادی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے کہا کہ آپ
جاگ رہے ہیں لیکن مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسی بات کیوں کر رہے ہیں بدرالدین نے اپنا
دمشق کی مسجد کی سیڑھیوں پر پڑا ہونا۔ لوگوں نے دیوانہ کہہ کر پریشان کرنا۔ حلوائی بننا۔
قلفیاں خراب ہونے کے جرم میں گرفتار ہونا۔ ایک ہفتہ تک صندوق میں بند رہنا۔ پھر
پھانسی کا حکم ملنا۔

کل واقعات اس کو سنائے وزیرزادی ہنس کر کہنے لگی۔ کہ شاید آپ نے خواب دیکھا
ہے اسی لیے پریشانی کی باتیں کر رہے ہیں کہ اتنے میں شمس الدین آ گیا۔

بدرالدین نے گھبرا کر کہا کہ آپ نے ہی تو میری سولی کا حکم دیا تھا۔

شمس الدین یہ سن کر ہنس پڑا۔ اور بدرالدین کو سینہ سے لگا کر خوب پیار کیا اور کہنے لگا کہ عزیز میں تمہارا چچا ہوں۔ جس کا قصہ تمہارے والد نے سنایا تھا بڑی محنت اور مشقت سے تلاش کر کے تمہیں دمشق سے لایا ہوں۔

اگر میں وہیں سب حال ظاہر کر دیتا تو ممکن تھا کہ تم اتنی خوشی دفعتاً برداشت نہ کر سکتے تھے۔ تمہاری والدہ بھی میرے ساتھ آ گئی ہیں اور عنقریب تم سے ملیں گی۔ وہ لڑکا جس کو تم نے دمشق میں قلفیاں کھلائی ہیں۔ وہ تمہارا ہی بیٹا ہے۔ پھر شمس الدین نے سب واقعات لکھوا کر کہا یہ شاہی کتب خانہ میں رکھے جائیں۔

جعفر وزیر نے یہ کہانی سنا کر خلیفہ سے درخواست کی کہ غلام کا قصور معاف کر دیا جائے چنانچہ خلیفہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور ایک کنیز عطا کی اور سب کو رخصت کر دیا گیا۔

شہزاد نے جب کہانی ختم کی تو دیناز اد دیر تک تعریف کرتی رہی۔ شہزاد بولی کہ بہن اگر میں کل قتل نہ ہوئی تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہانی سناؤں گی۔ بادشاہ صبح دربار میں چلا گیا۔ لیکن شہزاد کے قتل کا کوئی حکم نہ دیا۔

ایک درزی اور کبڑا

حسب معمول دیناز اد کے اسرار پر شہزاد نے کہانی شروع کی۔

زمانہ گزشتہ میں شہر کاشغر میں ایک درزی رہا کرتا تھا ایک روز وہ اپنی دوکان پر بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک کبڑا گویا (گلوکار) اس کی دوکان کے سامنے بیٹھ کر گانے لگا۔ درزی کو اس کا گانا پسند آیا۔ وہ کبڑے سے کہنے لگا کہ آج کی رات میرے یہاں رہو۔ رات کو اطمینان سے تمہارا گانا سنوں گا۔ جو کچھ میسر ہو گا دے دوں گا کبڑا مان گیا۔ چنانچہ رات حسب وعدہ درزی دوکان بند کر کے گھر جانے لگا کبڑا گویا بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ گھر پہنچ کر درزی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جلدی کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ میں آج گانے والا لایا ہوں جو بڑا خوش آواز ہے۔ بیوی نے کھانا لا کر سامنے رکھا۔ اس میں مچھلی بھی تھی درزی نے کبڑے کو بھی بلا لیا اور دونوں کھانا کھانے لگے کے دوران اچانک مچھلی کا ایک کانٹا کبڑے

کے حلق میں پھنس گیا۔ ہر چند کوشش کی۔ لیکن کانٹا نہ نکلا۔ اور کبڑا بیدم ہو کر گر گیا۔ درزی کو فکر ہوئی کہ کہیں اس کبڑے کے جرم میں گرفتار نہ کرایا جاؤں۔ بہت دیر کے بعد درزی کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔ اور کبڑے کو اپنی پیٹھ پر لاد کر ایک حکیم کے مکان پر پہنچا۔ دروازے پر اندر سے باندی نے آ کر پوچھا کہ کیا ہے۔ درزی نے پانچ دینار اس کے ہاتھ میں دیئے اور کہا کہ حکیم صاحب کو بلا دو۔ کہ ایک مریض کو دکھانا ہے۔ باندی اندر گئی تو درزی نے کبڑے کی لاش دروازے سے لگا کر کھڑی کر دی۔ اور خود خاموشی سے اپنے گھر واپس آ گیا۔

حکیم صاحب مریض کو دیکھنے باہر آئے۔ جب کواڑ کھولے تو کبڑا نیچے گر گیا۔ حکیم صاحب نے قریب آ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کبڑا مر چکا ہے۔ حکیم گھبرایا کہ کہیں یہ میرے سر نہ لگ جائے پھر گھر آ کر بیوی سے مشورہ کیا کہ ان کے پڑوس میں بادشاہ کا مودی رہتا تھا۔ میاں بیوی نے مل کر کبڑے کی لاش مودی کے گھر اتار دی۔ مودی اس وقت تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ آدھی رات گزری۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی کھڑا ہے مودی نے خیال کیا کہ شاید غلہ چور ہے۔ لکڑی اٹھا کر مارنے لگا۔ کبڑے کی لاش زمین پر گر پڑی۔ مودی نے پاس آ کر دیکھا کہ لکڑی کھا کر کبڑا مر گیا اب میری خیر نہیں۔ چنانچہ اس نے نعش کو اٹھایا اور بازار میں لا کر دوکان کے سہارے کھڑی کر دی۔ اور اتفاقاً ایک فرنگی سوداگر کسی دعوت میں شریک ہو کر واپس آ رہا تھا دور سے نعش دیکھ کر سمجھا کہ چور دوکان کا تالا توڑ رہا ہے۔ چنانچہ شور کرتا ہوا دوڑا اور کبڑے کی نعش پر دو تین لکڑیاں ماریں لاش نیچے آ پڑی۔ اتنے میں شور سن کر کچھ اہل محلہ اور سپاہی جمع ہو گئے۔ اور کبڑے کو مردہ دیکھ کر ان لوگوں نے فرنگی کو گرفتار کر لیا اور کبڑے کی نعش کے ساتھ قاضی شہر کے سامنے پیش کیا۔ قاضی صاحب نے فرنگی کو قاتل قرار دیا اور پھانسی کی سزا کا حکم دیا۔ تمام شہر میں منادی کرا دی گئی کہ کل ایک کبڑے کے قتل کے الزام میں فرنگی سوداگر کو پھانسی دی جائے گی۔

لوگ جوق در جوق سزا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے ابھی فرنگی سوداگر کو پھانسی نہیں دی گئی تھی کہ بادشاہ کا مودی آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اس بڈھے کا قاتل یہ نہیں بلکہ میں ہوں۔ قاضی صاحب نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا تو حکیم صاحب نے قاضی صاحب سے عرض کیا کہ مودی بالکل بے گناہ ہے۔ بڈھا میرے ہاتھ سے مرا ہے قاضی صاحب حکیم صاحب

نے کو گرفتار کرلیا تو درزی نے کہا کہ حضور یہ سب بے قصور ہیں۔ یہ کبڑا اصل میں میرے یہاں مرا ہے قاضی صاحب پریشان ہوگئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے کبڑے کی نعش فرنگی سوداگر مودی حکیم صاحب و درزی سب کو خلیفہ صاحب کے دربار میں پیش کیا۔

ملزمان خلیفہ کے دربار میں

اور مقدمہ کی کارروائی شروع کی۔ بادشاہ نے تمام واقعات سن کر کہا کہ تم لوگ اپنی اپنی داستان زندگی بیان کرو۔ اور کبڑے کے واقعات سے عجیب تم نے کوئی واقعہ سنایا تو میں بری کردوں گا ورنہ تم سب کو اس کبڑے کے قصاص میں قتل کرادوں گا سب سے پہلے فرنگی سوداگر نے قصہ بیان کرنا شروع کیا یا امیرالمومنین میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ میرا باپ دلالی کا کام کرتا تھا باپ کے انتقال کے بعد میں نے بھی یہی پیشہ [illegible] رکھا۔

ایک روز ایک نوجوان گھوڑے پر سوار آیا اور تل کا نمونہ دکھا کر نرخ دریافت کیا میں نے سو درہم فی من بھاؤ بتایا وہ کہنے لگا کہ کوئی خریدار ہو تو فلاں سرائے میں آ کر معاملہ طے کرلوں اس کے جانے کے بعد میں نے دو ایک سوداگروں سے ایک سو دس درہم فی من کے حساب سے معاملہ طے کرلیا اور ان کو لے کر سرائے میں پہنچا۔ کل مال خرید لیا۔ جس کی قیمت تقریباً بیس ہزار درہم اس نوجوان کو دے دی۔ اس نے ڈیڑھ درہم مجھے دیا۔ اور باقی رقم بھی میرے پاس امانت رکھوادی کہ جب ضرورت ہوگی لے لوں گا اس کے بعد ایک مدت تک وہ مجھے نہیں ملا۔ ایک روز بازار میں ملاقات ہوئی۔ تو میں نے اس سے تقاضا کیا کہ اپنی امانت لے جاؤ۔ لیکن اس نے ٹال دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سال تک مجھے اس کی صورت نظر نہیں آئی۔

اس کے بعد اچانک میں نے دیکھا کہ وہ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا بڑے اصرار کے ساتھ میں اسے اپنے گھر لایا اور جو کچھ میسر تھا کھانے کے لیے پیش کیا لیکن میرے تعجب کی کوئی حد نہیں رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ وجہ دریافت کی تو اس نے آستین سے اپنا ہاتھ نکال کر دکھایا جو کٹا ہوا تھا اور پھر اپنا قصہ یوں بیان کیا۔

ہاتھ کٹا نوجوان

میرا باپ بغداد کا مشہور سوداگر تھا۔ مجھے بچپن سے مصر دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن کبھی اس طرف آنے کا موقعہ نہ ملا۔ آخر میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ میں نے اپنی کل جائیداد فروخت کردی اور بہترین کپڑا خرید کر مصر روانہ ہوگیا۔ بعد قطع منازل کے قاہرہ پہنچا اور مسرور پاشا کی سرائے میں قیام کیا۔ صبح کو میں نے اپنا مال بازار میں دکھایا جسے لوگوں نے بے حد پسند کیا۔ میں روزانہ کچھ مال بازار لے جاتا اور اس کو فروخت کر کے باقی دن سیر وتفریح میں گزارتا۔ ایک روز ایک دلال میرے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ اس طرح مال فروخت کرنے میں منافع بھی کم ہوگا اور وقت بھی بہت زیادہ لگے گا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ مختلف بڑی دوکانوں پر اپنا مال رکھوا دیجئے اور ان سے تحریر کرا لیجئے۔ اور آپ کی مقررہ قیمت پر مال فروخت ہوتا رہے گا اور آپ ہفتہ میں دو بار جا کر روپیہ وصول کرلیا کریں مجھے یہ رائے پسند آئی۔ اور میں نے اپنا کل مال بڑی بڑی دوکانوں پر رکھوا دیا ایک روز میں بازار میں روپیہ وصول کرنے کے لیے گیا۔ اور ایک دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بہت ہی حسین نوجوان عورت کپڑا لینے آئی اور اس کی صورت دیکھتے ہی میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ بزاز نے میرے لائے ہوئے تھانوں میں سے ایک تھان دکھایا۔ جسے اس نے پسند کیا اور کہنے لگی اس کی قیمت بھیج دوں گی دوکاندار میری طرف اشارہ کر کے بولا۔ کہ یہ ان کا مال ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ عورت نے غصہ میں آ کر پھینک دیا۔ اور یہ کہتی ہوئی چل دی کے تم بڑے بدلحاظ ہو جب کہ اپنے ایک پرانے گاہک کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ میں اس کی ادا پر ٹوٹ گیا اور آواز دے کر اس کو بلایا اور تھان پیش کر کے کہا کہ آپ کو اختیار ہے۔ چاہے قیمت بھیجیں یا نہ بھیجیں وہ عورت تھان لے کر چلی گئی میں نے بزاز کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم اس تھان کی قیمت اور منافع کی رسید مجھ سے لے لو اس کے بعد میں نے اس عورت کا حال دریافت کیا تو وہ کہنے لگا کہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ قاہرہ کی امیر عورت ہے اور کبھی کبھی میرے یہاں کپڑا لینے آتی ہے میں وہاں سے اٹھ کر سرائے میں چلا گیا۔ لیکن رات بھر گرمی

عشق سے دل بے تاب رہا اور میں اچھی طرح سے نہ سو سکا۔ اگلے روز میں پھر اسی دوکان پر پہنچا تھوڑی دیر کے بعد وہ عورت اپنی کنیزوں کے ساتھ آئی اور کل والے تھان کی قیمت ادا کی۔ میں نے کہا کہ قیمت کی کوئی اتنی جلدی نہیں تھی۔ پھر کسی وقت بھیج دیجئے گا۔ اس پر وہ کہنے لگی۔ کہ آدمی کو اپنا وعدہ ہمیشہ پورا کرنا چاہیے اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ اور دوران گفتگو میں نے اپنی محبت کا اظہار بھی کر دیا۔ یہ سنتے ہی وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ میں بھی بیتاب دل سے مجبور ہو کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا کچھ دور آگے چلنے کے بعد اس کی ایک کنیز میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ملکہ یہ فرماتی ہیں کہ شام کو میرے مکان پر تشریف لائیے اس طرح بازار میں تعاقب کرنا آداب شرافت کے خلاف ہے۔

میں نے مکان کا پتہ دریافت کیا کنیز نے مجھے بتایا اور آگے بڑھ گئی اور اپنی ملکہ کے ساتھ چلی گئی۔ میں سرائے میں واپس آیا اور بے تابی سے شام کا انتظار کرنے لگا۔ آتش شوق وعدہ وصل سے اور بھی بھڑک اٹھی۔ غرض جوں توں کر کے شام ہوئی۔ اور میں لباس تبدیل کر کے اپنی محبوبہ کے مکان پر پہنچا۔ وہاں پذیرائی بڑے اعزاز و اکرام سے ہوئی مکان فرش و فروش سے پوری طرح آراستہ تھا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد دستر خوان چنا گیا اور ہم دونوں نے سیر ہو کر کھایا اور پھر شراب کا دور شروع ہوا۔ اور نصف شب تک محفل عیش و نشاط گرم رہی شب میں نے بسر کی اور صبح کو پچاس اشرفیاں اس کی نظر کر کے اپنی جائے قیام پر واپس آ گیا۔

اب میں روزانہ وہیں شب بسر کرتا اور صبح کو پچاس اشرفیاں دے کر سرائے میں چلا آتا۔ یہاں تک کہ میرا کل سرمایہ ختم ہو گیا۔ اس وقت کی میں اپنی حالت بیان نہیں کر سکتا ایک طرف جیب خالی تھی اور دوسری طرف دل بے چین۔ خالی ہاتھ جاتے ہوئے شرم آتی تھی لیکن بالآخر دل کے تقاضے سے مجبور ہو کر میں اس مکان کی طرف روانہ ہوا راستے میں ایک جگہ کچھ لوگ اکٹھے تھے میں بھی دریافت حال کے لیے ان میں گھس گیا۔ اس ہجوم میں ایک آدمی کی جیب مجھے وزنی معلوم ہوئی اور میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا لیکن اس سے پیشتر کہ میں کچھ نکال سکتا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چور چور کہہ کر شور مچا دیا پھر مجھے گرفتار کر کے قاضی کے سامنے پیش کیا گیا میں نے اقرار جرم کر لیا چنانچہ میرا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا میری بے کسی پر اس شخص کو رحم آ گیا اگلے روز میں اپنی محبوبہ کے مکان پر گیا میری اداسی دیکھ کر وہ حال دریافت کرنے لگی میں نے اس وقت تو بہانہ کر کے ٹال دیا لیکن آخر شب کو

اس نے میرا کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر اصل معاملے کو سمجھ لیا۔ صبح چلنے لگا تو میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی کہ اب کہاں جاؤ گے۔ میں نے کہا کہ سرائے میں وہ بولی کہ میں سب کچھ سمجھ چکی ہوں تم نے محبت کا ایسا ثبوت دیا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اب میری باری ہے تم سے زندگی بھر جدا نہیں ہونا چاہتی۔ چنانچہ اسی وقت قاضی صاحب کو بلایا۔ اور ہم دونوں کا نکاح ہو گیا اس کے بعد اٹھ کر وہ اندر گئی۔ اور وہ ساری اشرفیاں جو میں نے اس کو دی تھیں اٹھا کر میرے سامنے ڈال دیں۔ اور اپنا کل متاع و مال میرے سپرد کر دیا۔

ہم دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ لیکن اس کی عورت نے وفا نہ کی اور چند ہی ماہ بعد بیمار ہو کر انتقال کر گئی اس کی موت سے میں ایسا دل برداشتہ ہوا کہ قاہرہ میں رہنا دوبھر ہو گیا۔ چنانچہ اب میں دل بہلانے کو ملک در ملک گھومتا پھرتا ہوں۔ یہ کہانی سنا کہ ہاتھ کٹے نوجوان نے اپنا تمام روپیہ جو میرے پاس امانت تھا۔ مجھ ہی کو بخش دیا۔ میں اس کی عالی حوصلگی اور مروت سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنا مال و اسباب بھی فروخت کر کے اس کے ساتھ سیاحت کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہوا مختلف شہروں میں گھومتے ہوئے یہاں آ گیا۔ وہ جوان مجھ سے جدا ہو کر فارس کی طرف چلا گیا اور میں حضور کی سلطنت میں اپنے دن گزار رہا ہوں۔ یہ قصہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ تمہارا واقعہ اس وقت سے زیادہ عجیب نہیں ہے اس لیے مجھے تمہارے قتل کا حکم دینا پڑے گا یہ سن کر مودی آگے بڑھا اور عرض کرنے لگا۔ کہ عالم پناہ میں بھی ایک سرگزشت سنانا چاہتا ہوں جو مجھے امید ہے اس کبڑے کے قصہ سے زیادہ دلچسپ ہو گی۔

مودی کا قصہ

مودی نے کہا کہ اسی شہر کاشغر میں چند روز ہوئے ایک جگہ دعوت طعام تھی اور اس میں، میں بھی شامل تھا جب کھانا چنا گیا اس میں اور بہترین کھانوں کے ساتھ لہسن پلاؤ بھی تھا ہم لوگ بڑے لطف سے کھانا کھا رہے تھے جب لہسن پلاؤ کی باری آئی تو ایک نوجوان نے کھانے سے انکار کر دیا۔ بلکہ دستر خوان سے ہی ہٹ کر بیٹھ گیا۔ جب اہل خانہ نے اصرار کیا تو اس نے اس شرط پہ پلاؤ کھانے پر آمادگی ظاہر کی کہ کھانے کے بعد ایک سو بیس مرتبہ

اس کے ہاتھ صابن وصندل سے دھلوائے جائیں۔ ہم سب متعجب ہوئے تھے کہ وہ نوجوان اپنے ہاتھ دکھلا کر کہنے لگا کہ حضرت! اس پلاؤ کی بدولت میں اپنے انگوٹھے کھو بیٹھا ہوں۔ اور واقعی اس کے انگوٹھے کٹے ہوئے تھے۔ سب لوگوں کا اشتیاق بڑھا کہ قصہ ضرور سننا چاہیے۔ حاضرین نے اصرار کر کے اس کا قصہ سنا۔

نوجوان کی حکایت

میں بغداد کے ایک سوداگر کا لڑکا ہوں۔ میرے والد کچھ زیادہ دولت مند نہیں تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا۔ تو کافی قرض ان کے ذمہ تھا میں نے دوکان کھولی اور کاروبار شروع کر دیا۔ کچھ جائیداد فروخت کر کے قرض ادا کیا۔ کچھ روپیہ دوکان میں لگایا۔ بہر حال کام میرا چل نکلا۔ ایک روز صبح سویرے ایک نہایت حسین عورت چند کنیزوں کے ساتھ میری دوکان پر آئی اور زربفت کے تھان طلب کیئے میرے پاس تو اتنا قیمتی کپڑا کہاں تھا۔ برابر کے دوکاندار سے لاکر میں نے اس کو دکھایا اس نے چند تھان پسند کیئے۔ اور ساتھ لے کر چلی۔ میں اس کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے رخصت ہوتے ہوئے نہ تو قیمت کو کہا اور نہ ہی اس کا پتہ معلوم کیا رعب حسن سے میں زبان تک نہ ہلا سکا۔ جب وہ عورت جا چکی تو میں نے اپنی حالت پر غور کیا۔ کہ تقریباً پانچ ہزار درہم کا کپڑا دوسروں سے لے کر دے تو دیا ہے لیکن ادائیگی کی سبیل کیا ہوگی۔ میں تمام دن رات فکر اور اس کی یاد میں پریشان رہا۔ اگلے روز میں نے دوکان کھولی اور ابھی پوری طرح صفائی بھی نہیں کی تھی۔ کہ وہی عورت اپنی کنیز کے ساتھ آئی اور درہموں کی تھیلیاں میرے سامنے ڈال کر کہنے لگی کہ کل قیمت دینا بھول گئی تھی۔ یہ درہم گن لو۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور درہم گننے لگا لیکن میرے جذبات محبت بہت زیادہ بیدار ہو گئے۔ جی چاہتا تھا۔ اس کے قدموں میں سر رکھ کر عرض حال کر دوں۔ درہم گنتے وقت میں برابر حیران کن آنکھوں سے اس کے رخ تاباں کی بلائیں لے رہا تھا۔ اور بار بار میرے ہواس بہک جاتے تھے۔ غالباً وہ میری کیفیت کو سمجھ گئی تھی۔ کیونکہ وہ خاموش بیٹھی ہوئی میری حرکات پر مسکرا رہی تھی۔

بہر حال قیمت میرے سپرد کر کے وہ نازنین واپس چلی گئی اور میرے صبر و قرار کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئی پھر ایک ماہ تک میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ لیکن اس دوران میں، میں ایک منٹ کے لیے بھی اس کو نہیں بھولا۔ راتوں کو خواب میں وہی حسین چہرہ نظر آتا تمام دن اس کی راہ کو تکتے تکتے جس سے وہ دوبارہ آئی تھی میری آنکھیں تھک جاتیں۔ ایک مہینہ کے جان لیوا انتظار کے بعد ایک روز اس کی کنیز آئی اور کہنے لگی کہ ہماری بیگم نے تمہیں سلام کہا ہے اور خیریت پوچھی ہے میں نے اس کنیز کی معرفت اپنا حال دل اس خاتون تک پہنچا دیا اور کہہ دیا کہ اگر آپ نے توجہ نہ کی تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا چند روز بعد پھر وہ کنیز آئی اور کہنے لگی۔ ہماری بیگم خود بھی تمہیں چاہتی ہے۔ وہ ملکہ زبیدہ کی چہیتی کنیز ہیں۔ انہوں نے ملکہ سے درخواست کی تھی۔ کہ وہ تم سے شادی کی اجازت دیں۔ ملکہ نے کہا ہے کہ وہ پہلے تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں چنانچہ آج تم دجلہ کے قریب مسجد زبیدہ میں ٹھہرو۔ رات کو کسی وقت ہماری خاتون خود آکر تمہیں لے جائے گی۔ یہ مژدہ سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دوکان سے اٹھ کر میں نے غسل کیا اور حسب توفیق عمدہ لباس پہنا اور بعد مغرب مسجد زبیدہ کے پاس جا کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ قتالہ عالم ایک کشتی میں آئی۔ اور میرے پاس بیٹھ گئی۔

خواہش جذبات سے میری زبان بند تھی میں نے اپنا سر اس کے قدموں میں رکھ دیا اور اپنے آنسوؤں سے اس کے پیروں کو تر کر دیا۔ اس نے محبت سے میرا سر اٹھایا اور سینے سے لگا کر دیر تک تسلی و تشفی دیتی رہی پھر مجھے ایک صندوق میں بند کر کے کشتی میں رکھا گیا۔ اور وہ کشتی ملکہ زبیدہ کے محل کے قریب ٹھہری۔ چند غلاموں نے وہ صندوق اٹھا کر ملکہ کے سامنے لیجا کر رکھ دیا۔ غلاموں کے چلے جانے کے بعد ملکہ زبیدہ نے مجھے باہر نکلوایا اور میرے حالات حسب ونسب دریافت کیا۔ پھر خوش ہو کر فرمایا کہ میں تمہاری شادی اپنی پیاری کنیز سے کرنا چاہتی ہوں مجھے امید ہے کہ تم اس کو خوش رکھ سکو گے۔ میں نے جھک کر ملکہ کے زیر قدم بوسہ دیا اور دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں ان کی خوشنودی کے لیے اپنی جان تک نثار کر دوں گا ملکہ نے حکم دیا کہ اس کو الگ مردانہ حصے میں رہنے کی جگہ دی جائے۔ کیونکہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر شادی مناسب نہیں۔ اور ملکہ نے وعدہ فرمایا کہ خلیفہ سے میں خود اجازت حاصل کروں گی۔ لہٰذا مجھے ایک بہت خوشنما جگہ رہنے کے لیے دے دی

گئی۔ دن میں دو چار بار وہ محبوب کنیز میرے پاس آتی۔ دو چار پیار و محبت کی باتیں کرتی۔
میرے زخم دل پر اپنی تشفی کا مرہم رکھتی اسی طرح دن بسر ہوئے آخر ایک روز ملکہ نے میری
شادی کی اجازت حاصل کر لی۔ اور قاضی صاحب کو بلا کر نکاح کر دیا گیا سب کو کھانے سے
فارغ ہو کر میں اپنی دلہن کے کمرے میں گیا اور اس کے قریب بیٹھا تو اس نے ایک دم شور
مچا دیا کہ دور ہو جا میرے قریب نہ آ میں سخت پریشان تھا۔ کہ معاملہ کیا ہے اتنے میں کنیزیں
جمع ہو گئیں لیکن میری دلہن برابر اصرار کرتی رہی اس کو دور ہٹاؤ۔ جب میں نے اصرار
دریافت کیا تو وہ کہنے لگی کہ تمہیں کس بیوقوف نے تربیت دی تھی۔ کہ لہسن پلاؤ کھاؤ تم نے
صابن وصندل سے ہاتھ صاف نہیں کئے بو سے میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے تم اس قابل نہیں کہ
کسی اعلیٰ صحبت میں جا سکو۔ تمہیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

چنانچہ اس نے میرے ہاتھوں اور پیروں کے انگوٹھے کٹوا دیئے اور عہد کیا کہ آئندہ
میں لہسن پلاؤ نہیں کھاؤں گا یا کھانے کے بعد صابن وصندل سے خوب ہاتھ دھو لیا کروں گا۔
دو چار روز میں میرے زخم اچھے ہو گئے اور وہ میرے ساتھ پیار و محبت سے رہنے لگی اور اکثر
مجھے پیار کر کے اپنی زیادتی کی معافی مانگا کرتی تھی وہ کہا کرتی تھی کنیز ہونے کے باوجود محل میں
رہنے سے میرا دماغ خراب ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے اس وقت غصہ میں مجھ سے یہ حرکت
ہوئی بہر حال آئندہ زندگی میں بہت باوفا بیوی ثابت ہوئی لیکن دو سال سے زیادہ زندہ نہیں
رہی اس کے انتقال کے بعد میں نے یکے بعد دیگرے چار عقد کئے لیکن چاروں بیویاں مر
گئیں۔ میں نے دل برداشتہ ہو کر ترک وطن کر دیا۔ اور جگہ جگہ سیر و تفریح کرتا ہوا پھر رہا
ہوں۔

مودی کی کہانی سن کر بادشاہ نے کہا کہ تمہاری کہانی بھی اس کبڑے کے واقعہ سے
زیادہ عجیب نہیں ہے پھر حکیم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو؟
حکیم نے کہا۔ جہاں پناہ! میرا قصہ بھی سن لیں۔ شاید وہ اس کبڑے کے قصہ سے
زیادہ عجیب ہے۔

آپ بیتی

جن دنوں دمشق میں میرا مطب تھا۔ ایک روز شاہ دمشق نے مجھے طلب فرمایا اور ایک
نوجوان کے علاج کا حکم دیا۔ میں نے مریض سے کہا کہ نبض دکھاؤ۔ اس نے بایاں ہاتھ
آگے بڑھایا مجھے بہت حیرت ہوئی کہ شاہی سلسلہ کا آدمی ہو کر یہ شخص اتنا نہیں جانتا کہ نبض
دائیں ہاتھ کی دکھائی جاتی ہے اس وقت بادشاہ کی موجودگی کی وجہ سے خاموش رہا۔ اور نبض
دیکھ کر دوا تجویز کر دی۔ ایک مہینہ علاج ہوتا رہا اور خدا کے فضل سے وہ تندرست ہو گیا۔ میں
نے اس کو غسل صحت کی اجازت دے دی دوران علاج کئی بار میں نے مریض کو دیکھا اور
آخر کار یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ہمیشہ بایاں ہاتھ دکھاتا ہے دراصل اس کا
دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ جس نے اسے عیب دار بنا دیا تھا اس نے اپنا قصہ یوں سنانا شروع
کیا۔

حکم صاحب میں موصل کے ایک مالدار تاجر کا لڑکا ہوں میرے والد کے دس بھائی
تھے۔ لیکن اولاد کسی سے نہیں تھی۔ میں بھی اپنے والد کا اکلوتا لڑکا تھا۔ میرے چچا اور میرے
تائے مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ سب بھائیوں کا یہ ہی اکیلا وارث
ہے اس لیے میری نگہداشت پر بھی بہت توجہ دی جاتی تھی۔ ایک روز میرے ایک چچا نے مصر
کا کچھ ذکر اس انداز سے کیا کہ مجھے بھی مصر کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اسی دوران میرے
چچا سامان تجارت لے جانے لگے تو میں نے بھی اصرار کیا کہ میں مصر دیکھنا چاہتا ہوں۔ بڑی
مشکل سے اجازت ملی۔ لیکن والد نے چچا سے الگ تاکید کر دی کہ اس کو مصر نہ لے جانا۔
بلکہ دمشق چھوڑ دینا۔ مجھے معلوم نہ تھا میں خوشی خوشی چچا کے ساتھ چل دیا۔ دمشق پہنچا۔ ہم چند
روز ٹھہرے تاکہ کچھ اسباب فروخت کر لیں اور کچھ نیا خریدیں۔ ایک روز میں شہر کی سیر
کرنے گیا ہوا تھا۔ کہ چچا نے موقع مناسب سمجھ کر مجھے وہیں چھوڑا۔ اور خود مصر روانہ ہو گئے
واپس آ کر میں نے ہر چند ان کو تلاش کیا۔ لیکن ان کا کوئی پتہ نہ چلا۔ مجبوراً اسی مکان میں
رہنے لگا جو ہم نے کرائے پر لے رکھا تھا ایک شب میں آزردہ بیٹھا تھا۔ کہ ایک نوجوان

عورت اندر آئی۔ اور کہنے لگی کہ جب سے تم یہاں آئے ہو میں تمہیں چاہنے لگی ہوں۔

پھر وہ میرے قریب بیٹھ گئی میں نے وہ رات بڑے لطف سے بسر کی۔ صبح کو جب وہ جانے لگی تو میں نے دس دینار پیش کیے۔ وہ مسکرائی اور اپنی جیب سے بیس دینار نکال کر میرے آگے ڈال دیئے اور چلی گئی میں حیرت سے اس کو دیکھتا رہا۔ تیسرے روز شام کو وہ پھر آئی اور تمام شب میرے پاس رہی۔ صبح کو چلتے وقت بیس دینار میرے آگے ڈال دیئے۔ میں نے کہا تم مجھے دینار کیوں دیتی ہو؟ وہ ہنس کر بولی کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اس لیے تمہیں انکار نہیں ہونا چاہیے۔ غرض اسی طرح وہ روزانہ آتی رہی۔ یہاں تک کہ میں بھی اس سے کافی مانوس ہو گیا تھا۔

ایک روز مجھ سے کہنے لگی اگر تمہیں مجھ سے زیادہ خوبصورت عورت مل جائے تو کیا کرو گے۔ میں نے کہا کہ میں اس کی طرف توجہ نہ کروں گا۔ وہ بولی کہ اچھا میں تمہارا امتحان لوں گی۔ تیسرے روز وہ اپنے ساتھ ایک اور نوجوان عورت لائی جو حقیقتاً اپنے حسن کا جواب نہیں رکھتی تھی۔ پھر مجھ سے یہ کہنے لگی کہ بتاؤ یہ عورت مجھ سے زیادہ حسین ہے یا نہیں میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ کہ ہاں وہ کہنے لگی کہ اچھا آج تم اس کے ساتھ رات گزارو۔ چنانچہ ہم دونوں کو اس نے ایک تنہا کمرے میں لٹا دیا صبح کو جب میں بیدار ہوا تو دیکھا۔ کہ وہ نئی حسینہ مری پڑی ہے اور میری سابقہ عاشقہ کا کہیں پتہ نہیں۔ میں بہت پریشان ہوا اور اپنے بچاؤ کی خاطر گھر ہی میں قبر کھود کر اس مظلومہ کو دفن کر دیا اور زمین برابر کر کے مکان کو تالا لگا دیا۔ پھر مالک مکان کو ایک سال کا کرایہ پیشگی دے کر خود مصر چلا گیا وہاں چچا سے ملاقات ہو گئی۔

میں ان کے ساتھ چند ماہ رہا اور پھر سیر و سیاحت کے لیے دوسرے ملکوں میں چلا گیا۔ غرض اس طرح میں تین سال ادھر ادھر پھرتا رہا۔ لیکن لاش والے مکان کا کرایہ ہمیشہ وقت پر بھیجتا رہا۔ ایک بار میں کسی ضرورت سے دمشق آیا راستے میں چوری ہو گئی اور میں بالکل خالی ہاتھ رہ گیا میں نے اپنا مکان کھولا۔ تا کہ کچھ سامان فروخت کر کے روپیہ حاصل کروں۔ وہاں مجھے ہار پڑا ہوا ملا۔ میں نے سمجھا کہ یہ مقتولہ کا ہار ہے اس کو بازار لے گیا اور جوہری کو دکھایا۔ اس نے چوری کا شبہ کر کے کوتوال شہر کے حوالے کر دیا۔ کوتوال مجھے قاضی کے پاس لے گیا۔ میں نے قاضی صاحب سے کہا کہ یہ ہار میرا ہے لیکن قاضی صاحب کو بھی یقین نہ

آیا۔ چنانچہ مجھے بہت مار پڑی۔ میں اصل واقعہ تو ظاہر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں قصاص میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ مجبوراً میں نے چوری کا اقرار کیا اور میرا دایاں ہاتھ قلم کر دیا گیا۔ میں اپنے سابقہ مکان میں آیا تو مالک نے رہنے نہ دیا کیونکہ میں مشتبہ ہو چکا تھا میں نے ایک دوسرا مکان کرایہ پر لیا اور وہاں رہنے لگا پھر دوسرے دن کوتوال آیا اور کہنے لگا یہ بتاؤ تم نے یہ ہار کب اور کہاں سے چرایا تھا۔ میں نے کہا کہ بھائی اب تو مجھے اس کی سزا بھی مل چکی ہے پھر دوبارہ کیوں پوچھتے ہو؟ کوتوال نے کہا کہ جس لڑکی کا یہ ہار وہ عرصہ دراز سے غائب ہے اور جس مکان کو تم نے خالی کیا ہے اس میں کچھ علامات پائی جاتی ہیں کہ شاید وہ لڑکی وہیں قتل کی گئی تھی۔ میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

چنانچہ مجھے والئی دمشق کے حضور میں پیش کیا گیا۔ میں نے سوچا کہ اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے اصل واقعہ بتا دینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے شروع سے آخر تک کل واقعہ والئی دمشق کے حضور میں عرض کر دیا جسے سن کر وہ کچھ دیر تک خاموش رہا اور پھر مجھے تنہائی میں لے جا کر کہنے لگا کہ مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہارا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ خیر میں اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ دراصل وہ دونوں عورتیں جو تمہارے پاس گئی تھیں۔ میری سوتیلی لڑکیاں تھی ایک قتل ہو گئی اور دوسری بھی اس دنیا میں نہیں ہے۔ کم اصل سے وفا کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بدکاری کا انجام بھی بھگت لیا اب میری ایک لڑکی ہے میں اس سے تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تا کہ تم پر سے بدنامی کا دھبہ دور ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے میرا علاج کرایا۔ اور جلدی ہی میری شادی ہو گئی۔ اور اس کے بعد ہم میاں بیوی خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے۔

بادشاہ نے حکیم کا قصہ سن کر کہا کہ یہ بھی کبڑے کے قصہ سے زیادہ عجیب نہیں ہے۔ پھر درزی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اگر تم نے بھی کوئی عجیب واقعہ نہ سنایا تو میں سب کو قتل کرا دوں گا۔ درزی آداب بجالا کر آگے بڑھا اور اپنی داستان شروع کی۔

درزی کی کہانی

درزی نے عرض کیا کہ اس کبڑے کے حادثے سے ایک روز قبل میں ایک دعوت میں شریک تھا۔ شہر کے بہت سے اچھی حیثیت کے لوگ بھی آئے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک نوجوان آیا وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا کر چلتا تھا۔ میزبان نے تعظیم کے ساتھ اسے بھی ایک طرف لا کر بٹھا دیا۔ اتفاقاً سامنے ایک بوڑھا حجام آ گیا جسے دیکھتے ہی وہ نوجوان کھڑا ہو گیا اور صاحب خانہ سے معذرت کر کے جانے لگا۔ ہم سب حیران تھے کہ ابھی تو یہ شخص شریک دعوت ہونے آیا تھا اور کھانا کھانے سے پہلے ہی واپس جانا چاہتا ہے صاحب خانہ اور دوسرے حاضرین نے اصرار کیا تو نوجوان نے کہا جناب جہاں یہ حجام ہو گا وہاں میں نہیں ٹھہر سکتا۔ آپ میری ٹانگ میں جو لنگ دیکھ رہے ہیں۔ اسی منحوس کی وجہ سے آیا ہے۔ اب تو لوگوں کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ کافی جدوجہد کے بعد اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ کھانے کے بعد وہ اپنا قصہ سنائے۔ اور سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اس لنگڑے جوان کے گرد بیٹھ گئے۔

لنگڑے جوان کی حکایت

صاحبان! میں بغداد کا رہنے والا ہوں۔ میرے والد تجارت کیا کرتے تھے۔ ہمارا کاروبار بہت اچھا تھا والد کے انتقال کے بعد میں نے دوکان سنبھالی۔ اور بدستور سابق کام چلاتا رہا۔ میرا اور کوئی بھائی بہن نہیں تھا اس لیے اچھا کھاتا اور اچھا پہنتا اور عیش و آرام سے گزارہ کرتا تھا۔ ابتدائی عمر میں ہی والد صاحب نے میرے ذہن میں یہ بٹھا دیا تھا۔ کہ عورت بے وفا ہوتی ہے اس لیے میں عورتوں سے ایک قسم کی نفرت کرتا تھا اور دل میں یہ سوچ رکھا تھا کہ شادی نہیں کروں گا ایک روز میں اپنی دوکان پر جا رہا تھا۔ کہ راستہ میں

سوداگروں کی مال گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اور کچھ لوگ جمع تھے میں نے سوچا کہ ذرا بھیڑ کم ہو جائے۔ تو آگے جاؤں قریب ہی ایک تختہ پڑا تھا۔ اس پر بیٹھ گیا۔

اتنے میں سامنے کے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت لڑکی نکل آئی میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی۔ میں اپنی اس نفرت کو بھی بھول گیا جو مجھے عورتوں سے تھی۔ میرا دل بے قرار ہو گیا۔ وہ لڑکی مکان کے متصلہ پائیں باغ میں گئی میں ایسا محو ہو گیا تھا کہ مجھے خبر نہ رہی کہ کب مجمع کم ہوا اور راستہ صاف ہو چکا تھا۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ کس سے دریافت کروں کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔ اتنے میں قاضی شہر آئے اور سیدھے اسی مکان میں چلے گئے جس سے میں نے اندازہ کیا کہ غالباً وہ قاضی صاحب کی لڑکی تھی۔

حسین لڑکی کا کھڑکی کھول کر دیکھنا

وہاں سے اٹھ کر میں گھر آ گیا۔ طبیعت اتنی بے کیف تھی کہ اس روز میں نے دوکان بھی نہ کھولی۔ اسی حالت میں کئی دن گزر گئے مجھے سکون نہ ہوا۔ ہر وقت اس لڑکی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی۔ آخر میں نے ایک دوست کے مشورے سے ایک بڑھیا کو بلوایا جو شہر میں دلالہ کا کام کرتی تھی اور اس سے اپنی تمام سرگذشت بیان کی بڑھیا کہنے لگی۔ بے شک قاضی صاحب کی لڑکی ہزاروں میں شمار کی جاتی ہے۔ لیکن اس تک رسائی آسان نہیں میں کوشش کروں گی۔ اگر لڑکی تمہاری طرف متوجہ ہوئی تو ممکن ہے کامیابی کی کوئی صورت نکل آئے اس کے بعد بڑھیا چلی گئی۔ تین روز تک میں بے چینی سے اس کا انتظار کرتا رہا۔ آخر خدا خدا کر کے وہ آئی اور کہنے لگی کہ میں نے قاضی صاحب کی لڑکی سے تمہارا ذکر کیا تھا۔

شروع شروع میں وہ تو بہت ناراض ہوئی۔ لیکن میں نے اس کے تیور دیکھ کر پہچان لیا کہ تمہارے لیے اس کے دل میں ضرور گنجائش ہے۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں اسے بھی تم سے ضرور محبت ہے۔ بڑھیا مجھے تسلی دے کر چلی گئی۔ اور پھر کئی دن شدید انتظار کے بعد آئی

اور کہنے لگی مبارک ہو میں نے آخر اس سے قبول کرواہی لیا کہ وہ تم کو چاہتی ہے جمعہ کے روز جب قاضی صاحب مسجد میں تشریف لے جائیں گے اس وقت تم اس کے مکان والے باغیچہ میں پہنچ جانا۔ وہیں ملاقات ہو جائے گی۔

یہ خوشخبری سن کر میں بہت خوش ہوا۔ اور بڑھیا کو معقول انعام دیا۔ جمعہ کے دن صبح سویرے اٹھ کر غلام کو حکم دیا۔ کہ ایک حجام کو بلالاؤ۔ میری بدقسمتی کہ اسی مردود حجام کو ساتھ لے آیا۔ جو آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ اس نے آتے ہی مجھے سلام کیا اور کہنے لگا۔ کہ آپ بال بنوانا چاہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے روز بال کٹوانا ستر بیماریوں کو دور کرتا ہے فصد کھلوانا اور بیماریوں کو بلوانا ہے میں نے کہا کہ تم اپنے وعظ تو رہنے دو اور میرا خط بنا دو۔ یہ مردود آلات نجوم لے کر وسط صحن میں سورج کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کچھ دیر تک حساب وغیرہ کرتا رہا۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ کہ آج صفر المظفر کی دس تاریخ ہے اور جمعہ کے دن مریخ اس وقت سات درجے طے کر چکا ہے۔ اور آٹھویں درجہ میں چھ دقیقے گزار چکا ہے۔ یہ ساعت خط بنانے کے لیے موزوں نہیں علم نجوم اور ستاروں کی تحویل یہ بتاتی ہے۔ کہ آپ کسی شخص سے ملنے جا رہے ہیں۔ مگر مصیبت اور تکلیف آنے کا خطرہ ہے میں نہیں بتا سکتا کہ کیا مصیبت پڑے گی۔

مگر وہ اتنی ہی بکواس کرنے پایا تھا کہ میں نے جھلا کر اس سے کہا کہ تمہیں بال بنانے کے لیے بلایا ہے زائچہ دیکھنے کے لیے نہیں یہ بدبخت کہنے لگا کہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کو کیا کام درپیش ہے ممکن ہے میں آپ کو ایسا مشورہ دے سکوں۔ جو صحیح اور مفید ہو۔

میں نے کہا کہ اپنی بکواس بند کر دو۔ اور جس کام کے لیے میں نے بلایا ہے اس کو انجام دو مگر یہ کم بخت باز نہ آیا۔ اور بولا صاحب! آپ مجھے بکواس کہتے ہیں حالانکہ میں بہت کم گو ہوں میرے بھائی بے شک فضول گو اور لغو آدمی ہیں۔ میری خاموشی کی وجہ سے لوگوں نے مجھے صاحب کہنا شروع کر دیا۔ آپ میرے بھائیوں کا نام بھی سن لیجئے۔ ایک کا بلبک۔ دوسرا بکبار اور تیسرا۔ انگوز۔ چوتھا بھی وہ کچھ اور کہتا بے تاب ہو کر میں نے حکم دیا کہ اس کو باہر نکال دو۔ نامراد میرا وقت ضائع کر رہا ہے۔ یہ سن کر وہ ہاتھ باندھ میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ جناب میں آپ کی خدمت کیے بغیر بھی نہیں جاؤں گا۔ آپ ناراض ہو گئے ہیں اس لیے میں آپ کی حجامت بھی بناؤں گا اور اجرت بھی نہیں لوں گا آپ

نہیں جانتے کہ آپ کے والد مرحوم کے مجھ پر بہت احسانات ہیں ایک بار انہوں نے مجھے بلایا۔ اس وقت ان کے پاس بہت سے معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ اور فرمایا کہ میری قصد کھول دو میں نے اس وقت ستاروں کی گردش اور سورج کا محل وقوع دیکھ کر کہا۔ کہ حضرت فصد کے لیے یہ وقت کسی طرح موزوں نہیں۔

حجام

چنانچہ انہوں نے میری رائے پر عمل کیا اور دوسرے وقت پر فصد کھلوائی۔ کل حاضرین نے اس وقت میری قدر شناسی اور عزت افزائی فرمائی۔ اور مجھے ایک تھیلی دینار کی۔ عطا کی میں نے غصہ میں جھلا کر کہا کہ اگر والد مرحوم نے تم جیسے فضول شخص کو اس قدر روپیہ دیا۔ تو بڑی غلطی کی۔ یہ کم بخت ہنسنے لگا۔ اور بولا کہ معلوم ہوتا ہے اس وقت آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ غصہ کرنا گناہ اور معاف کرنا ثواب ہے اس لیے میں آپ کے فرمانے کا برا نہیں مانتا۔ کیونکہ آپ کے والد مجھے دوست رکھتے تھے میں آپ کو محسن زادہ سمجھتا ہوں۔ یاد رکھئے اس وقت دنیا میں مجھ سے زیادہ ہمدرد اور مخلص آپ کو کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔ میں نے کہا کہ بابا میرے حال پر رحم کر اور خدا کے لیے میری حجامت بنا دے ورنہ، اپنا راستہ لے بے حیا کہنے لگا۔ کہ تم ابھی بچے ہو اپنے بوڑھے خدمت گار پر غصہ کر رہے ہو۔ میں نے کہا بھائی میں غصہ وغیرہ نہیں کرتا تو میرا خط بنا دے۔ مجھے ایک ضروری کام ہے اور وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر اس خبیث حجام نے استرا نکالا۔ اور آہستہ آہستہ پتھری پر تیز کرنے لگا مگر اس کی زبان برابر چلتی رہی۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں استرہ ٹھیک کیا اور حجامت بنانی شروع کی۔ ابھی تھوڑے ہی سے بال کاٹے تھے۔ کہ میں نے تقاضا کیا کہ جلدی کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اس نے فوراً استرا ہاتھ سے روک دیا اور کہنے لگا کہ صاحب اپنے بزرگوں کا یہ قول نہیں سنا۔

جلدی کا کام شیطان کا ہے

کسی کام میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اکثر اس سے کام خراب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات ان کو پشیمانی اٹھانی پڑتی ہے اس کے بعد دیر تک اپنی کاریگری اور نجوم کے قصے سناتا رہا تنگ آ کر میں نے اس بدبخت سے کہا کہ پہلے مجھے فارغ کر دے پھر قصے سنا لینا یہ کہنے لگا کہ آپ بھی نوعمر ہیں میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ ہر کام سوچ سمجھ کر کرو۔ اور انجام کا پہلے اندازہ کرلو۔ ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ اس وقت آپ کو کیا ضروری کام ہے اس کے بعد فوراً اصطراب وغیرہ لے کر کھڑا ہو گیا کہ ابھی نماز جمعہ میں کافی دیر ہے میں ذرا ساعت دیکھ لوں۔ میں نے کہا بندۂ خدا مجھ پر رحم کر اور اپنی فضول بک بک بند کر اس نے کہا کہ آپ کے والد اللہ تعالیٰ ان کو جنت نصیب کرے ہر کام میں مجھ سے مشورہ لیا کرتے تھے آپ بھی ایک مرتبہ مجھ سے مشورہ لے کے دیکھئے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے لیے کارآمد ہوگا۔ میں نے کہا قبل از جمعہ ایک دعوت میں شریک ہونا ہے دعوت کا سن کر یہ بے حیا اچھل پڑا۔ اور استرا پتھری پر رگڑتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ سے مجھے ایک بات کہنی یاد نہیں رہی۔ میں نے بھی کل کے لیے چند احباب کو کھانے پر مدعو کیا ہے۔ مگر اب تک اس کے لیے کوئی انتظام نہیں کر سکا۔ اور پریشان ہوں۔ کہ ان لوگوں کو کیا کھلاؤں گا۔ میں نے کہا تم فکر نہ کرو۔ اگر میری حجامت جلدی سے بنا دو تو میں تمہاری دعوت کا کل سامان اپنے یہاں سے بھیج دوں گا۔ یہ کم بخت استرہ ہاتھ سے رکھ کر مجھے دعائیں دینے لگا۔ پوچھنے لگا کہ از راہ نوازش آپ مجھے بتائیں گے کہ دعوت کے لیے آپ کے ہاں سے کیا کیا چیزیں ملیں گی میں نے کئی چیزیں اور کھانوں کے نام لیے یہ کہنے لگا ذرا مہربانی کر کے یہ سب چیزیں مجھے دکھلا دیجئے تاکہ میں مطمئن ہو کر آپ کی حجامت بنا دوں میں نے اپنے ملازمین سے کل سامان نکلوایا۔ یہ دیر تک ان چیزوں کو دیکھتا رہا پھر کہنے لگا تھوڑی سی شراب بھی ہوتی تو دعوت مکمل ہو جاتی۔ قہر درویش بر جان درویش میں نے شراب بھی منگا دی پھر یہ میری تعریفیں کرتا رہا۔ اس کے بعد بولا کہ کچھ خوشبویات بھی عنایت فرمائیے۔ میں نے وہ بھی نکال دیں۔ لیکن یہ ظالم پھر بھی استرا ہی رگڑتا رہا۔ میں نے جب بہت تقاضا

کیا تو اٹھ کر دوبارہ سامان دعوت دیکھنے لگا اور ساتھ ہی ایک ایک چیز کی تعریف کرتا جاتا تھا خدا خدا کر کے معائنہ ختم ہوا اور اپنی کم گوئی اور میری حجامت کے متعلق اشعار سناتا رہا۔ پھر مجھے اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا۔ میں نے معلومات کی تو اس سے اصرار کیا اور اپنے دوستوں کی تعریف شروع کر دی اور چاہتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک کا الگ الگ تذکرہ کرے کہ میں نے پھر حجامت بنانے کا تقاضا کیا اور کم بخت استرا لے کر میرے پاس آ بیٹھا۔ اور حجامت جو باقی رہ گئی تھی ختم کی میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کھڑا ہوا یہ بدبخت کہنے لگا کہ آپ غسل کر لیں۔ اور میں سامان گھر پہنچا دوں۔ پھر آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ تاکہ کوئی مشکل بات پیش نہ آئے۔ اگر آپ کا خادم موجود ہوا تو آپ کی مدد کر سکے گا غرض سامان لے کر دفع ہوا تو میں نے غسل کیا عمدہ لباس پہنا اور اپنی محبوبہ سے ملنے کے لیے چلا تو دیکھا کہ بدمعاش حجام مزدور کے ہاتھ سامان بھیج کر میرے انتظار میں باہر کھڑا تھا جب میں نکلا تو یہ میرے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اور قاضی صاحب کے مکان تک آ پہنچا۔ افسوس مجھے پہلے اس کا علم نہیں ہوا کہ یہ مردود میرا تعاقب کر رہا ہے۔ ورنہ میں آج لنگڑا نہ ہوگا۔ بہر حال میں جب پائیں باغ پہنچا تو دروازہ کھل گیا اور میں اندر چلا گیا اور یہ حجام اسی تخت پر بیٹھ گیا جس پر ایک روز بیٹھ کر میں نے قاضی صاحب کی بیٹی کو دیکھا تھا اور عشق میں مبتلا ہوا تھا۔ شاید مجھے دیر ہو گئی تھی۔ کیونکہ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ قاضی صاحب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس آ گئے اتفاقاً وہ کسی بات پر اپنی کنیز سے ناراض ہوئے اور اس کو پیٹا تو ان کے غلام آ کر معذرت کرنے لگے۔ غصہ میں آ کر قاضی صاحب نے ان کو بھی سخت سست کہنا شروع کیا۔ جس سے اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ اس خبیث نے باہر شور کی آواز سنی تو یہ خیال کیا کہ میں پکڑا گیا ہوں۔ اور قاضی صاحب مجھ کو سزا دے رہے ہیں چنانچہ اس نے باہر شور مچا دیا اور اہل محلہ کو جمع کر لیا کہ اندر قاضی صاحب میرے آقا کو پیٹ رہے ہیں پھر بھاگا بھاگا میرے مکان پر پہنچا اور غلاموں سے کہنے لگا۔ کہ تمہارے آقا مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جلدی چلو غلام لاٹھیوں سے مسلح ہو کر اس کے ساتھ قاضی کے مکان پر آ گئے اور دروازہ [illegible]

بیچارے قاضی صاحب حیران تھے کہ آخر یہ کیا مصیبت نازل ہوئی۔ گھر کے باہر ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ وہ باہر آئے اور کہنے لگے صاحب کیا معاملہ ہے لوگوں نے کہا کہ آپ ان کے آقا کو کیوں مار رہے ہیں قاضی صاحب نے کہا کہ کون آقا اور کس کا آقا! آخر

ان کے آقا کا میرے گھر میں کیا کام ہے لوگوں نے اس حجام کی طرف اشارہ کیا یہ حجام آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ کہ تم قاضی شہر ہو کر جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ میرا آقا تمہاری لڑکی پر عاشق ہے۔ اور آج اس سے ملنے آیا ہے۔ تمہیں کسی طرح اس کا علم ہو گیا اور اب تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ خیریت اسی میں ہو گی کہ ہمارے آقا کو چھوڑ دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ اس کی گفتگو سن کر قاضی صاحب شرم سے پانی پانی ہو گئے۔

قاضی صاحب کے مکان پر لوگوں کا ہجوم

اور کہنے لگے کہ تم اپنے آقا کو خود ہی تلاش کر کے نکال لو۔ میں نے تو کسی شخص کو گھر میں نہیں دیکھا۔ یہ بدنصیب گھر میں گھس آیا اور مجھے فکر ہوئی اگر اس نے تلاش کر لیا تو بہت رسوائی ہو گی میں ایک صندوق میں چھپ گیا۔ ڈھونڈتے ہوئے یہاں بھی آ پہنچا لیکن خدا کا شکر ہوا کہ یہ اس وقت تنہا تھا۔ میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے کہ تو باہر چلا جا میں کل آؤں گا۔ لیکن یہ نہیں مانتا تھا۔ میں نے کہا اچھا تو جا کر میرے غلام کو بلا لا۔ یہ باہر نکلا اور میں دوسرے دروازے سے بھاگا۔ بدقسمتی سے اس مردود نے پھر دیکھ لیا اور شور کرتا ہوا۔ میرے پیچھے دوڑا اس کی آواز سن کر دوسری طرف کے بازار والے میرے تعاقب میں دوڑے میں نے ایک مٹھی بھر اشرفیاں پھینک دیں۔ دوسرے لوگ تو ان کو اٹھانے میں مصروف ہو گئے۔ اور میں اپنی جان بچا کر ایک تنگ کوچے میں چھپ گیا۔ لیکن یہ شیطان پھر بھی میرے سر پر سوار رہا۔ قریب آ کر کہنے لگا۔ کہ خدا کا شکر ہے کہ میں آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ ورنہ آج قاضی تمہیں زندہ نہیں چھوڑتا میں پہلے ہی کہتا تھا۔ آج آپ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اب بتائیے کہ اگر میں خدمت گزاری میں موجود نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ میں پھر وہاں سے بھاگا۔ اور ایک دوست کے مکان میں آ کر پناہ لے لی اس بے حیا کو ڈرا دھمکا کر واپس کیا۔ اس دوڑ دھوپ میں میرا پیر بیکار ہو گیا اس کے بعد میں نے قسم کھائی کہ جہاں حجام ہو گا وہاں میں نہیں رہوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنا کل سامان فروخت کیا اور خاموشی سے بغداد چھوڑ دیا خدا جانے میری محبوبہ کا کیا حشر ہوا۔ بہر حال میرے عشق کا جنون تو اس حجام کی بدولت سرد پڑ گیا۔

لوگوں نے حجام سے پوچھا کہ اس بارے میں تم کیا جانتے ہو وہ کہنے لگا صاحب! واقعہ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں صحیح ہے لیکن آج تک میں نہیں سمجھ سکا کہ آخر اس میں میری غلطی کیا ہے؟ آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اگر میں بروقت مدد کو وہاں موجود نہ ہوتا تو ان کا انجام کیا ہوتا۔ انہیں تو میرا ممنون ہونا چاہیے کہ صرف ایک ٹانگ ہی پر آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ ورنہ ان کی جان جانے میں کیا کمی رہ گئی تھی۔ یہ صاحب مجھے بکواس یا دروغ گو سمجھتے ہیں آپ میری سرگزشت سنیئے اور پھر سوچئے میں مفید آدمی ہوں یا بے کار اور بے کار تو میں خیر ہو نہیں سکتا کیونکہ ان کی داستان سے آپ کو معلوم ہو ہی گیا کہ میں نے کتنا عجیب و غریب کام کیا ہے خواہ یہ اس کی قدر کریں یا نہ کریں۔ خیر اب میری داستان سنیئے۔

حجام کا جھوٹ

صاحبان! جیسا کہ آپ کو اس نوجوان کی سرگزشت سے معلوم ہو چکا ہے میں بغداد کا رہنے والا ہوں۔ یہ صاحب مجھے فضول گو احمق بیوقوف سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوں۔ جس زمانہ میں میں بغداد میں رہتا تھا۔ اس وقت خلیفہ مستنصر باللہ حیات تھے۔ وہ عادل خدا ترس اور اہل علم کے قدر دان تھے ایک بار مجھے بھی ان کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ اور مرحوم نے خوش ہو کر مجھے سامت کے معزز لقب سے مشرف فرمایا تھا میں کس طرح ان کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کا واقعہ آپ لوگوں کو سناتا ہوں کہ ایک بار خلیفہ مرحوم نے دس آدمیوں کی گرفتاری کے احکام صادر فرمائے وہ لوگ اس وقت دجلے کی سیر کو گئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً میں بھی اس وقت دجلہ کے کنارے کھڑا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کی گرفتاری کا حکم ہو چکا ہے۔ ان لوگوں نے کشتی کرائے پر لی۔ اور اس میں سوار ہو گئے میں نے یہ سوچ کر کہ یہ شریف آدمی آج سیر و تفریح کا لطف اٹھائیں گے اور عمدہ عمدہ کھانے لائے ہوں گے ان کے ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے بھی بٹھا لیا ہم ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ کشتی دوسرے کنارے پر آ لگی۔ ابھی ہم کشتی سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ کوتوال شہر کچھ پیادوں کو لے کر آ پہنچا۔ اور ان سب کو

گرفتار کرلیا۔ ساتھ ہی بلاقصور میں بھی پکڑا گیا لیکن اپنی عادت کے موافق خاموش رہا۔
جب ہم خلیفہ کے دربار میں پیش کیے گئے تو اس وقت سخت غصہ کی حالت میں تھے انہوں نے
حکم دیا کہ ان دس آدمیوں کو قتل کردیا جائے چنانچہ۔ جلاد نے ان کو قتل کردیا۔ اور مجھے خلیفہ
کے سامنے پیش کیا گیا یہ گیارہواں آدمی بھی انہیں کے ساتھ گرفتار ہوا اس سے متعلق کیا حکم
ہے؟ خلیفہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اور ان لوگوں کے ساتھ کس طرح گرفتار
ہوئے؟ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ میں ایک حجام ہوں اور قصاب بھی نجومی ہو؟ اور ان
لوگوں کے ساتھ کس طرح گرفتار ہوئے؟ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ میں ایک حجام
ہوں اور قصاب بھی ہوں اور طبیب بھی۔ ایک جفار بھی ہوں عرض وحکمت و دانائی کی کوئی قسم
ایسی نہیں کہ جو مجھے نہ آتی ہو جس وقت کہ مقتولین کشتی میں سوار ہو کر دجلہ کی سیر کو چلے یہ سوچ
کر کہ انہیں میری خدمات کی ضرورت ہو۔ میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا اور واپسی پر ان کے
ساتھ ہی گرفتار کرلیا گیا لیکن میں خاموش رہا۔ کیونکہ خاموشی میری زندگی کا زریں ترین
اصول ہے اس لیے آپ کے سامنے زندہ وسلامت موجود ہوں اگر فضول گوئی اور بے
ضرورت باتیں کرتا تو ممکن ہے میں بھی ان کے ساتھ قتل کردیا جاتا میرے بھائی بے شک
بہت بکواس اور لغو ہیں۔ اور وہ بدگوئی کی بدولت طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا رہتے
ہیں میں آپ کو ان کا حال سناتا ہوں تاکہ میرے اصول کی صداقت آپ پر بھی واضح
ہو جائے۔ اس عرصہ میں خلیفہ برابر مسکراتے رہے اس سے پیشتر کہ وہ کچھ فرماتے میں نے
اپنے بھائیوں کا قصہ سنانا شروع کردیا۔

حجام کے پہلے بھائی بکبک کا قصہ

میرا ایک بھائی جو اپنی ایک ٹانگ اپنی حماقت سے کھو بیٹھا ہے۔ یہیں بغداد میں درزی
کا کام کرتا ہے۔ مالک دوکان کا گھر سامنے ہی تھا اوپر کی منزل میں خود رہتا تھا اور نیچے کی
منزل میں آٹا کی چکی لگا رکھی ہے ایک دن مالک مکان کی بیوی اپنے دریچے میں کھڑی تھی۔
اتفاقاً میرے بھائی کی نظر پڑ گئی۔ وہ اسیر عشق ہو گیا عورت نے جب میرے بھائی کو اپنی

طرف گھورتے ہوئے دیکھا تو کھڑکی بند کردی۔ میرا بھائی عشق میں ایسا دیوانہ ہوا کہ تمام
دن دریچہ کی طرف دیکھتا رہتا۔ کئی روز گزر گئے لیکن اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔
ایک روز مالک مکان نے کچھ کپڑے سینے کو دیئے میرے بھائی نے بڑی محنت سے کپڑے
سلائی کیے شام کو وہی عورت پھر دریچہ میں آئی اور میرے بھائی کی طرف کچھ اشارے کرتی
رہی پھر ان کی کنیز آئی اور کہنے لگی کہ تم کپڑوں کی سلائی نہ لینا۔ کیونکہ میری مالکہ بھی تم کو
چاہنے لگی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ تمہارے اور مالک کے درمیان دوستی ہو جائے اور تم آسانی
سے میرے مکان میں آسکو میرا بیوقوف بھائی سمجھا کہ واقعی عورت بھی مجھے چاہنے لگی ہے
چنانچہ اس نے مالک سے اجرت نہ لی اور کہہ دیا کہ پھر کسی وقت دیکھا جائے گا مالک مکان
نے گھر میں آکر کہا تو اس کی بیوی نے کل واقعہ بتادیا اور کہنے لگی کہ اس کو بدمعاشی کی سزا
ضرور ملنی چاہیے۔ دونوں نے مشورہ کیا پہلے تو خوب کپڑے سلوائے اور پھر ایک روز اس
احمق کا فرضی نکاح کردیا۔ اور کہہ دیا کہ شام چکی والے مکان میں آجانا وہیں تمہاری محبوبہ
ہوگی چنانچہ رات کو میرا بھائی وہاں جا کر بیٹھ گیا کافی رات گزر گئی۔ مالک مکان آیا اور کہنے
لگا کہ صبح کو تمہارا ولیمہ ہوگا اور میرا گھوڑا بیمار ہے کیا تم تھوڑی محنت کرنے کو تیار ہو۔ تاکہ ہم آٹا
پیس لیں۔ میرا بیوقوف بھائی تیار ہو گیا مالک نے اس کو چکی میں جوت لیا اور رات بھر اس
سے آٹا پسوایا۔ اگر کسی وقت سستی آجتی تو مذاق ہی مذاق میں چابک مار دیتا۔ جس سے اس
کے بدن پر نشان پڑ گئے صبح ہوئی تو مالک مکان نے اس کو گھر سے نکال دیا۔ غریب رات بھر
چکی میں جوتا رہا تمام بدن چور ہو گیا تھا۔ جا کر دوکان پر گرا۔

بکبک کی مرمت

شام کو پھر کنیز آئی اور کہنے لگی کہ میری ملکہ کو رات مالکہ نے نہیں آنے دیا اور سنا ہے کہ
تمہارے ساتھ بھی زیادتی کی گئی ہے۔ صبح سے مالکہ نے کھانا بھی نہیں کھایا اور آپ ذرا
دریچہ کی طرف دیکھیے سامنے وہی مالکہ کھڑی ہیں اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہی ہیں میرا
بھائی بھی خوش ہو گیا پھر وہ کنیز کہنے لگی آج مالک مکان باہر گیا ہے رات کو خاموشی سے تم
آجانا دروازہ کھلا رکھوں گی۔

امیر المومنین آپ خیال فرمائیے کہ میرا بھائی کتنا نادان تھا کہ ان سب باتوں پر یقین کر کے رات کو پھر اس کے مکان پر چلا گیا۔ کنیز نے دروازہ کھول کر اس کو اندر بلا لیا۔ ابھی میرا بھائی بیٹھنے نہ پایا تھا کہ مالک آ گیا پہلے تو اس نے شور کر کے لوگوں کو اکٹھا کر لیا پھر اس کی خوب مرمت کی اور پکڑ کر حاکم وقت کے سامنے پیش کیا حالات دریافت کر کے حاکم نے حکم دیا کہ اس کو پہلے سو درے مارے جائیں اور پھر گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کی جائے چنانچہ تکمیل حکم ہوئی اور میرے بھائی کو شہر بدر کر دیا گیا جب مجھے کل حالات معلوم ہوئے تو بڑی مشکل سے اس کو تلاش کر کے اپنے گھر لایا۔ اب وہ میرے پاس رہتا ہے اور اس پٹائی سے اور گدھے کی سواری سے اپنی ایک ٹانگ سے بھی معذور ہو گیا

حجام کے دوسرے بھائی کی داستان

امیر المومنین! میرا دوسرا بھائی ایک ہاتھ سے معذور ہے اور اس نے اپنی ہی بیوقوفی سے اپنا ہاتھ خراب کیا ہے ایک روز وہ بازار میں چلا جا رہا تھا۔ اس طرح کہ کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ اس میں عقل و شعور بالکل نہیں ہے۔ راستہ میں اس کو ایک بوڑھی عورت ملی اور دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس کے قریب آ کر کہنے لگی۔ کہ بیٹا اگر تم میرا کہنا مانو تو بہت فائدہ پا سکتے ہو۔ میرے بھائی نے کہا اماں بتاؤ تم کیا کہنا چاہتی ہو وہ بڑھیا بولی کہ کبھی تم نے کسی سے محبت کی ہے میرے بھائی نے کہا نہیں۔ لیکن چچی! کیا تم میرا کسی سے عشق کرا سکتی ہو؟ بڑھیا نے کہا کیوں نہیں۔ میرا احمق بھائی ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا چچی مجھے ایسی ترکیب بتاؤ کہ کوئی مجھ سے عشق کرنے لگے بڑھیا زیر لب مسکرائی اور میرے بھائی سے بولی کہ میرے ساتھ آؤ میں ایک حسین عورت سے تمہاری ملاقات کرا دوں گی جو تمہیں دینار و درہم بھی دے گی۔ میرا بھائی کہنے لگا۔ چچی! بظاہر تو مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں ہے کہ کوئی حسین عورت مجھے قبول کرے بڑھیا نے کہا کہ تمہیں حسین عورت کے پاس لے جا رہی ہوں۔ وہ عیش پسند ہے اسے روزانہ نیا مرد چاہیے اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ یوسف ثانی ہو۔ میرا بے وقوف بھائی لالچ میں آ کر بڑھیا کے ساتھ چلنے کو آمادہ ہو گیا بڑھیا مختلف

راستوں سے گزرتی ہوئی ایک بہت عالی شان مکان میں داخل ہوئی۔ اور میرے بھائی کو اشارہ کیا کہ تم باہر انتظار کرو۔ تھوڑی دیر بعد وہ بڑھیا آئی اور اس کو اندر لے گئی وہاں بہت سی نوجوان لڑکیاں اکٹھی تھیں۔ اور ناچ رنگ ہو رہا تھا ایک طرف عمدہ قسم کی مسند بچھی ہوئی تھی۔ اس پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ بڑھیا نے میرے بھائی کو لے جا کر پیش کیا تو وہ بہت مسکرائی اور اشارہ کیا کہ آگے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک حسین لڑکی شراب لے کر آئی اور ایک ایک جام سب کو دیا۔ لڑکیوں نے اپنے جام خالی کر کے واپس کر دیئے۔ میرا بھائی ابھی جام پی رہا تھا کہ وہ لڑکیاں ناچتی ہوئی۔ اس کے قریب آئیں اور طمانچے مارنے شروع کیے وہ گھبرا کر اٹھا تو بڑھیا نے قریب آ کر ہاتھ پکڑ لیا اور آہستہ سے کہا کہ یہ سب نشے میں مذاق کر رہی ہیں۔ تم صبر کے ساتھ بیٹھے رہو۔ عنقریب مطلب دلی حاصل ہو گا۔ میرا بھائی خاموش ہو گیا۔ وہ لڑکیاں تھوڑی دیر میں ناچتی کودتیں آتیں اور اس کی مرمت کر دیتیں۔ جب معاملہ حد برداشت سے باہر ہو گیا تو میرا بھائی قضا حاجت کے بہانے سے چلا۔ تاکہ یہاں سے نکلے۔ دروازہ کے قریب پھر وہی بڑھیا ملی اور کہنے لگی کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ یہ کھیل تو ختم ہو چکا۔ اب کامیابی کی منزل قریب ہے اور میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر واپس لے آئی اور ایک طرف بٹھا دیا۔ اتنے میں ایک جوان اور خوش رو عورت اس کے پاس آئی اور کہنے لگی اگر تم مجھ کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہنسی خوشی رہو۔ میں صرف ایسے مردوں کو پسند کرتی ہوں جو خوش دل اور مذاق پسند ہوں۔ رنجیدہ آدمی مجھے بہت برے معلوم ہوتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی اٹھو کھیل کود میں دلچسپی لو۔ ناچو۔ گاؤ۔ خود ہنسو، دوسروں کو ہنساؤ۔ یہ محفل عیش و عشرت ہے۔ تعزیت نہیں۔ میرا بھائی اس کی صورت اور اداؤں پر سو جان فریفتہ ہو گیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ میں ہر حکم کی تکمیل کو تیار ہوں اس نے ایک لڑکی کو اشارہ کیا اور کہا اس کو لے جا کر انسان بناؤ۔ وہ لڑکی میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں وہ خبیث بڑھیا بھی موجود تھی دونوں نے مل کر پہلے تو اس کو خوب شراب پلائی پھر کہا کہ تم نے دیکھ لیا کہ ہماری مالکہ تم کو کتنا چاہتی ہیں۔ اگر تم اس کو حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو اپنی داڑھی مونچھ کٹوا کر زنانہ لباس پہن لو۔ تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔ اور ہر وقت تم ان کے ساتھ رہ سکو۔ یہاں شاہانہ زندگی بسر ہو گی کھانے کو لذیذ اور پینے کو نفیس شرابیں۔ شب باشی کو خوبصورت نازنی۔ میرا بھائی اس وقت نشہ کے سرور اور معشوقہ

کے تصور میں ہوش وحواس سے بیگانہ تھا فوراً تیار ہوگیا۔ بڑھیا اور اس لڑکی نے مل کر داڑھی مونچھ صاف کیں زنانہ لباس پہنایا۔ پھر اس کو باہر لے آئیں۔ پہلے سب خوب ہنسیں کہ پیٹ میں بل پڑ گئے پھر اس حسین عورت نے گانے ناچنے کی فرمائش کی میرا بیوقوف بھائی ناچنے لگا۔ اس پر دیر تک قہقہہ پڑتے رہے۔ پھر وہ عورت اٹھی اور کہنے لگی۔ کہ کپڑے اتار کر میرے پیچھے دوڑو۔ جہاں تم مجھے پکڑ لو۔ میں تمہاری ہوں جو چاہے کرنا۔

میرا بھائی جوش و جذبات سے بے خود ہو رہا تھا۔ فوراً کپڑے اتار کر اس کے پیچھے بھاگنے لگا وہ عورت ایک دوسرے کمرے اور دالان میں دوڑی دوڑی پھرنے لگی۔ اور دوسری سب تالیاں بجا بجا کر ہنستی کودتی پھرتی رہیں آخر ایک کمرے میں آ کر وہ عورت غائب ہوگئی۔ میرا بھائی بھاگ کر دوسرے کمرے میں گیا وہاں اندھیرا تھا صرف ایک طرف روشنی تھی۔ ادھر جا کر دروازہ کھولا اتنے میں کسی نے پیچھے سے دھکا دیا اور دروازہ بند کر لیا۔ اس وقت وہ ایک گلی میں بالکل ننگا کھڑا تھا۔ گھبرا کر بھاگا۔ چند قدم پر وہ گلی ختم ہوگئی اور موچیوں کی بازار میں آ گیا وہاں لوگوں نے اسے دیکھا داڑھی مونچھ منڈی ہوئی۔ جسم پر لباس ندارد۔

بکبار کو شہر بدر کر دیا

ہر طرف سے شور برپا ہوگیا لڑکے دیوانہ دیوانہ کہہ کر چاروں طرف اکٹھے ہوگئے۔ وہ بھاگنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ لوگوں نے پکڑ لیا اور قاضی شہر کے سامنے پیش کیا۔ قاضی نے سو درے مروائے اور منہ کالا کر کے شہر سے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے گدھے پر سوار کر کے نکال دیا گیا جب مجھے واقعات معلوم ہوئے تو پوشیدہ طور پر اس کو اپنے گھر لے آیا۔ اور اب میں ہی اس کا کفیل ہوں۔ اے امیر المومنین! اب آپ خیال فرمایئے کہ میں کتنا دانا اور نیک انسان ہوں۔ اور میں کتنا بامروت ہوں میرا احسان یہاں پر ختم نہیں ہوتا۔ اب تیسرے بھائی کی کہانی سنیئے کہ میں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

حجام کے تیسرے بھائی کی داستان

میرا تیسرا بھائی اندھا ہے اور بھیک مانگتا ہے ایک روز کسی کے مکان پر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ الک مکان نے اوپر سے پوچھا کون ہے؟ لیکن اس نے جواب نہ دیا اور اپنے دل میں نے سوچا کہ اگر میں کچھ مانگا تو ممکن ہے ادھر سے ہی انکار کر دے نیچے آئے گا۔ تو میری معذوری یا حالت دیکھ کر شاید کچھ خیرات دے گا۔ تھوڑی دیر بعد پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ مالک مکان نے آواز دی کہ منہ سے بولو کیا کام ہے لیکن میرا بھائی پھر بھی نہ بولا۔ آخر مالک مکان نیچے آیا اور کہنے لگا کیا بات ہے؟ میرے بھائی نے کہا کہ بابا کچھ خیرات دو۔ مالک کو بہت غصہ آیا لیکن وہ خاموش رہا اور میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے گیا یہ اپنے دل میں خوش تھا کہ شاید وہ کھانا وغیرہ کھلائے گا اور کچھ نقد بھی دے گا اوپر پہنچ کر اس نے پوچھا کہ بتاؤ کیا کام ہے؟ میرے بھائی نے کہا کہ کچھ خدا کے نام پر دو۔ مالک مکان نے کہا تمہیں دعا دیتا ہوں کہ خدا تمہاری آنکھیں اچھی کر دے میرا بھائی بہت جھلایا اور کہنے لگے کہ آپ نے کچھ نہیں دینا تھا تو مجھے یہاں تک کیوں لائے؟ اس نے جواب دیا جب تم نے سوال ہی کرنا تھا تو تم نے اوپر سے کیوں بلایا۔ جب میں نے پوچھا تھا۔ اسی وقت مانگ لیتے۔ میرا بھائی خاموش ہوگیا۔ صرف اتنا پوچھا کہ مجھے راستہ بتا دو اس نے کہا زینہ تمہارے سامنے ہے چلے جاؤ۔ مجبور ہو کر وہ چلا اور زینہ اترنے لگا۔ ابھی چند سیڑھیاں اترا تھا کہ پیر پھسل گیا گرتا ہوا نیچے آن پڑا۔ تمام کمر چھل گئی بڑی مشکل سے اٹھا اور اپنی قسمت کو برا بھلا کہتا ہوا چلا۔ مالک مکان بھی اس خیال سے ساتھ ہوگیا کہ کہیں یہ حاکم شہر سے شکایت کرنے نہ چلا جائے راستے میں میرے بھائی کو دوسرے اندھے ساتھی ملے۔ اور سب حال سن کر کہنے لگا کہ جو ہونا تھا ہوگیا۔ ہمارے پاس روپیہ ہے تمہاری مرہم پٹی ہو جائے گی مالک مکان واپسی کا ارادہ کر رہا تھا لیکن روپیہ کا ذکر سن کر رک گیا اور خیال کیا کہ دیکھنا چاہیے ان اندھوں نے کتنی دولت جمع کی ہے اندھے وہاں سے سیدھے اپنے مکان پر آئے اور گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ مالک مکان ان کے ساتھ اندر آ چکا تھا اندھے اطمینان سے اپنی لکڑی

چاروں طرف گھمانے لگے جس کے بدن سے لاٹھی چھوٹی لاتی والا پوچھتا کون؟ دوسرا جواب دیتا۔ مالک مکان نے بھی وہاں پڑی ہوئی لکڑی اٹھالی۔ اگر کسی کے جسم پر رکتی تو وہ کسی دوسرے اندھے پر اپنی لکڑی رکھ دیتا اور اندھا میں کہہ دیتا اپنے نزدیک جب اندھے اطمینان کر چکے تو انہوں نے زمین کھود کر اپنا سرمایہ نکالا۔ پورے دس ہزار دینار نکال کر باقی دینار زمین میں دفن کر دیئے اور سب کھانے بیٹھ گئے وہ شخص جوان کے پاس آیا تھا۔ کھانے میں شریک ہوگیا۔ ابھی چند ہی لقمے کھائے تھے کہ ایک اندھا بولا۔ کہ آج تو کوئی غیر آدمی بھی کھانے میں شریک معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آج ایسی آواز آرہی ہے جو پہلے نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اندھوں نے چاروں طرف ہاتھ مارے اور مالک مکان کو پکڑ لیا پھر شور مچا دیا کہ چور ہمیں لوٹنے آیا ہے۔ آواز سن کر محلہ والے جمع ہو گئے۔ مالک مکان اس وقت اندھا بن گیا اور کہنے لگا کہ ہم نے مل کر دس ہزار جمع کئے ہیں جب تقسیم کا وقت آیا تو یہ لوگ حیل وحجت کرنے لگے اور اب مجھے چور بنا کر رقم ہضم کرنا چاہتے ہیں لوگ ان کو پکڑ کر قاضی شہر کے پاس لے گئے۔ قاضی صاحب نے کل حال دریافت کیا اور سختی کی تو اس نے کہا یہ سب مصنوعی اندھے ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دے کر بھیک مانگتے ہیں۔ آپ سب کو سزا دیجئے اصلیت سامنے آجائے گی۔ رہا روپیہ کا مسئلہ تو ہم نے برسوں بھیک مانگ کر دس ہزار جمع کئے تھے اور یہ سرمایہ ایک جگہ محفوظ دفن کر دیا تھا کہ جب ضرورت ہوگی آپس میں بانٹ لیں گے آج کھانے کے وقت میں نے اپنے حصے کے روپے مانگے تو ان لوگوں نے مجھے پکڑ کر شور کر دیا کہ یہ چور ہے قاضی کو یہ سن کر بہت غصہ آیا کہنے لگا کہ بے ایمانو! خدا کی دی ہوئی آنکھوں کا کفران کرتے ہو۔ اندھے کہنے لگے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہم سب حقیقی اندھے ہیں۔ مالک مکان نے کہا کہ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے حکم دیا کہ ان اندھوں کو درے لگائے جائیں۔ جلاد نے مارنے شروع کیے اور اتنی پٹائی ہوئی کہ اندھے بے ہوش ہوگئے۔ مالک مکان نے کہا حضور یہ شرم کے مارے کبھی اقرار نہیں کریں گے آپ ان کا روپیہ ضبط کر لیجئے۔ پھر دیکھئے دو تین دن میں سیدھے ہو جائیں گے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے مالک مکان کے ساتھ سپاہی بھیجے اور کل دینار مکان سے نکلوا کر ایک چوتھائی اس مالک مکان یا چور کو بطور اس کے حصے میں دے دیئے۔ باقی روپیہ بیت المال میں جمع کر دیا گیا۔ اور ان اندھوں کو شہر میں تشہیر کر کے نکال دیا گیا۔

جب مجھے یہ معلوم ہوا۔ تو میں اپنے اندھے بھائی کو تلاش کر کے لایا۔ تسلی تشفی دی۔ اب وہ میرے پاس رہتا ہے یہ کہانی سن کر اس نے خلیفہ سے عرض کی کہ حضور معاف فرمائیں کہ میں نے کتنے نیک کام کیے ہیں۔ اور میرے بھائیوں نے اپنی بری خصلت اور بیوقوفی سے کیا کیا خرابیاں پیدا کر لی ہیں خلیفہ نے کہا بیشک تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر حکم دیا کہ اس کو انعام دے کر رخصت کر دو۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ کہ میں ہرگز دربار سے نہیں جاؤں گا جب تک اپنے دوسرے بھائیوں کی حرکتیں بھی آپ کی خدمت میں عرض نہ کر دوں اور یہ ثابت نہ کرلوں کے میں ایک خاموش کم گو شخص ہوں۔ اور اسی لیے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح مصیبتوں میں مبتلا نہیں ہوا۔ میرا یہ یقین ہے کہ کم گوئی ہزاروں مصیبتوں سے بچاتی ہے۔ اب آپ میرے چوتھے بھائی کا قصہ سنیئے اور اس سے پہلے کہ خلیفہ کوئی حرف اعتراض کرے میں نے چوتھے بھائی کا قصہ سنانا شروع کیا۔

حجام کے چوتھے بھائی کی داستان

حضور غلام کا چوتھا بھائی ایک چشم تھا۔ اور بغداد میں قصاب کا کام کرتا تھا چونکہ وہ عمدہ قسم کے جانور ذبح کرتا تھا۔ اس لیے اس کی آمدنی معقول تھی۔ ایک روز ایک بوڑھا شخص گوشت لینے آیا اور بالکل نئے درہم دیئے میرے بھائی کو نئے درہموں کا بہت شوق تھا اس لیے اس نے الگ رکھ دیئے وہ بوڑھا پانچ ماہ تک روزانہ گوشت لینے آتا رہا۔ اور ہمیشہ نئے درہم دیتا رہا۔ میرا بھائی بھی ان درہموں کو الگ ہی رکھتا رہا۔ ایک روز اس نے درہم شمار کرنے کے لیے صندوقچی کھولی۔ تو اس میں کاغذ کے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہ تھا یہ دیکھ کر سر پیٹ لیا اور شور کرنے لگا اردگرد کے لوگ جمع ہوئے اور وجہ پوچھی تو اس نے سارا قصہ بیان کیا لوگ بہت حیران ہوئے مگر کیا کر سکتے تھے لوگوں نے کہا کہ بھائی صبر کر۔ میرا بھائی پیچ وتاب کھاتا ہوا دوکان پر آ بیٹھا اتفاقاً اسی وقت وہ بوڑھا آ گیا میرے بھائی نے اٹھ کر اس کی داڑھی پکڑ لی اور شور مچایا۔ بوڑھے نے کہا کہ تم شور نہ کرو۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے میرے بھائی نے ایک نہ سنی آخر چاروں طرف سے لوگ جمع ہو گئے اور بوڑھے سے پوچھنے

لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے اس نے کہا یہ جھوٹا ہے بلکہ یہ بے ایمان قصاب مردہ گدھوں اور کتوں کا گوشت بیچتا ہے۔ اگر تم لوگوں کو یقین نہ ہو تو اس کی دوکان میں اندر جا کر دیکھو لوگوں نے سمجھا کہ بوڑھا مذاق کرتا ہے لیکن کچھ لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو واقعی ایک گدھا اور ایک کتا لٹک رہا تھا لوگوں نے بوڑھے کو چھوڑ کر میرے بھائی کو مارنا شروع کیا۔ ہر طرف سے جوتے لاٹھی طمانچے پڑ رہے تھے لوگ بے تحاشا گالیاں دے رہے تھے۔ اسی دوران بوڑھے نے آگے بڑھ کر ایک مکا میرے بھائی کو مارا جس سے اس کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ لوگ پکڑ کر اس کو حاکم شہر کے پاس لے گئے اور کل ماجرا سنایا تصدیق کے بعد میرے بھائی کی کل جائیداد ضبط کر لی گئی اور حکم دیا کہ اس کو سو درے لگائے جائیں اور منہ کالا کر کے اونٹ پر بٹھا کر شہر سے باہر نکال دیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور میرا بے قصور بھائی شہر بدر کر دیا گا۔ اس عرصہ میں خدا جانے کہاں کہاں پھرا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دن شہر میں پہنچا۔ اور اس خیال سے باہر گیا کہ کچھ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے کا انتظام کرے۔ اس روز بادشاہ کی سواری نکل رہی تھی میرا بھائی ایک طرف تماشہ دیکھنے کو کھڑا ہو گیا جس وقت بادشاہ کی نظر میرے بھائی پر پڑی۔ اس نے اسی وقت گھوڑی کی باگ موڑی اور محل کو واپس چلا گیا اور جاتے ہوئے حکم دیا کہ اس یک چشم کو شہر سے باہر نکال دو سپاہی نے آ کر میرے بھائی کو گرفتار کر لیا اور لے کر چلا۔ تو راستہ میں بھائی نے اس سے پوچھا کہ میرا کیا قصور ہے۔

بادشاہ کی ناراضگی

سپاہی نے جواب دیا کہ بادشاہ کانے کو دیکھ کر بہت ناراض ہوتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کوئی کانا اس شہر میں رہے۔ میرے بھائی کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ سپاہی سے ہاتھ چھڑا کر ایک طرف بھاگا اور قریب ہی ایک کوچے سے ہوتا ہوا۔ کسی دوسری طرف جا نکلا اتفاقاً وہ جگہ ایک شخص کی ملوکہ تھی میرے بھائی کو دیکھ کر چند آدمی دوڑے اور کہنے لگے کہ یہ وہ چور ہے جو ہمارے آقا کے یہاں سے سب کچھ نکال کر لے گیا میرے بھائی نے ہر چند کہا کہ میں چور نہیں ہوں تلاشی لینے پر اس کے پاس سے وہ چھری بھی نکلی جو

قصاب ہونے کی وجہ سے وہ اپنے پاس رکھتا تھا شبہ پختہ ہو گیا چنانچہ اس کو قاضی کے سامنے پیش کیا گیا قاضی صاحب نے اسے آوارہ گرد قرار دے کر شہر بدر کر دیا۔ بغداد سے بھائی کے نکلنے کے بعد مجھے حالات کا علم ہوا اور اس کی تلاش میں اسی روز اس شہر میں پہنچا جہاں میرے بھائی کو اونٹ پر سوار کر کے شہر بدر کیا جا رہا تھا میرا بھائی زخموں سے چور تھا مجھے رحم آیا اور خاموشی سے اس کو اپنے ساتھ لیا اور رات دن سفر کرتا ہوا آخر بغداد پہنچ گیا اور اس کی ہر طرح سے دلجوئی کی اور اس کو بھی اپنے پاس رکھ لیا۔

امیر المومنین! میری یہ باتیں اور بھائیوں سے میرا یہ سلوک میری عقل مندی اور دانائی کو ظاہر کرتے ہیں اب میں پانچویں بھائی کا قصہ بیان کرتا ہوں۔

حجام کے پانچویں بھائی کی داستان

میرا پانچواں بھائی بہت ہی بیوقوف اور بے کار شخص ہے اپنی بے وقوفی کے باعث اس حد کو پہنچ گیا کہ اب فقیروں کی طرح گزر بسر کرتا ہے۔ باپ کے انتقال کے بعد اس کو ورثہ میں سو درہم ملے تھے چونکہ اس نے اتنا روپیہ نقد کی صورت میں کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ سوچتا رہا کہ اس روپیہ سے کام کیا کرے۔ آخر اس نے تجارت کا فیصلہ کر کے شیشے کا مال خرید کر بازار میں بیٹھ گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے میرا بھائی سوچنے لگا کہ یہ مال کم از کم سو درہم کا ضرور فروخت ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں پھر تھوک مال لاؤں گا اور یقین ہے کہ چار سو درہم مجھے حاصل ہو جائیں گے۔ اس طرح عام خیال میں اس نے حساب ہزار درہم تک پہنچا دیا اور خیال کیا کہ جب دس ہزار درہم اکٹھے ہو جائیں گے تو شیشہ کے بجائے جواہرات کی دوکان کر لوں گا اور مجھے امید ہے کہ اس طرح لاتعداد دولت فراہم ہو جائے گی۔ پھر میں ایک عالی شان محل تعمیر کراؤں گا۔ ہزار باندیاں اور غلام خریدوں گا گھوڑے گاڑیاں لوں گا۔ اور ایک بہت بڑے رئیس کی شایان شان زندگی بسر کروں گا اس وقت میری دولت و امارت کا شہرہ سارے بغداد میں ہو جائے گا پھر میں وزیر اعظم کے یہاں پیغام شادی بھیجوں گا۔ وزیر اعظم بڑے فخر سے اس رشتہ کو منظور کر لیں گے

میں بہت بڑی بارات لے کر جاؤں گا کھانے کے بعد غلام دینار اور درہم سے بھری ہوئی
تھیلیاں لاکر میرے سامنے رکھیں گے میں دس لاکھ دینار وزیر اعظم کو پیش کر کے کہوں گا کہ یہ
آپ کی صاحب زادی کا حق مہر ہے۔ وزیر اعظم اور حاضرین مجلس میری عالی حوصلگی دیکھ کر
دنگ رہ جائیں گے آخر وقت مقرر پر قاضی صاحب نکاح پڑھائیں گے۔ اور میں دلہن کو
لے کر اپنے محل میں آؤں گا۔ اس روز میرا محل دلہن کی طرح سجا ہوا ہو گا ہزاروں فانوس روشن
ہوں گے۔

غلام زرق برق لباس پہنے ہوئے ادھر ادھر پھر رہے ہوں گے۔ کنیزوں کی پوشاک
دیکھ کر امراء کی خواتین شرمندہ ہو جائیں گی میری دلہن اپنے حسن و جمال میں بے نظیر ہو گی
دور دور تک مشہور ہو گا کہ ایسا صاحب نصیب شخص آج تک نہیں دیکھا۔ جس کی بیوی حوروں
اور پریوں کے حسن کو شرماتی ہے۔ جس وقت حجلۂ عروسی میں داخل ہوں گا۔ تو اپنی بیوی کی
طرف توجہ نہیں کروں گا۔ آخر انتظار سے تنگ آکر وہ خود دست بستہ میرے سامنے کھڑی
ہو جائے گی میں صرف ایک نگاہ ڈالوں گا اور پھر منہ پھیر لوں گا کنیزیں میری بے رخی دیکھ کر
سمجھیں گی کہ شاید عروس کی تزئین میں کمی رہ گئی ہے۔ اور دلہن کو لے جائیں گی۔ مشاطہ پھر
سنواریں گی۔ نیا لباس بدلا جائے گا اس عرصہ میں میں بھی دوسرے کپڑے پہن لوں گا۔
دلہن آکر بیٹھے گی لیکن میں پھر بھی بے توجہی برتوں گا۔ میری منتیں کرے گی لیکن میں نظر تک
نہ اٹھاؤں گا اور منہ پھیر کر سو جاؤں گا۔ میرے سسر اور ساس آکر میری خوشامد کریں گے اور
عرض کریں گے کہ کنیز سے کیا گستاخی ہو گئی۔ جو آپ ناراض ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ
تا زندگی حکم عدولی نہیں کرے گی۔ آپ اس طرح اس کو اپنی نظروں سے نہ گرائیے۔ پھر وہ
سب ہاتھ باندھ کر میرے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اور دلہن کو حکم دیں گے کہ جام بھر کر
پیش کرو وہ جام شراب لائے گی میں رخ پھیر لوں گا۔ وہ میرے قدموں میں بیٹھ کر جام
میرے منہ سے لگائے گی اور میں غصہ کی حالت میں اس کے منہ پر چپت مار کر ایک لات
رسید کروں گا وہ دور جا گرے گی۔

امیر المومنین! جس وقت میرا بھائی یہ بکواس کر رہا تھا ایک راہگیر کھڑا ہو کر سننے لگا جس
وقت غصہ میں آکر میرے بھائی نے لات اور چپت ماری۔ چپت اپنے رخسار پر اور لات
شیشہ کے برتنوں پر پڑی۔ اور تمام برتن گر کر ریزہ ریزہ ہو گئے۔ راہگیر ہنس پڑا اور کہنے لگا

کہ اگر میں حاکم وقت ہوتا تو ایسی حسین دلہن کی ناقدری کی سزا میں تیری ننگی پیٹھ پر سو درے
لگواتا۔ اور شہر بدر کر دیتا۔

میرا بھائی اپنے نقصان کو دیکھ کر رونے لگا۔ راہ چلتے بہت سے آدمی اکٹھے ہو گئے اور
پوچھنے لگے کہ کیا ہوا جو راہگیر کھڑا تھا۔ اس نے سارا واقعہ سنایا۔ لوگ میرے بھائی کا مذاق
اڑانے لگے۔ لوگ عجیب عجیب طرح سے آوازیں کس رہے تھے حاضرین میں ایک امیر
عورت بھی تھی۔ اس کو میرے بھائی کی حالت پر رحم آیا۔ اور پانچ سو درہم دے کر کہا جاؤ گھر
میں بیٹھو میرا بھائی پانچ سو درہم پاکر خوش خوش چلا آیا اور گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔
تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اس نے اٹھ کر دروازہ کھولے تو یہ دیکھا کہ ایک بڑھیا
تسبیح لیے کھڑی ہے وہ میرے بھائی سے کہنے لگی مجھے نماز کو دیر ہو رہی ہے۔ اگر اجازت دو تو
میں چار فرض پڑھ لوں۔ میرے بھائی نے کہا بڑے شوق سے۔ بڑھیا اندر آئی اور وضو
کر کے نماز پڑھنے لگی۔ نماز سے فارغ ہو کر بڑھیا چلنے لگی۔ تو میرے بھائی نے اس کو دو
دینار پیش کیے اس نے انکار کیا اور کہنے لگی کہ میری مالکہ بہت کچھ دیتی ہے۔ بیٹا بات کہنے کی
نہیں میری مالکہ عیش پسند ہے اور میں اس کی رازدار ہوں اس لیے روپے پیسے کی مجھے کمی
نہیں ہے۔ میرے بیوقوف بھائی نے کہا کہ آپ کی مالکہ تک کیا میری رسائی نہیں ہو سکتی۔
بڑھیا نے کہا کیوں نہیں۔ اگر تمہارے پاس کچھ دینار ہیں تو میں تمہیں اسی وقت ملا سکتی
ہوں۔ رات وہیں گزارو اور صبح کو گھر چلے جاؤ میرا بھائی فوراً تیار ہو گیا۔ اور امیر عورت کی دی
ہوئی پانچ سو دینار کی تھیلی کمر میں باندھ کر بڑھیا کے ساتھ چلا گئی چکر دار راستوں سے گزر کر
وہ دونوں ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچے بڑھیا نے تین بار دروازہ کھٹکھٹایا تھوڑی دیر
میں کواڑ کھل گئے بڑھیا میرے بھائی کو لے کر ایک آراستہ کمرے میں آئی۔ اور اس کو وہاں
بٹھا کر باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت نوجوان عورت اندر آئی اور میرے بھائی
کے پاس بیٹھ گئی تھوڑی دیر کے بعد پیار و محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ کہنے لگی آؤ
دوسرے کمرے میں چلیں یہ تنہائی کی صحبتوں کے لیے موزوں جگہ نہیں ہے میرا بھائی اس کے
ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا وہاں پہنچ کر اس نے کہا تم بیٹھو میں کچھ شراب لے آؤں وہ
باہر گئی ہی تھی کہ دوسرے دروازہ سے ایک حبشی برہنہ شمشیر لیے ہوئے داخل ہوا اور میرے
بھائی پر حملہ کر دیا کئی گہرے زخم کھا کر وہ گر گیا۔ حبشی نے کل دینار چھین لیے اور چلا گیا۔ اس

کے بعد ایک کنیز آئی اور میرے بھائی کے زخموں پر نمک چھڑک کر ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ڈال گئی۔

ان لوگوں کے اندازہ میں تو وہ مر چکا تھا مگر اللہ کی تدبیر سب تدابیر پر غالب ہے خدا کی قدرت اس میں کچھ جان باقی تھی اور وہ نمک جو تکلیف دینے کی غرض سے ڈالا گیا تھا۔ مرہم ثابت ہوا۔ دو روز بعد میرے بھائی کی حالت اس قابل ہوگئی کہ وہ موقعہ دیکھ کر وہاں سے نکل بھاگا۔ اور سیدھا میرے پاس آیا میں نے بڑی محنت سے اس کے زخموں کا علاج کیا اور وہ خدا کے فضل سے تندرست ہوگیا۔ جب کچھ توانائی ہوگئی تو وہ بڑھیا سے انتقام لینے کو تیار ہوا۔ پہلے اس نے لباس تبدیل کیا اور بوڑھی عورت بن کر اپنے کپڑوں میں ایک تلوار چھپائی اور کچھ مٹی کے ٹکڑے تھیلی میں بھر کر ساتھ لیے۔ اس مکان پر پہنچا جہاں وہ لٹا تھا۔ اتفاقاً راستے میں وہی ملعون بڑھیا مل گئی جو اس سے پیشتر میرے بھائی کو اپنے ہاں لے گئی تھی۔ لیکن وہ اس لباس میں اس کو نہ پہچان سکی۔ میرے بھائی نے کہا کہ کیوں بہن! تمہارے یہاں ترازو مل جائے گی مجھے کچھ دینار تولنے ہیں وہ بڑھیا کہنے لگی۔ آیئے میں ترازو دوں میرا بھائی اس کے ساتھ گھر میں چلا گیا۔ وہاں جا کر بیٹا بیٹا کہہ کر آواز دی۔ اندر کے کمرے سے وہی حبشی نکلا جس نے میرے بھائی کو زخمی کیا تھا بڑھیا کہنے لگی۔ بیٹا ان کی اشرفیاں تول دو حبشی نے کہا میرے ساتھ آؤ بھائی بڑھیا کی تلاش میں تھا وہ اس وقت دوسرے کمرے میں تھی اسے قتل کیا اور اس حبشی کو بھی قتل کیا پھر اس حسینہ کو ڈھونڈا جو اس کو پہلی مرتبہ ملی تھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔ کہ جناب میں بے قصور ہوں۔ یہ لوگ مجھے اغوا کر کے لائے تھے۔ اور میں ہر وقت ان کے قبضے میں رہتی تھی۔ اس لیے مجبور تھی۔ جو حکم دیتے تھے تعمیل کرنی پڑتی تھی۔ میرے بھائی نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا میرے ساتھ چلو۔ وہ کہنے لگی یہاں بہت سا مال و اسباب ہے ایک گدھا لے آؤ۔ اس پر لاد کر لے چلیں گے یہاں کیوں چھوڑا جائے۔ میرا بیوقوف بھائی سمجھا کہ یہ ٹھیک کہتی ہے چنانچہ وہ گدھا لینے چلا گیا کچھ دیر بعد گدھا لے کر پہنچا تو مکان کھلا پڑا تھا اور وہاں کوئی نہ تھا میرے بھائی نے سوچا کہ جو کچھ اسباب آرائش موجود ہے۔ اس کو اٹھاؤ۔ چنانچہ وہ سامان آرائش باہر نکالنے لگا۔ محلے کے لوگوں نے دیکھا کہ غیر شخص مکان سے سامان لے جا رہا ہے انہوں نے پکڑ کر قاضی شہر کے سامنے پیش کیا میرے بھائی نے اپنے لٹنے کا حال بیان کیا۔ لیکن کسی کو یقین نہ آیا بلکہ اہل

محلہ نے کہا کہ وہاں تو ایک بڑھیا اور اس کی بیٹی رہا کرتی تھی۔ اور آج ہی وہ کسی ضرورت سے دمشق گئی ہیں۔ میرے بھائی نے خوف کی وجہ سے حبشی اور بڑھیا کے قتل کا قصہ بیان نہیں کیا۔ آخر قاضی صاحب نے درے لگوا کر بغداد سے نکال دیا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے رہا سہا مال بھی چھین لیا اور میرا بھائی بے یار و مددگار پھرنے لگا۔ اور جب مجھے اس کے نکال دیئے جانے کا واقعہ معلوم ہوا تو بمشکل اس کو ڈھونڈھ کر اپنے گھر لایا اور اب میں ہی اس کی خبر گیری کرتا ہوں۔

آپ اندازہ کیجئے کہ میں نے صرف اپنی شرافت سے مجبور ہو کر کتنی ذمہ داریاں اٹھا رکھی ہیں۔ اور آج تک کبھی زبان پر نہیں لایا۔ اور حضور کو بھی اختصار کے طور پر یہ احوال سنا رہا ہوں کہ آپ میرے متعلق منصفانہ فیصلہ فرما سکیں۔ اب میرے چھٹے بھائی کی داستان سنیئے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے صرف چھ بھائی ہیں۔ اگر اور بھی ہوتے تو میں ان کا قصہ بھی حضور کو سناتا اور اسی طرح ثابت کر دیتا کہ میں نے کم گوئی کا اصول اپنے لیے کیوں مقرر کیا ہے۔ خلیفہ مستنصر باللہ شاید آگے قصہ بیان کرنے کو منع فرمانے والے تھے۔ میں نے پھر دست بستہ عرض کی کہ حضور ایک بھائی کا قصہ باقی ہے وہ آپ کے علم میں ضرور آنا چاہیے۔ ورنہ شکایت ہوگی سب بھائیوں کا حال تو امیر المومنین کے گوش گزار ہوا۔ کہ ایک کا ذکر نہ ہوا۔ اور اپنی شہرت کے مدنظر اپنے اوپر اس قسم کا الزام نہیں لے سکتا۔

حجام کے چھٹے بھائی کا قصہ

میرا چھٹا بھائی کبک شاہ بالکل نکما اور بے کار شخص ہے۔ والد مرحوم کے ترکے میں اس کو بھی سو درہم ملے تھے۔ لیکن اس بے ہودہ نے سب سرمایہ اڑا دیا۔ اور محتاج ہو کر طفیلی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ جب کسی کے یہاں دعوت یا دوسری تقریب ہوتی کسی نہ کسی بہانہ سے آپ بھی پہنچ جاتا اور اگر کوئی ایسا موقعہ نہ ملتا تو اس کو سوال کرنے میں بھی عار نہ تھی۔ اکثر امراء شرفا کے یہاں جا کر بھیک بھی مانگ لیتا تھا ایک روز وہ کھانے کی تلاش میں کئی جگہ گیا۔ لیکن کہیں کامیابی نہ ہوئی۔

آخر میں وزیراعظم جعفر برمکی کے محل پر پہنچا اور خدام کی منت خوشامد کر کے جعفر کے حضور میں جا کر خاموش کھڑا رہا۔ برمکی نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور کیا کام ہے؟ میرے بھائی نے کہا بھوکا ہوں کچھ کھانا دلوا دیجئے۔ برمکی نے غلام کو آوازی دی اور کہا کہ ہاتھ دھونے کو پانی لاؤ۔ پھر خود اٹھ کر بغیر پانی کے فرضی طور پر ہاتھ دھونے شروع کر دیئے۔ ہاتھ دھو کر پھر آواز دی۔ کہ کھانا لاؤ۔ اور بغیر کھانے کے فرش پر بیٹھ کر اس طرح کی حرکتیں کرنے لگا جیسے کھانا کھایا جا رہا ہو۔ اور بار بار میرے بھائی سے کہتا رہا کہ تکلف نہ کرو۔ خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ کھانے کے بعد آواز دی کہ پھل لاؤ۔ اور پھر بغیر پھلوں کے پھل کھانے لگا اور میرے بھائی کو اشارہ کیا یہ سب تو بہت شیریں ہے۔ یہ انار کھاؤ بے نایاب ہیں انگور چکھے کیسے ہیں؟ میرے بھائی نے جھلا کر کہا کہ آپ مذاق کر رہے ہیں۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں اور آپ نے نام دنیا [illegible] چیزوں کے لیے۔ برمکی نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس طرح کے اشارے کرتا رہا۔

گویا چھلکے اور گٹھلیاں ایک طرف رکھ رہا ہے اس۔ کے بعد میرے بھائی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ آپ نے دیکھا مرغ کیسا نفیس تھا۔ یہ میری نئی لونڈی نے پکایا ہے۔ جو میں نے دس ہزار درہم کی خریدی ہے اور پھل میرے اپنے باغ کے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے سب چیزیں شوق و محبت کے ساتھ کھائیں پھر غلام کو آواز دے کر کہا کہ شراب لاؤ۔ چنانچہ فرضی شراب کا دور چلا۔ اور اس کی چسکی لیتا رہا۔ گویا حقیقتاً شراب ہی پی رہا ہے۔ میرے بھائی نے بھی تقاضا کیا کہ تکلف کی ضرورت نہیں آپ ہی کا گھر ہے خوب پیو میرے بھائی کو برمکی کے اس مذاق سے بہت غصہ آیا۔ اور اس نے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک طمانچہ مار دیا۔ برمکی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ یہ کیا حرکت ہے۔

میرے بھائی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ حضور شراب بھی تند تھی نشہ میں ہاتھ بہک گیا معافی چاہتا ہوں۔ یہ سن کر برمکی بے اختیار ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا کہ مدت سے مجھے ایسے آدمی کی تلاش ہے آج تم مل گئے۔ تمہیں اپنا معتمد و مصاحب بنا کے رکھوں گا۔

پھر اس نے غلام کو آواز دی اور کھانا منگوا کر میرے بھائی کو کھلایا اور محل ہی میں رہنے کی جگہ عطا فرمائی میرا بھائی برمکی کی مصاحبت میں رہنے لگا اور اس کی زندگی کے دن عید اور رات شب رات کی طرح بسر ہونے لگی۔ بیس دن عیش و عشرت میں گزر گئے اس کے بعد

برمکی کا انتقال ہو گیا۔ اور خلیفہ نے اس کی کل جائیداد ضبط کر لی میرا بھائی بھی برمکیوں کے دوسرے متعلقین و متوسلین کی طرح زیر عتاب آیا۔ اس کی بھی کل جائیداد حکومت نے لے لی۔ میرا بھائی جان بچا کر بھاگا۔ اور قافلہ کے ساتھ صبح کو روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ لوٹ لیا اور اہل قافلہ کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ میرے بھائی کو ایک بدو نے خریدا۔ وہ بڑا جابر تھا اور چھوٹے چھوٹے قصور پر بڑی سخت سزا دیتا تھا۔

لیکن بدو کی بیوی اس کی دل جوئی کرتی تھی۔ چند روز بعد میرے بھائی نے محسوس کیا کہ بدو کی بیوی مجھے دوسری نظروں سے دیکھتی اور تعلقات کی خواہاں ہے۔ میرا بھائی پارسا تو نہ تھا لیکن بدو کا خوف اس قدر غالب تھا۔ کہ اس عورت کے سب اشاروں کو نظر انداز کر جاتا۔ بدقسمتی سے ایک دن عورت نے کوئی اشارہ کیا اور میرا بھائی بھی مسکرا دیا۔ بدو نے دیکھ لیا۔ اس نے پہلے تو اتنا مارا کہ خود تھک گیا اور پھر میرے بھائی کے دونوں کان کاٹ کر ایک جنگل میں چھوڑ دیا۔ کچھ دن بعد جب زخم بھر گئے تو میرا بھائی سڑک کے کنارے بیٹھ کر بھیک مانگنے لگا۔ خبر ہوئی تو میں اس کے پاس پہنچا اور اس کو اپنے پاس لا کر رکھا اور اب تک میرے پاس ہے۔ بس امیر المومنین یہ میرے بھائیوں کے حالات ہیں۔

خلیفہ بہت ہنسے اور پھر بہت انعام و اکرام دے کر حکم دیا کہ تم فوراً بغداد چھوڑ دو۔ کیونکہ شہرت کے پیش نظر یہاں تمہیں خطرہ ہے۔ اور حکم دیا کہ اگر تم بعد میں بغداد میں دیکھے گئے تو مجبوراً تمہیں محبوس کرنا پڑے گا چنانچہ میں بغداد چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے سنا کہ خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔ تو پھر بغداد آ گیا اور اسی زمانہ میں مجھے اس نوجوان کی خدمت کا موقع ملا۔

جو اس وقت میرے متعلق آپ سے شکایت کر رہا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ دنیا سے نیک نامی ختم ہوتی جا رہی ہے اور نیکی کے بدلے بدنامی ہاتھ آتی ہے۔ میں آپ حضرات پر ہی انصاف چھوڑتا ہوں۔ غور کیجئے اگر اس موقع پر میں اس نوجوان کی مدد نہ کرتا تو اس کا کیا انجام ہوتا۔

درزی نے یہ قصہ بیان کر کے شاہ کاشغر سے عرض کیا کہ حضور! حجام کی یہ بکواس سن کر ہمیں یقین ہو گیا کہ غریب نوجوان صحیح کہتا ہے اور اتنا بے وقوف شخص شاید قرب و جوار میں نہ ہو گا جیسا کہ حجام ہے اس دعوت سے فارغ ہو کر میں اپنی دوکان پر گیا شام کو یہ کبڑا وہاں

آیا اور گانا بجانے لگا میں نے اسے اپنے گھر مدعو کیا۔ یہ تیار ہو گیا اس روز ہمارے ہاں مچھلی پکی تھی۔ اس نے بھوک کی وجہ سے جلدی جلدی کھانی شروع کی اور ایک کانٹا اس کے حلق میں اٹک گیا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس کو نکالوں۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی اور یہ کبڑا مر گیا میں نے خوف کی وجہ سے اس کو حکیم کے مکان میں رکھ دیا۔ اس کے بعد حکیم نے چکی والے کے گھر اتار دیا۔ چکی والا بازار میں کھڑا کر آیا اور وہاں سے فرنگی سوداگر ناکردہ گناہ میں پکڑا گیا۔ باقی واقعات حضور کے علم میں ہیں۔

بادشاہ نے درزی کی کہانی سن کر کہا کہ بے شک تمہارا قصہ اس کبڑے کے واقعات سے زیادہ عجیب ہے۔ اور میں تم کو معاف کرتا ہوں لیکن میں اس حجام کو ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو درحقیقت تمہاری سب کی معافی کا اصلی سبب ہے۔ اسی وقت سپاہی گئے اور تلاش کر کے حجام کو لائے۔ درزی نے حجام کو بتلایا کہ وہ کیوں بلایا گیا ہے اس کبڑے کی حکایت سنائی۔ حجام بولا کہ میں بھی اس کبڑے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ حجام کبڑے کی نعش کے قریب بیٹھ گیا۔ اور اس کو خوب ہلا کر دیکھا اس کے بعد اتنا ہنسا کہ آداب شاہی بھی بھول گیا۔

بادشاہ نے دریافت کیا تو بولا۔ حضور! اس کے قصاص میں اتنے آدمیوں کا قتل فرما رہے ہیں اور یہ کم بخت کبڑا زندہ ہے۔ میں ابھی آپ کے سامنے اس کا علاج کرتا ہوں۔ چنانچہ حجام نے پہلے تو اس کی گردن و سینہ کی مالش کی پھر ایک چمٹی سے اس کے حلق سے کانٹا نکال کر سب کو دکھایا۔ اس کے بعد ایک دو قطرے پانی اس کے حلق میں ڈالے چند ہی ساعت میں کبڑا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور سب کو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔

جب یہ کہانی ختم ہوئی تو دینازاد دیر تک تعریف کرتی رہی۔ اس وقت صبح ہو چکی تھی۔ شہرزاد نے کہا کہ اگر بادشاہ نے منظور کیا اور میں زندہ رہی تو کل ابوالحسن ابن بکا اور شمس النہار کنیز خلیفہ ہارون رشید کی داستان سناؤں گی جو اس سے بھی عجیب ہے۔ بادشاہ نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا آج بھی اس کو قتل نہیں کروں گا۔ اور ابوالحسن کا قصہ سنوں گا۔ شہرزاد کا باپ ہر روز سمجھتا تھا۔ کہ بیٹیوں کو آج قتل کر دیا جائے گا لیکن جب وہ دن گزر جاتا تو خدا کا شکر ادا کرتا اور سوچتا کہ ممکن ہے۔ اللہ پاک بادشاہ کے مزاج کی اصلاح فرما دے اور ہمیشہ اس کے لیے دعا بھی کرتا۔

ابوالحسن بکا اور شمس النہار

اگلی رات کو دینازاد نے اپنی بہن سے کہا کہ کل آپ نے ابوالحسن ابن بکا کا قصہ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا براہ کرم وہ سنایئے۔ شہرزاد نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو قصہ شروع کروں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ شہرزاد نے کہنا شروع کیا۔

خلیفہ ہارون رشید کے عہد حکومت میں ابوالحسن ابن طاہر ایک بہت بڑا عطریات کا تاجر تھا بغداد میں اس کی نیکی شرافت اور امارات کی شہرت تھی محلات شاہی میں بھی بلایا جاتا تھا۔ خلیفہ کے یہاں عطر و تیل نیز دوسری خوشبوئیں اس کی دوکان سے جاتی تھیں۔ شاہی رسوخ اور نیک نفسی کی وجہ سے ابوالحسن کا حلقہ احباب بھی کافی وسیع تھا۔ ابوالحسن ابن بکا شہزادہ ایران کے خاص دوستوں میں سے تھا۔ اور کبھی کبھی دوکان پر بھی آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک روز ابوالحسن ابن طاہر اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا ابن بکا سے بغداد کے دربار شاہی کے دلچسپ واقعات بیان کر رہا تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت دس کنیزوں کے ساتھ آئی اس کو دیکھ کر ابوالحسن بکا ادب سے کھڑا ہو گیا اور سلام کے بعد بیٹھنے کے لیے عرض کیا خدا جانے اتفاقاً اس عورت کے چہرے سے نقاب گر گیا۔ گو اس نے فوراً منہ پھیر کر برقعہ درست کر لیا۔ لیکن اس کی ایک نظر میں ابوالحسن ابن بکا دل دے بیٹھا تھا وہ عورت اس قدر حسین تھی کہ یوں محسوس ہوتی تھی گویا اس کے نقاب سے چھن چھن کر حسن کی شعائیں نکل رہی ہیں محبت کے دیوتا کا نشانہ سیدھا پڑا تھا ابن بکا نے یہ سوچا کہ یہ کوئی معزز خاتون معلوم ہوتی ہے۔ کہیں میری بے تابی محسوس نہ کرے اور میں یہاں بیٹھ کر اپنے قلب پر قابو نہ رکھ سکوں۔ وہاں سے اٹھا تو اس عورت نے ابوالحسن عطار معرفت کہلوایا۔ کہ آپ کا اس وقت جانا آداب مجلس کے خلاف ہے۔ کیا میرا آنا ناگوار گزرا ہے پھر ابن طاہر سے کہا کہ یہ کون ہے؟

اس نے جواب دیا کہ آپ ایران کے شہزادے ابوالحسن ابن بکا ہیں۔ وہ عورت کچھ دیر عطار سے آہستہ آہستہ گفتگو کرتی رہی۔ اس کے بعد ابن بکا پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر چلی گئی۔ ابوالحسن نے ابن بکا کو بتایا کہ یہ خلیفہ ہارون کی منظور نظر کنیز شمس النہار تھی۔ پھر کچھ

عرصہ خاموش رہ کر کہنے لگا کہ اگر میرا اندازہ بالکل ہی غلط نہیں تو مجھے اندیشہ ہے کہ آپ اس سے محبت کرنے لگے ہیں۔ ابن بکا نے ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ بے شک آپ کا خیال صحیح ہے۔ وہ ایک جھلک جو میں نے اس کی دیکھی تھی اس پر اپنا سب کچھ نثار کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ عشق میری جان لے لے گا۔ کیونکہ کہاں خلیفہ کی منظور نظر کنیز اور کہاں میں ایک ادنیٰ سوداگر۔ ابن طاہر نے اسے تشفی دیتے ہوئے کہا۔ کہ دوست یوں تو تم قسمت کے سکندر ہو شمس النہار بھی اپنا دل ہار گئی ہے اور چلتے ہوئے تاکید کر گئی ہے کہ جب میں کنیز بھیجوں تو اپنے ساتھ ان کو بھی لانا۔ لیکن مجھے فکر ہے کہ اگر تم دونوں میں سے کسی نے بھی کوئی ایسی حرکت کی۔ جس سے دوسروں کو شبہ ہو تو پھر بات خلیفہ تک ضرور پہنچ جائے گی۔ یہ گفتگو ابھی کر رہے تھے کہ ایک لونڈی نے آ کر عطار سے کہا کہ تم کو سامان لے کر شمس النہار نے بلایا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا تم چلو میں حاضر ہوتا ہوں۔ پھر عطر اور تیل کے کنستر ایک غلام کے سر پر رکھوا کر اور ابن بکا کو ساتھ آنے کو کہا۔ راستے میں پھر ابوالحسن ابن طاہر اپنے دوست کو سمجھاتا رہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو تم اس وادی خاردار میں قدم نہ رکھو مجھے اس کا انجام اچھا نظر نہیں آتا شمس النہار کتنی بھی کوشش کرے راز ظاہر ہو کر رہے گا اور پھر خدا ہی جانتا ہے کیا ہو۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے شاہی محل میں پہنچ گئے۔ حکام و پاسبان سب ابوالحسن کو جانتے تھے اس لیے بغیر کسی پرسش کے اندر چلے گئے۔ وہاں کنیزوں نے دونوں کو ایک آراستہ کمرے میں بٹھایا کمرے کی زیبائش دیکھ کر ابوالحسن محو حیرت ہو رہا تھا کہ ایک سمت کا پردہ ہٹا اور دس نہایت حسین و نازک اندام کنیزیں ہاتھ باندھ کر اندر آئیں پھر دوسری طرف کا پردہ بار دس ماہ تمثال حور کنیزیں اندر آئیں جن کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر ابن بکا مبہوت ہو گیا۔

سب کے بعد جمال شمس النہار بصد رعنائی وزیبائی دلوں کو پامال کرتی ہوئی آئی۔ سب نے سروقد کھڑے ہو کر سلام کیا۔ پھر حسب مراتب بیٹھ گئے شمس النہار نے لونڈیوں کو اشارہ کیا ساز چھڑ گئے اور طوفان نغمہ اٹھا حاضرین مجلس نقش بدیوار ہو گئے۔

ناچ گانے کی محفل

کنیز کا گانا سن کر ابوالحسن ابن بکا بے قرار ہو گیا۔ اشارہ کیا کہ میں گانا چاہتا ہوں۔ کنیزوں نے ساز ملائے ابن بکا نے ایک نہایت پر درد لہجے میں عاشقانہ غزل گائی۔ پھر شمس النہار نے گایا راگ کے سیلاب میں جذبات بہہ نکلے شمس النہار اٹھ کر خلوت میں چلی گئی۔ ابن بکا بھی پیچھے پیچھے گیا اور دونوں بے اختیار ایک دوسرے سے گلے لگ کر بے ہوش ہو گئے ابوالحسن نے اٹھ کر لخلخہ سنگھایا آہستہ آہستہ زدگان عشق کے ہوش و حواس درست ہوئے۔ ابھی دل کی باتیں زبان تک بھی نہ آنے پائی تھیں کہ ایک کنیز نے اطلاع دی کہ خواجہ سرا مسرور آیا ہے اور باریابی چاہتا ہے۔ ابن طاہر گھبرایا۔ لیکن شمس النہار نے کہا کہ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر خادمہ سے کہا کہ مسرور کو باتوں میں لگاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔ کنیز چلی گئی۔ شمس النہار نے دوسری کنیزوں کو جلد ہدایات دیں کہ دونوں کو یہاں سے کسی طرح نکالیں اور خود باہر آ کر مسند پر بیٹھ گئی۔ اشارہ پا کر مسرور اندر آیا اور ادب سے سر جھکا کر عرض کیا کہ امیر المومنین تشریف فرما ہونا چاہتے ہیں۔ شمس النہار نے کہا کہ خلیفہ کی خدمت میں میرا آداب پیش کر کے عرض کرنا۔ کہ کنیز سرفرازی کی منتظر ہے۔ مسرور چلا گیا۔ تو خود اٹھ کر ابوالحسن ابن بکا کے پاس آئی پھر گلے مل کر کہنے لگی کہ تم مطمئن رہو۔ شمس النہار کا دل ہر وقت تمہارے پاس رہے گا ابوالحسن باصد مسرت و یاس وہاں سے چلا اور ایک کنیز نے دنوں کو چور دروازے سے لب دجلہ پہنچا دیا۔ وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر دوسرے کنارے پر آ گئے ابن طاہر ابوالحسن کو اپنے ایک دوست کے مکان پر لے گیا۔ کیونکہ رات زیادہ ہو چکی تھی۔ دوست اس وقت ابوالحسن اور ابن عطار کو دیکھ کر متعجب ہوا۔ لیکن ابن عطار نے یہ کہا کہ یہ میرے دوست ابن بکا ہیں۔

دفعتاً ان کی طبیعت خراب ہو گئی ہیں ان کو یہاں لے آیا۔ دوست نے خلوص سے خوش آمدید کہا اور دونوں کے لیے انتظام آرام کر دیا۔ صبح کو جب ابن عطار اور ابوالحسن ابن بکا اپنے اپنے گھر جانے لگے تو چلتے ہوئے ابوالحسن بکا نے کہا میرے حال سے بے پرواہ نہ جائیے گا صرف آپ ہی کا سہارا ہے۔ ہاں اگر شمس النہار کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو مجھے

ضرور خبر کیجیے۔ ابن طاہر نے اس کو اطمینان دلایا کہ ہر وقت میں تمہاری خدمت کے لیے تیار رہوں گا۔

تیسرے پہر کو شمس النہار کی کنیز عطار کی دوکان پر آئی۔ اور ابن بکا کی خیریت دریافت کی ابوالحسن ۔نے کہا کہ وہاں سے آ کر ابوالحسن ابن بکا بہت بیقرار رہا۔ بڑی مشکل سے سمجھا کر اس کو گھر بھیجا ہے۔ کنیز کہنے لگی۔ کہ شمس النہار بھی بہت پریشان اور مضطرب حال ہے ہم کل سے برابر سمجھا رہی ہیں۔ لیکن اس کو سکون نہیں ملتا خلیفہ نے بھی اس کی حالت کے تغیر کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ آج صبح طبیب شاہی آیا۔ اور نبض دیکھ کر دوا تجویز کر گیا۔ خدا انجام بخیر کرے۔ مجھے مستقبل تاریک معلوم ہوتا ہے۔ ابن طاہر ابوالحسن کے مکان پر گیا۔ اور کنیز کی آمد کا حال سنایا اور ساتھ ہی سمجھاتا بھی رہا کہ صبر سے کام لو۔

اگر راز کھل گیا تو بہت ہی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ابوالحسن ابن طاہر اسے اپنے ساتھ لے کر ابن بکا کے مکان پر آیا خط دیکھ کر ابن بکا بہت خوش ہوا۔ دیر تک خط کو سینے سے رکھا۔ پھر جواب لکھ کر کنیز کو دے دیا۔ ابن طاہر نے رات کو لیٹ کر سارے معاملہ پر غور کیا۔ تو ہر طرف خطرات نظر آئے اس نے سوچا کہ شاہی منظور نظر کنیز کی خط و کتابت کبھی اور رنگ ضرور لائے گی۔ اور جب خلیفہ کو حالات معلوم ہو گئے تو معلوم نہیں کہ میرا حشر کیا ہو گا۔ چنانچہ اس نے ارادہ کر لیا کہ اس درمیان سے نکل جانا چاہیے لیکن دوسری طرف ابن بکا سے دوستی کا خیال آیا تھا ایک سچے دوست کی حیثیت سے اس کا فرض تھا کہ مصیبت کے وقت جو کچھ اس کی امداد کر سکتا ہو کرے۔ آخر وہ اسی فیصلے پر پہنچا کہ یہ شخص نازک صورت اختیار کیے بغیر نہیں رہے گا اور نتیجے میں جو تباہی آنے والی ہے اور اس کی برداشت سے باہر ہے اس لیے صبح کو اس نے ابوالحسن بکا کو ایک خط لکھا اور سب نشیب و فراز سمجھا کر اسے اطلاع دی کہ میں کچھ دن کے لیے بصرہ جا رہا ہوں۔

یہ خط ایک غلام کے ہاتھ روانہ کر کے خود سامان سفر باندھنے لگا۔ اسی دوران ابن طاہر کا ایک دوست جوہری آ گیا اور سفر کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ پہلے تو اس نے ٹالا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ وہ ابوالحسن ابن بکا کے بے تکلف ملنے والوں میں سے ہے اور ممکن ہے کہ میرے جانے کے بعد اس کو راہ راست پر لا سکے کل حالات بیان کر دیے۔ جوہری اس وقت تو خاموش ہو گیا۔ لیکن دوسرے وقت وہ ابن بکا کے پاس گیا اور اس سے ابن طاہر کے

جانے اور مفصل حالات سننے کا ذکر کیا۔

ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔ اگر ضرورت پیش آئے تو میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔
ابن بکا ابوالحسن عطار کے چلے جانے کی وجہ سے پریشان تھا۔ اس سہارے کو غنیمت سمجھا۔
اتفاقاً اس وقت شمس النہار کی کنیز خط لے کر آ گئی۔ اور جوہری یہ سوچ کر الگ چلا گیا کہ ممکن ہے کہ وہ میرے سامنے حالات بیان نہ کرے۔ تھوڑی دیر میں کنیز خط کا جواب لے کر چلی گئی۔ ابن بکا نے جوہری کو بلا کر بتلایا کہ کنیز بھی تم سے مطمئن نہیں ہے اگر ممکن ہو تو کسی وقت آپ خود بھی اس سے مل کر ہم راز بنانے کی کوشش کیجیے۔ جوہری وعدہ کر کے چلا گیا چار روز کے بعد کنیز پھر شمس النہار کا خط لے کر جا رہی تھی۔ جوہری اس کو دیکھ کر پیچھے ہو لیا اور گفتگو کرنے کے لیے مناسب موقع کا متلاشی رہا کنیز جلدی میں تھی۔
معلوم نہیں کس طرح خط اس کی جیب سے گر گیا، اور جوہری نے اس کو خط واپس دے دیا اور ساتھ بتایا کہ میں ابن بکا کا راز دار اور دوست ہوں۔ اگر اس وقت تمہارے تعاقب میں نہ آتا اور یہ خط کسی دوسرے کے ہاتھ لگ جاتا تو کسی کی خیر نہیں تھی۔ پھر کنیز کو کچھ انعام دیا۔ اور گفتگو کرتا ہوا۔ اس کے ساتھ ابن بکا کے گھر آیا۔ اس طرح کنیز کو اطمینان ہو گیا اور اس نے شمس النہار سے بھی اس کا ذکر کر دیا۔ شمس النہار جوش محبت میں ضروری احتیاط بھی بھول جاتی تھی۔ اس نے کنیز کی معرفت جوہری کو خلیفہ کے محل میں طلب کیا۔ جوہری نے کنیز کو سمجھایا کہ میرا محل میں جانا کسی طرح موزوں نہیں۔ ابن طاہر کا پرانا رسوخ تھا۔ اس کو سب جانتے تھے میں نیا آدمی ہوں اگر شبہات پیدا ہو گئے تو بڑی دقت پیدا ہو گی۔ اپنی مالکہ سے عرض کرو۔ میرا ایک مکان ہے جو میں نے دوست احباب کی ضیافتوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھیں تو میں وہاں انتظام کر دوں۔ ابن بکا بھی وہیں آ جائیں گے۔ اس طرح با آسانی ملاقات ہو سکتی ہے کنیز نے جا کر شمس النہار سے کہا وہ تیار ہو گئی۔
کنیز پھر واپس آئی اور اطلاع دے گئی کہ شام کو مالکہ آئیں گی جوہری نے حتی المقدور مکان کی آراستگی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بہت سا قیمتی سامان زینت احباب سے لا کر فراہم کیا ابن بکا کو بھی اطلاع کر دی کہ فلاں وقت شمس النہار آپ سے ملنے آئیں گے۔ ابن بکا تیار ہو کر آ گیا۔

شام تک دونوں دوست لوازم دعوت و آرائش مکان میں مصروف رہے۔ ابن بکا اپنے

جذبات سے مضطرب تھا بار بار آفتاب کی طرف دیکھتا اور اس کی سست روی پر دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتا۔ خدا خدا کرکے شام ہوئی حسب وعدہ شمس النہار دو کنیزوں کے ساتھ آئی۔ اور بچھڑے ہوئے دل ملے اور دنیا و مافیہا کو بھول گئے۔ تھوڑی دیر میں دسترخوان بچھا سب نے کھانا کھایا۔ جوہری کی ہمدردی اور مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ ابھی یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ باہر سے شوروغل کی آوازیں آئیں اور ایک غلام نے اطلاع دی کہ ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ مکان لٹ رہا ہے کئی آدمی مقابلہ میں مجروح ہو چکے ہیں۔ جوہری صورت حاصل دیکھنے کو باہر آیا تو خود بھی گر گیا اتنے میں ڈاکو مال واسباب لوٹ کر فرار ہو گئے جوہری مکان کی طرف آیا تو ایک غلام سے معلوم ہوا کہ ابن بکا اور شمس النہار کو گرفتار کر کے لیے گئے ہیں۔

ڈاکوؤں کا حملہ جوہری کے مکان پر

جوہری بہت پریشان ہوا۔ اور پھر شمس النہار کا اس کے مکان سے غائب ہونا احباب سے لایا ہوا سامان زینت لٹنا حکومت کی پوچھ پرسش کا خطرہ ان سب باتوں کو سوچ کر جوہری گھبرا گیا۔ اور دل میں کہنے لگا۔ ابن ظاہر نے اچھا کیا چلا گیا اور مجھ سے بڑا بیوقوف کون ہوگا جو خود اپنے سر پر مصیبت لایا۔ ڈاکے کی خبر مشہور ہوتے ہی کچھ احباب آ گئے اور جوہری کو تسلی وتشفی دیتے رہے۔ اتنے میں ایک غلام نے آکر اطلاع دی کہ ایک شخص تنہائی میں آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ جوہری اٹھ کر باہر گیا وہاں ایک اجنبی کھڑا تھا۔ وہ کہنے لگا آپ تنہا تھوڑی دور میرے ہمراہ چلیں۔ میں آپ کی ڈکیتی کے متعلق آپ کو کچھ اطلاعات دوں گا۔

جوہری اس اجنبی کے ہمراہ ہو گیا تھوڑی دور آکر اس نے کہا کہ مجھے ابن بکا اور شمس النہار نے بھیجا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ ان کی رہائی بھی ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ آپ کا کچھ اسباب بھی مل جائے آپ کی سلامتی کے لیے خدا کو حاظر ناظر کر کے قسم کھاتا ہوں۔

جوہری تن بتقدیر اس کے ساتھ چلا۔ دونوں دجلہ کو عبور کر کے دوسری طرف گئے اور

ایک تنہا مکان میں پہنچ کر اندر گئے تو دروازہ بند ہو گیا۔ وہاں دس آدمی بیٹھے تھے۔ انہوں نے جوہری کو باعزت بٹھایا۔ پھر کھانا پیش کیا اور کہنے لگے کہ آپ کے مکان پر جو حملہ ہوا تھا۔ اس میں ہم شریک تھے لیکن ابھی کچھ دیر ہوئی بعض ایسے حالات پیش آ گئے کہ ہم نے آپ کو تکلیف دی۔ اگر آپ بحلف ہمیں رازداری کا یقین دلائیں۔ تو ہم دونوں قیدی اور جو کچھ سامان اس وقت موجود ہے آپ کو واپس کرنے کے لیے تیار ہیں جوہری نے قسم کھائی اور وعدہ کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ابن بکا اور شمس النہار کو لا کر جوہری کے سپرد کیا۔ اور جو کچھ سامان موجود تھا۔ دے دیا۔ پھر ان لوگوں نے ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار کرایا اور کہا۔ کہ آپ لوگ تشریف لے جائیں۔ اور اپنے وعدے کو یاد رکھیئے گا ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے دوسرے کنارے آئے اور گھر کی طرف چلے ہی تھے۔ کہ کچھ سپاہیوں نے آکر گرفتار کر لیا۔ شمس النہار نے دستہ کے افسر کو بلا کر کچھ کہا وہ فوراً مودب ہو گیا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اور بحفاظت ان کے مکان تک پہنچا دو۔ ہم لوگ صبح کے قریب گھر پہنچے۔ اہل وعیال سب پریشان تھے۔ ہمیں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ شمس النہار دو سپاہیوں کے ہمراہ الگ چلی گئی۔ جوہری اور ابوالحسن پریشان تھے کہ دیکھیئے کیا ہو۔ اگر راز افشا ہو گیا تو خدا خیر ہی کرے۔ صبح کو شمس النہار کی کنیز آئی۔ جوہری نے حال دریافت کیا وہ کہنے لگی خدا نے بڑا فضل کیا راز چھپا رہ گیا ان سپاہیوں کے ملنے سے بہت خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن شمس النہار نے افسر کو کچھ دینار دے کر خاموش کر دیا سپاہیوں کو اس کی شخصیت کا علم ہی نہ ہوا۔ پھر اس نے دو

تھیلیاں اشرفیوں کی جوہری کو دے کر کہا۔ کہ یہ شمس النہار نے بھیجی ہیں آپ ان سے اپنے نقصان کی تلافی کیجئے۔ جوہری نے بڑا شکریہ ادا کیا۔ کنیز تو چلی گئی جوہری نے سب چیزیں خرید کر جس جس کا سامان لٹ گیا تھا۔ واپس کر دیا بعد میں وہ ابوالحسن کے پاس گیا اور کل حالات کی اطلاع دی۔ تین چار روز تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا۔

ایک روز جوہری اپنی دوکان پر بیٹھا تھا کہ وہی کنیز جو خطوط لایا کرتی تھی۔ گھبرائی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ آپ اور ابوالحسن اسی وقت کہیں چلے جایئے۔ منٹ کی دیر نہ کریں۔ شمس النہار کو خلیفہ نے طلب کیا ہے اور میں تمہیں اطلاع دینے آئی ہوں۔ جوہری کے ہوش اڑ گئے۔ دوکان بند کر کے بھاگا ہوا ابن بکا کے پاس گیا اور حالات بتائے۔ پھر دونوں تیز رفتار

گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر انبار کی طرف روانہ ہو گئے راستہ میں کچھ ڈاکو مل گئے۔ اور جو کچھ زاد راہ جلدی میں چلتے ہوئے لے آئے تھے۔ لوٹ لیا حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک اتروا لیے صرف ایک ایک پاجامہ ستر پوشی کے لیے پاس رہ گیا۔

پریشان و مضطرب ایک طرف چل دیئے متواتر صدمات اور شمس النہار کی گرفتاری کی اطلاع نے ابن بکا کو نیم جان کر دیا تھا۔ راستہ میں بیمار ہو گیا۔ مجبوراً ایک مسجد میں پڑ گئے۔ مسجد شہر سے کچھ دور بنی ہوئی تھی صبح کو ایک نمازی آیا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر حال دریافت کیا۔ جوہری نے لٹنے کا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ بڑے اصرار سے دونوں کو اپنے گھر لے گیا۔ اور ہر ممکن خاطر و مدارات کی۔

مسجد میں نیک آدمی سے ملاقات

اس نیک مرد کے مکان پر جا کر شہزادے کی تکلیف اور بڑھ گئی تیسرے چوتھے روز حالت خراب ہونے لگی تو ابن بکا نے جوہری کو بلا کر کہا کہ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ اپنی جان شمس النہار کی محبت میں دے رہا ہوں اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ بغداد جا کر میری والدہ کو اطلاع کر دینا۔ ممکن ہو تو مجھے بغداد ہی میں دفن کرنا جوہری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کی بے کسی کی موت پر بہت رنجیدہ ہوا۔

بہر حال جوہری نے ابن بکا سے وعدہ کر لیا تھا کہ تمہاری وصیت پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ اسی روز شہزادہ ایران ابن بکا کا انتقال ہو گیا۔ جوہری اپنے میزبان کے ہاں اس کی نعش امانت رکھ کر بغداد واپس آیا۔ اور پوشیدہ طور پر رات کو ابن بکا کے گھر پہنچا۔ اس کی والدہ کو سب حالات سنائے وہ غریب اپنے جوان بیٹے کی موت کی خبر سن کر بے ہوش ہو گئی۔

جوہری اگلے روز اپنے گھر میں تھا کہ ایک سیاہ پوش عورت آئی۔ جب اس نے برقعہ اتارا تو جوہری نے پہچانا کہ وہ شمس النہار کی ہمراز کنیز ہے۔ جوہری نے حال دریافت کیا تو وہ رو کر کہنے لگی کہ شمس النہار جب خلیفہ کے سامنے پیش ہوئی تو رونے لگی خلیفہ کو اس سے دلی محبت تھی۔

اس حال میں اس کو دیکھ کر رحم آ گیا اور اس کو معاف کر دیا۔ لیکن شمس النہار کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ وہاں سے آ کر بستر مرگ پر ایسی گری کے تیسرے روز انتقال ہو گیا۔ خلیفہ نے اس کا مقبرہ بنانے کا حکم دیا ہے اور میں اس کی منتظم ہوں۔ مجھے ابن بکا کے مرنے کی خبر مل چکی تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ دونوں عاشق و معشوق کو پہلو بہ پہلو دفن کیا جائے۔ جوہری نے کہا کہ اگر خلیفہ کو معلوم ہو گیا تو کیا ہو گا۔ کنیز نے کہا کہ اس کا میں نے انتظام کر لیا ہے تم صرف ابن بکا کی نعش منگاؤ۔ اور اس طرح ابن بکا کو شمس النہار کے پہلو میں دفن کر دیا گیا اور دونوں رفیق قیامت تک یک جا ہو گئے۔

شہرزاد نے جس وقت کہانی ختم کی۔ سپیدہ سحر نمودار ہو چکا تھا سب اٹھنے لگے شہرزاد نے دینازاد کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر میں قتل نہ ہوئی تو کل شہزادہ قمر الزمان ابن بادشاہ زمان کی عجیب و غریب کہانی سناؤں گی۔ بادشاہ محل سے باہر آیا۔ لیکن حکم قتل آج بھی ملتوی رہا۔

چین کی شہزادی

رات کو جب شہریار خلوت کدے میں آئے تو دینازاد نے بہن کو یاد دلایا کہ کل آپ نے قمر الزمان کی کہانی سنانے کو کہا تھا۔ اب سنائیے۔ بادشاہ نے بھی تائید کی۔ چنانچہ شہرزاد نے کہانی شروع کی۔

بحیرہ فارس سے بیس پچیس روز کی مسافت پر ایک جزیرہ ہے۔ تاریخ میں اس کا نام چندان لکھا ہے۔ وہاں کے بادشاہ کا نام شاہ زمان تھا۔ ملک آباد۔ رعایا شاد خدا کی دی ہوئی ہر نعمت موجود تھی۔ بادشاہ کے عدل و انصاف کا چرچا رعایا کے ساتھ عام تھا اور دور دور تک یہ مشہور تھا۔ دنیا جہان کے مصیبت زدہ لوگ وہاں آتے اور عادل شاہ کے زیر سایہ آرام و راحت حاصل کرتے۔ حکم یہ تھا کہ کسی ادنیٰ غریب کو بھی تنگ نہ کیا جائے۔ یہ سب ہوتے ہوئے بھی بادشاہ کے دل میں ایک خلش تھی۔ جو ہر وقت اسے پریشان رکھتی تھی۔ یعنی کوئی اولاد نہ تھی جو وارث تخت و تاج ہوتی۔ جب بادشاہ کا رنج و غم بڑھا تو اعیان سلطنت اور وزراء نے عرض کیا کہ آپ فقراء اور درویشوں کی خدمت کیجیے۔ ممکن ہے کسی کامل کی توجہ

سے آپ کی تمنا پوری ہو جائے چنانچہ بادشاہ نے ہر جگہ لنگر جاری کر دیئے۔ سرائیں بنوا دیں۔ کنویں کھدوا دیئے تا کہ کسی مسافر اور غریب کو تکلیف نہ ہو۔ جہاں کسی فقیر درویش کی اطلاع ملتی جاتا اور دعا کے لیے عرض کرتا آخر ایک دن بارگاہ خداوندی میں اس کے اعمال قبول ہو گئے۔ بادشاہ کو بیگم نے مژدہ سنایا کہ وہ امید سے ہیں۔

بادشاہ کو بے حد مسرت ہوئی اور اس دن کا انتظار کرنے لگا جب وہ وارث تخت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ نو ماہ گزرنے کے بعد بادشاہ کے یہاں ایک نہایت حسین وجمیل لڑکا پیدا ہوا۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے اور غرباء وفقراء کو اتنا دیا کہ مالا مال ہو گئے۔ مہینوں ملک میں جشن ومسرت رہا۔ بادشاہ ہر وقت خدا عزوجل کا شکر ادا کرتا کہ اس کی سب سے بڑی تمنا پوری ہو گئی اور شہزادے کا نام اس کے حسن وصورت کی مناسبت سے قمر الزمان رکھا گیا۔

جب شہزادے نے ہوش سنبھالا تو ہر فن کے استاد مقرر کر دیئے گئے۔ جو شہزادے کو تعلیم وتربیت دیتے تھے پندرہ سولہ سال کی عمر میں قمر الزمان تحصیل وعلوم وفنون سے فارغ ہو گیا۔ استادوں کو بے حد انعام واکرام دیا گیا بادشاہ کو اب اس کی شادی کی فکر ہوئی۔ چنانچہ اس نے قمر الزمان سے ذکر کیا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ کہ قبلہ وکعبہ اس سے تو مجھے معاف ہی فرمائیے۔ بادشاہ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ کیوں؟

شہزادے نے عرض کیا کہ میں نے عورتوں کی بیوفائی اور بدکرداری کے واقعات پڑھے ہیں اور میں عورت ذات سے بدگمان ہو گیا ہوں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ماں کے سوا کوئی اور عورت میری زندگی میں داخل ہو بادشاہ کو سن کر بہت ملال ہوا۔ لیکن اس نے سوچا کہ ابھی نوعمر ہے۔ کتابی علم کا طبیعت پر اثر ہے کچھ دنوں میں خود ہی درست ہو جائے گا۔
بادشاہ نے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا بیٹا تمہارا جواب میرے منشا کے خلاف ہے۔

لیکن میں تمہیں ایک سال کی مہلت دیتا ہوں۔ اس مسئلہ پر مزید غور کر لو۔ سال بھر گزر گیا بادشاہ نے شہزادے کو سر دربار بلا کر دریافت کیا کہ شادی کے متعلق اب تمہاری کیا رائے ہے۔ قمر الزمان نے عرض کیا وہی جو پہلے تھی۔

بلکہ اس عرصہ میں میں نے جو مطالعہ کیا ہے۔ اس نے میری رائے کو اور قوی کر دیا ہے۔ بادشاہ نے شہزادے کے انکار کو گستاخی پر محمول کیا۔ اور کہا کہ کوئی تادیب کی جائے۔

لیکن وزیر اعظم نے عرض کیا کہ آپ اس کو ایک سال سوچنے کے لیے مزید دیجئے۔ تاکہ یہ خوب سمجھ لے۔ یقیناً شہزادے کا مطلب عدول حکمی نہیں ہے بلکہ اس رائے کا ظہار ہے کہ جو کسی وجہ سے انہوں نے قائم کر لی ہے۔ وزیر اعظم کی سفارش پر ایک سال اور غور کرنے کی مہلت دے دی گئی۔ لیکن یہ سال بھی گزر گیا۔ اور قمر الزمان اپنی ضد پر اڑا رہا۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا اور شہزادے کو ایک پرانے افتادہ مکان میں قید کر دیا۔

یہ مکان مدت سے بند تھا اس کے متعلق طرح طرح کی افواہیں بھی مشہور تھیں۔ جن میں اصلیت بھی تھی۔ کیونکہ اس مکان میں میمون پری رہنے لگی تھی۔ جس زمانہ میں قمر الزمان کو قید کیا گیا وہ کہیں باہر گئی ہوئی تھی۔ جب واپس آئی تو خلاف معمول مکان میں روشنی دیکھ کر متعجب ہوئی۔ اور اس حصے میں پہنچی جہاں قمر الزمان قید تھا۔ اس وقت نصف شب گزر چکی تھی۔ اور شہزادہ محو خواب تھا۔ جیسے ہی میمون پری کی شہزادے پر نظر پڑی۔ اس کا حسن جمال دیکھ کر محو حیرت ہو گئی۔ پھر آگے بڑھی اور قمر الزمان کی پیشانی پر محبت سے بوسہ دیا۔ اور دل میں کہنے لگی کہ یہ تو بہت خوبصورت بلا ہے میں اس سے ضرور دوستی پیدا کروں گی۔ اس لیے شہزادے کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ آہستہ سے چادر اوڑھا کر کسی کام سے آسمان کی طرف پرواز کر گئی راستے میں ایک جن آتا ہوا ملا۔ پری نے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو۔ جن نے کہا چین سے آ رہا ہوں۔ وہاں شاہ چین کی لڑکی کو دیکھا سچ کہتا ہوں ایسی صاحب جمال عورت شاید روئے زمین پر نہیں ہو گی اب تک دید کی تمنا دل سے محو نہیں ہوئی۔

پری نے کہا ایسا ہی ہو گا۔ لیکن میں نے آج ایک ایسا خوش شکل نوجوان دیکھا ہے کہ اگر تم اس کو دیکھ لو تو اپنی شہزادی کو بھول جاؤ گے جن نے کہا کہ تم چین کی شہزادی دیکھو تو معلوم ہو کیا انسان اور کیا پری کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ بچاری آج کل قید میں ہے۔ کیونکہ شاہ چین اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ برابر انکار کر رہی ہے۔ اور کہتی ہے مرد بڑا بے وفا اور ہرجائی ہوتا ہے میں کبھی بھی اس کو اپنا شریک نہیں بناؤں گی۔

شہزادے کے پاس پری کی آمد

پری نے کہا تم خواہ مخواہ اپنی شہزادی کی تعریف کیے جا رہے ہو۔ اس کا فیصلہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ شہزادی کو گہری نیند سلا کر لے آؤ۔ اور میرے شہزادے کے برابر لٹا کر موازنہ کرو۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ حسین ہے۔ جن نے کہا منظور۔ لیکن میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم شرط ہار جاؤ گی۔ پھر جن اٹھ کر واپس چلا گیا اور ذرا سی دیر میں شہزادی کو لے کر اس مکان میں آ گیا۔ جہاں قمر الزمان سو رہا تھا۔ جن نے بھی شہزادے کو دیکھا اور آپس میں بحث کرنے لگے۔ پری کہتی قمر الزمان زیادہ خوبصورت ہے مگر جن کہتا شہزادی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ دونوں کسی کو بھی ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے قابل نہیں تھے۔ آخر پری نے زمین پر ٹھوکر ماری اسی وقت زمین شق ہوئی اور ایک لنگڑا کبڑا جن باہر نکلا۔ جن کے سر پر چھ سینگ تھے اور پری سے کہنے لگا۔ کیا حکم ہے؟ پری نے کہا کہ تم انصاف کرو کہ شہزادی اور شہزادے میں سے زیادہ خوبصورت کون ہے؟ لنگڑے جن نے کہا۔ ان کو برابر لٹا دو۔ تا کہ آسانی سے مقابلہ ہو سکے۔ چنانچہ ایک ہی پلنگ پر دونوں کو لٹا دیا۔ مگر پھر بھی وہ مقابلہ نہ کر سکا۔ مجبور ہو کر کہنے لگا۔ یوں تو کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا۔ دونوں ایک دوسرے سے زیادہ حسین ہیں میرے خیال میں ان کو باری باری جگاؤ۔ پھر دیکھو اگر شہزادی زیادہ تر عشق کا خیال کرے تو شہزادی زیادہ حسین ہے۔

شہزادی، شہزادہ جن اور پری

جن اور پری نے یہ تصفیہ منظور کر لیا۔ جن نے شہزادی کو گہری نیند سلا دیا۔ اور پری نے مچھر بن کر شہزادے کے ہونٹ پر کاٹا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور پھر اپنے برابر ایک حسین نوجوان عورت کو لیٹا ہوا دیکھ کر متعجب ہوا۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ شاید والد میری شادی اس سے کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی لیے میرے پاس لائی گئی ہے۔ میں اس کو دیکھ لوں۔ پھر

اس نے شہزادی کو دیکھا اور ہزار جان سے اس پر عاشق ہو گیا۔ اور افسوس کرنے لگا کہ میں بھی کتنا بے وقوف ہوں جو ایسی حور جمال لڑکی سے شادی کرنے سے انکار کر رہا ہوں۔ صبح کو ہی والد کے پاس اطلاع بھیج دوں گا۔ کہ رات کو آپ نے جو عورت مجھے دکھائی ہے میں اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں اس کے بعد بے تاب ہو کر چاہا کہ اس کو خوب پیار کروں۔ لیکن اس خوف سے رک گیا کہ کہیں والد صاحب چھپ کر میری ان حرکات کو نہ دیکھ رہے ہوں۔ لیکن نظر ایک لمحہ کے لیے شہزادی کے چہرے سے نہ ہٹائی اور نگاہوں ہی نگاہوں میں اس کے رخ روشن کی بلائیں لیتا رہا۔ پھر اپنی انگوٹھی شہزادی کو پہنا دی اور اس کی آپ پہن لی۔ اتنے میں پری نے شہزادے کو گہری نیند سلا کر چین کی شہزادی کو جگا دیا۔ شہزادی نے اٹھ کر ایک نوجوان حسین کو پہلو میں دیکھا بڑی پریشان ہوئی لیکن قمر الزمان کے جمال بے مثال کو دیکھ کر اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گئی۔ اور دل میں سوچنے لگی کہ میں بڑی نادان ہوں کہ والد اس نوجوان سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اور میں انکار کر کے قید کی مصیبت اٹھا رہی ہوں۔ پھر اپنی انگوٹھی کو بدلا ہوا دیکھ کر اس کو مزید یقین ہو گیا کہ یہی میرا ہونے والا شوہر ہے شہزادی نے قمر الزمان کو جگانا چاہا۔ لیکن وہ پری کی سلائی گہری نیند سو رہا تھا۔ بیدار نہ ہوا۔ جوش جذبات میں بے اختیار ہو کر اس نے شہزادے کو چوم لیا۔ جن نے اسی وقت شہزادی کو بھی سلا دیا۔ پھر دونوں جن و پری ظاہر ہوئے پری کہنے لگی کہ تم نے دیکھ لیا میرا شہزادہ زیادہ حسین ہے۔ جن خاموش ہو گیا۔ اور شہزادی کو چین میں اس کے مکان پر پہنچا دیا۔

صبح کو جب شہزادہ بیدار ہوا تو شہزادی موجود نہ تھی۔ اس نے خیال کیا کہ والد نے واپس بلا لیا ہو گا۔ پھر منہ ہاتھ دھو کر تلاوت میں مصروف رہا۔ جب اپنے معمولات ختم کر چکا تو غلام کو بلایا۔ اور اس عورت کی نسبت دریافت کیا۔ جو رات کو اس نے دیکھی تھی۔ غلام نے حیران ہو کر کہا۔ کہ شاید آپ نے خواب دیکھا ہے۔ کیونکہ یہاں تو نہ کوئی آیا نہ گیا۔ شہزادے نے اس کو دھمکایا تو اس نے کہا میں جا کر پوچھتا ہوں۔ ممکن ہے میری لاعلمی میں رات بادشاہ نے کسی کو بھیجا ہو۔ چنانچہ وہ شاہزمان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا شہزادے نے ایک عورت کی نسبت سے مجھ سے دریافت فرمایا ہے جو رات کو ان کے پاس لائی گئی تھی۔ مجھے تو کوئی علم نہیں کیا حضور نے کسی کو بھیجا تھا؟ شاہزمان بھی متعجب ہوا۔ اور اسی

وقت وزیر اعظم کو بلا کر دریافت حال کے لیے قمرالزمان کے پاس بھیجا۔ وزیر نے واقعات پوچھے تو اس نے جو ماجرا دیکھا تھا۔ بیان کر دیا۔ وزیر نے کہا کہ آپ اطمینان سے غور فرمائیے۔ ممکن ہے خواب سے واقعات حافظہ پر رہ گئے ہوں اور جہاں تک مجھے علم ہے آپ کے پاس کوئی لڑکی نہیں لائی گئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے انکار پر اب تک بادشاہ کی نظر انتخاب بھی کسی لڑکی پر نہیں پڑی ہے۔ شہزادے نے اپنی انگلی کی بدلی ہوئی انگوٹھی دکھائی۔ اس کی وضع قطع ایسی عجیب تھی۔ کہ اس جزیرے میں اس سے پیشتر ایسی انگوٹھی دیکھی ہی نہیں تھی۔ یہ انگوٹھی دیکھ کر وزیر بھی حیران رہ گیا۔ چنانچہ بادشاہ کو بلایا۔ شاہزمان نے کل حالات سنے۔ انگوٹھی دیکھی تو وہ شش وپنج میں پڑ گیا۔ سب پریشان تھے کہ یہ کیا اسرار ہے قمرالزمان نے وزیر کی معرفت اپنے والد کی خدمت میں عرض کر دیا۔ اگر وہ لڑکی نہ ملی تو میری زندگی دشوار ہے۔ میں [illegible] اس کے بغیر جینا بے کار سمجھتا ہوں۔ شاہزمان نے شہزادے کو اطمینان دلایا کہ ہم اسے ضرور تلاش کریں گے۔ پھر اس کو لب دریا ایک قصر میں بھیج دیا اور خود وزیر اعظم سے مشورہ کرنے لگا۔

دوسری طرف چین میں صبح کو شہزادی اٹھی تو شہزادے کو نہ پا کر بے قرار ہوگئی۔ کنیزوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور عرض کیا کہ آپ کیسی باتیں فرماتی ہیں یہاں کس کی مجال ہے کہ قدم رکھ سکے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ نے خواب دیکھا ہے۔ شہزادی نے کہا تم مجھے بیوقوف سمجھتی ہو۔ یہ انگوٹھی دیکھو۔ کیا یہ میری ہے۔ کنیزیں انگوٹھی دیکھ کر حیران ہوئیں۔ چنانچہ انہوں نے جا کر ملکہ چین کو سارا حال سنایا ملکہ دوڑتی ہوئی بیٹی کے پاس آئی۔ اور حالات سن کر پریشان ہوگئی۔ بادشاہ کو بلایا۔

اس نے کہا یہ سب دماغی خرابی کا اثر ہے۔ اس کی چند روز نگرانی کرو۔ میں اطباء کو بلاتا ہوں طبیب آئے دوائیں تجویز ہوئیں۔ لیکن شہزادی برابر اصرار کرتی رہی کہ آپ خواہ مخواہ مجھے بیمار بنا رہے ہیں میں بالکل تندرست ہوں۔ لیکن کسی نے اس کی بات پر توجہ نہ دی۔

دو چار روز بعد شہزادی کا غصہ بڑھ گیا اور وہ کنیزوں کو معمولی معمولی باتوں پر مارنے لگی والدین کو اس سے، اور بھی قوی شبہ ہوگیا کہ اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ حالانکہ اس کی یہ جھنجھلاہٹ پیدا شدہ حالات کا قدرتی نتیجہ تھی۔

بادشاہ نے بہت علاج کرائے۔ لیکن اس کی حالت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ مجبور ہو کر

اس کا عام اعلان کر دیا کہ جو کوئی شہزادی کا علاج کر کے تندرست کر دے گا اس کے ساتھ میں اپنی لڑکی کی شادی کر دوں گا اور وہی میرا وارث تاج وتخت ہوگا۔ لیکن ناکامی کی صورت میں قتل کر دیا جائے گا بہت سے معالج لالچ میں آئے۔ لیکن قتل کر دیئے گئے۔ اور ان کے سر قلعہ کی دیواروں پر لٹکا دیئے گئے تاکہ علاج کا ارادہ کرنے والے انجام کا اندازہ کر لیں۔

شہزادی کی دایہ کا لڑکا رضائی بھائی ان دنوں کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ جب گھر پہنچا تو کل حالات معلوم ہوئے یہ بھی سنا کہ شہزادی پاگل ہوگئی ہے۔ اور کسی کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس نے اپنی ماں سے کہا کہ میں اپنی بہن کو ایک دفعہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے وہ اپنی حقیقی بہنوں سے زیادہ عزیز ہے۔ جب سے اس کا حال سنا ہے۔ طبیعت پریشان ہے۔ ماں نے پہلے تو منع کیا۔ لیکن اس کے مجبور کرنے پر ایک روز ماں اسے زنانہ لباس پہنا کر اپنے ساتھ لے گئی۔ شہزادی نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور بڑی محبت سے کہنے لگی۔ آؤ مہربان بھائی اچھے ہو۔ مہربان نے رو کر حال دریافت کیا تو شہزادی نے تمام واقعات بیان کیے۔ انگوٹھی دکھائی۔ پھر کہنے لگی کہ مجھے اچھی بھلی کو ان لوگوں نے خواہ مخواہ دیوانہ مشہور کر دیا ہے۔ مرزبان نے بہن کو تسلی دی اور کہا کہ تم ضبط وصبر سے کام لو میں تمہارے شہزادے کی تلاش میں جاتا ہوں۔ یا تو اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ یا اپنی بہن کی خدمت گزاری میں جان دے دوں گا۔ وہاں سے ماں کے ساتھ پھر واپس آیا اور سامان سفر باندھ کر نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔

مہربان مختلف ملکوں اور شہروں میں گھومتا پھرتا رہا۔ لیکن کوئی خبر ایسی سننے میں نہ آئی جس سے وہ منزل کا سراغ لگا سکتا۔ اس نے اپنی طبعی ذہانت سے اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ جس شخص کو شہزادی نے دیکھا ہے وہ کسی ملک کا شہزادہ ہے۔ شہزادی کے ہاتھ میں جو انگوٹھی تھی وہ بہت قیمتی تھی اور اس کے نگینے میں کچھ مخصوص نشانات بھی ایسے تھے۔ جو اکثر بادشاہوں کے یہاں ہی دیکھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مہربان کو یقین تھا کہ جس قسم کے غیر معمولی واقعات نے شہزادی کو دیوانہ مشہور کر دیا ہے اس سے ملنے جلنے کے لیے اس شہزادے کے حالات بھی مشہور ہوں گے۔ جس کی اسے تلاش تھی۔ تین چار ماہ کی جدوجہد کے بعد وہ ایک روز ایسے جزیرے میں پہنچا۔ جہاں اس نے شہزادہ قمرالزمان کے حالات سنے اور سمجھ گیا کہ میں صحیح جگہ پر آ گیا ہوں۔ اور اب کامیابی یقینی ہے۔ چنانچہ وہاں سے وہ

جزیرہ چندان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہفتوں بری و بحری سفر کرتا ہوا۔ جزیرہ مذکور میں پہنچا۔ لیکن جس وقت اس کا جہاز کنارے پر پہنچنے والا تھا۔ ایک موج بے پناہ نے اسے پاش پاش کر دیا۔ قمر الزمان اس وقت اپنے ساحلی محل میں ہی تھا۔ اور اس کے والد شاہ زمان بھی بیٹے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس جہاز کی تباہی کا علم جب انہیں ہوا تو بنفس نفیس بادشاہ نے اسی وقت دریا میں کشتیاں ڈلوا دیں۔ اور جتنے آدمیوں کو بچایا جا سکتا تھا۔ بچا لیا۔ خوش قسمتی سے انہی میں مہربان بھی تھا۔ بادشاہ نے ازراہ ہمدردی ان لوگوں کو اس محل میں ٹھہرا دیا۔

جہاز کی تباہی اور مرزبان کا نکالا جانا

جہاں قمر الزمان مقیم تھا۔ مہربان نے شہزادے کو دیکھا تو دل میں دعا کرنے لگا کہ خداوند میری محنت بار آور ہو۔ اور یہ وہی شہزادہ ہے جس کی مجھے جستجو ہے سمندر میں گرنے کے صدمے سے جب یہ لوگ بحال ہو گئے تو قمر الزمان دریافت حال کے لیے ان کے پاس آیا اور سب سے خیر و عافیت دریافت کی تو مہربان نے بہت ہی فصاحت و بلاغت سے گفتگو کی۔ اور شہزادے کو اپنے سفر کے دلچسپ واقعات سنائے۔ قمر الزمان اس سے بہت خوش ہوا۔ پھر چلتے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو مہربان نے شہزادی بدر البدر کی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہچان لی اور دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور منزل مقصود تک آ پہنچا۔ شہزادے کی مہربان کی باتیں ایسی پسند آئیں کہ اس کو وہیں ٹھہرا لیا۔

چند روز میں مہربان نے ملازموں کی زبانی سب واقعات معلوم کر لیے اور پوری تصدیق ہو گئی کہ یہی وہ شہزادہ ہے۔ جس کے لیے میری رضائی بہن دیوانی مشہور ہو گئی ہے۔ دوران قیام میں مہربان نے قمر الزمان کو بہت عجیب و غریب حکایات سنائیں۔ اور آہستہ آہستہ اس کا اعتماد حاصل کر لیا۔

آخر ایک روز تنہائی میں قمر الزمان سے شہزادی بدر البدورا حال بیان کیا۔ اور اس کی انگوٹھی کی تفصیلات بتائیں۔ قمر الزمان کی شدت جذبات مہربان سے لپٹ گیا۔ اور شہزادی کی خیریت معلوم کی۔ اس نے بتایا کہ وہ تو آج کل دیوانگی کی حالت میں ہے اور ہر وقت

تمہارے لیے بے قرار رہتی ہے اس کے لیے والد شاہ چین نے اعلان کر دیا ہے کہ جو کوئی شہزادی کا علاج کرے گا۔ اسی کے ساتھ شہزادی کی شادی کر دوں گا۔ اور اپنا وارث سلطنت بنا دوں گا۔

قمر الزمان اپنی محبوبہ کی خبر معلوم کر کے بے حد مسرور ہوا۔ اس کی ہر وقت کی پژمردگی جاتی رہی۔ زندگی کے لیے نئے ولولے پیدا ہو گئے شاہ زمان اصل حالات سن کر بے حد خوش تھا کہ اس مسافر کی آمد نے لڑکے کی کایا پلٹ دی چنانچہ وہ مہربان کا پہلے سے زیادہ خیال کرنے لگا۔ ایک روز مہربان نے قمر الزمان سے کہا کہ چین چلنے کی فکر کیجئے۔ ورنہ بدر البدورا زندہ نہیں ملے گی۔ شہزادہ سن کر یہ کہنے لگا کہ مجھے خود ایک ایک لمحہ بھاری ہو رہا ہے۔ لیکن ڈرتا ہوں کہ والد اجازت نہیں دیں گے۔ تم ہی بتاؤ کہ کیا کروں؟

مہربان نے کہا کہ آپ یہاں سے سیر و شکار کے بہانے نکل چلیے۔ ہمراہیوں کو راستہ میں چھوڑ دیں گے اور ہم دونوں چین روانہ ہو جائیں گے۔ راہ میں کچھ ایسے نشانات پیدا کریں گے کہ تلاش کرنے والے سمجھیں گے کہ ہم کسی درندے کا شکار ہو گئے ہیں۔ قمر الزمان نے اس تجویز کو پسند کیا اور والد سے شکار کی اجازت لے کر شہر سے روانہ ہو گیا۔ جنگل میں پہلے سے ہی چند گھوڑوں کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ موقعہ پا کر شہزادہ اور مہربان ملازمین سے الگ ہو کر چین کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک فاضل گھوڑے کو ذبح کر کے اپنے چند کپڑے اس کے خون میں تر کر کے ڈال دیئے اور گھوڑے کو دور ایک جگہ چھپا دیا تا کہ تعاقب کرنے و لے مایوس ہو کر لوٹ جائیں۔ یہ دونوں منزل بمنزل تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ شوق کا یہ عالم تھا کہ پر لگا کر اڑ جائیں۔ غرض طویل اور تھکا دینے والا سفر ختم ہوا۔ اور قمر الزمان مہربان کے ساتھ چین پہنچ گیا۔

قمر الزمان بے تاب تھا کہ ابھی محبوبہ تک جا پہنچوں۔ لیکن مرزبان نے سمجھایا کہ ہم کو کام قاعدے سے کرنا چاہیے تا کہ کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔ پہلے بدر البدورا کو اطلاع دیتا ہوں کہ شہزادہ آ گیا۔ پھر آپ طبیب بن کر اس کا علاج کرنے جائیے۔ وہ تندرست ہو جائے گی۔ اور بادشاہ حسب وعدہ سے اس کا عقد کر دے گا اس طرح مقصود حاصل ہو جائے گا۔ قمر الزمان نے کہا بہتر ہے۔ جس طرح تم کہو گے ویسا ہی کروں گا قمر الزمان کو ایک آرام دہ سرائے میں ٹھہرا کر مہربان اپنے گھر گیا اور ماں سے کہا کہ آپ بہن سے جا کر کہہ دیجئے کہ

میں آپ کے شہزادے کو لے آیا ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ اپنی بہن سے سرخرو ہوا۔ کل اس کو بصورت حکیم بھیجوں گا تم تندرست ہو جانا بطور نشان وہ تمہارے پاس انگوٹھی بھیجے گا دریچہ سے اس کو دیکھ کر مزید اطمینان کر لینا چاہیے پھر خدا چاہے۔ بادشاہ حسب منشا نکاح کر دے گا۔

دایہ نے یہ خوشخبری بدرالبدر کو دی وہ نہایت خوش ہوئی اور اسی وقت سربسجود ہو کر خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا۔ دوسرے روز حسب تجویز قمرالزمان طبیب بن کر شاہی محل میں پہنچا اور اطلاع کرائی کہ میں شہزادی کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ افسر محلات نے اس کی نوعمری اور خوبصورتی کو دیکھ کر سمجھایا۔ کہ صاحبزادے کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہو رہے ہو۔ بہت سے بڑے بڑے طبیب آئے اور اسی حسرت میں قتل کیے گئے۔ مجھے تمہارے حسن و جوانی پر رحم آتا ہے خدا کے لیے واپس جاؤ اور اس خیال خام کو چھوڑ دو لیکن شہزادہ بضد رہا۔ مجبور ہو کر افسر متعلقہ نے وزیراعظم اور شاہ چین کو اطلاع دی کہ نوعمر حکیم آیا ہے۔ اور شہزادی کا علاج کرنا چاہتا ہے بادشاہ نے حکم دیا کہ بلاؤ۔

قمرالزمان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ شاہ چین نے کہا کہ تم نے کل شرائط علاج معلوم کر لی ہیں؟ شہزادے نے کہا جی ہاں! اگر میں ناکام رہا تو آپ شوق سے مجھے قتل کرا دیں۔ بادشاہ نے کہا تم بہت کم عمر طبیب ہو۔ میں مشورہ دیتا ہوں کہ کل تک مزید غور کر لو۔ قمرالزمان نے کہا کہ یہ آپ کی مہربانی ہے جو مجھے نصیحت فرماتے ہیں لیکن میں جو فیصلہ کر چکا ہوں وہ بدل نہیں سکتا۔ شاہ چین نے کہا اچھا تمہاری مرضی۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ پھر وہ قمرالزمان کو لے کر اس جگہ آیا جہاں شہزادی مقید تھی۔

اور ایک کمرے میں بٹھا کر بادشاہ بدرالبدر کی حالت دیکھنے اندر گیا اس وقت شہزادی بہت سخت دورے میں تھی۔ جو قریب جاتا اسے مارنے کو دوڑتی تھی۔ باپ کو دیکھ کر بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ ناراض ہو کر کہنے لگی کہ اس بوڑھے کو یہاں سے نکال دو۔ بادشاہ نے بڑی محبت سے کہا بیٹی تیرے علاج کے لیے ایک نوجوان طبیب آیا ہے۔ بدرالبدر اسخت جوش میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہ وہ کون ہے؟ اور کیوں میرا علاج کرنا چاہتا ہے میں اس کو بھی قتل کر دوں گی۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولی کہ اچھا بلاؤ اور اس سے کہ میرا علاج کرے۔ بادشاہ نے باہر آ کر شہزادے سے کہا چلو اور مریضہ کو دیکھو۔ اس نے کہا کہ دیکھنے کی کوئی

ضرورت نہیں۔ میں یہ لفافہ دیتا ہوں۔ آپ شہزادی کو دے کر تھوڑی دیر کے لیے تنہا چھوڑ دیجئے اس میں ایک عمل نایاب ہے اور مجھے یقین ہے کہ ابھی شہزادی تندرست ہو جائے گی۔ بادشاہ اس طبیب کا عزم یقین دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔ اور سوچنے لگا کہ ممکن ہے۔ یہ کوئی بڑا عامل ہو۔ اسی لیے اس کو اپنے اوپر اتنا اعتماد ہے۔ اس عرصہ میں بدرالبدر انے اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو شہزادے کو پہچان لیا کہ یہ وہی نوجوان ہے۔ جو چند لمحے میرے پاس رہا تھا۔ لیکن وہ دل پر اتنا نقش چھوڑ گیا۔ بڑی مشکل سے اس نے ضبط قائم رکھا۔ اتنے میں بادشاہ وہ لفافہ لے کر اندر آیا اور شہزادی کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ کہ ہم سب باہر جاتے ہیں تم اس کو کھول کر دیکھو۔ پھ معہ خواصوں کے باہر چلا آیا۔ شہزای نے بڑے شوق سے لفافہ کھولا۔

قمرالزمان طبیب کے لباس میں

اس میں وہ انگوٹھی تھی جو شب ملاقات میں بدرالبدورا نے پہن رکھی تھی۔ اور ایک خط تھا۔ جس میں اشتیاق ملاقات کے بعد لکھا تھا کہ تمہیں کسی طرح اپنے تندرست ہونے کا ثبوت دینا چاہیے۔ خط پڑھ کر شہزادی نے چاک کر دیا اور خود پورے سکون کے ساتھ باپ کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گئی قمرالزمان نے یہ اندازہ کر کے کہ شہزادی نے خط پڑھ لیا ہو گا اور اپنا سکون بھی بحال کر چکی ہو گی بادشاہ سے کہا کہ آپ اندر جایئے اور مجھے شہزادی کی حالت بتایئے۔ شاہ چین نے بے امیدی کی حالت میں کمرے کے اندر قدم رکھا۔ بدرالبدورا فوراً کھڑی ہو گئی۔ ادب سے جھک کر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر باپ سے پوچھا۔ کہ کس جرم میں آپ نے میرے بیڑیاں ڈال دیں۔ شاہ نے بڑھ کر بیٹی کو گلے سے لگا لیا وہ دیر تک باپ سے لپٹ کر روتی رہی اور معافی مانگتی رہی اور خوشی سے شاہ چین بھی زار و قطار رو رہا تھا۔ اسی وقت ملکہ بھی آ گئی اور اپنی بیٹی کو تندرست پا کر بے حد خوشی ہوئی۔ دیر تک بیٹی کی پیشانی چومتی رہی۔ بادشاہ باہر آیا اور قمرالزمان کو چھاتی سے لگا کر مبارکباد دی۔ بے شک تمہاری تدبیر سے شہزادی تندرست ہو گئی اور میں حسب وعدہ اس کی شادی تم سے کروں گا

اور اپنی سلطنت کا وارث تم ہی کو بنادوں گا۔ سارے شہر میں اس واقعہ کی شہرت ہوگئی ہزاروں آدمی قمرالزمان کو دیکھنے کے لیے آ گئے۔

تین دن تک جشن مسرت منایا گیا۔ ایک روز بادشاہ نے قمرالزمان سے اس کا حسب و نسب دریافت کیا اس نے بتایا کہ میں چندان جزیرے کے بادشاہ کا بیٹا ہوں اور گھومتا پھرتا ادھر آ نکلا ہوں۔ بادشاہ کو یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ میرا ہونے والا داماد ایک شہزادہ ہی ہے۔ اور ہر طرح سے میرا جانشین بننے کا اہل ہے۔ ایک روز نیک ساعت میں قمرالزمان کی شادی بدرالبدورا سے ہوگئی اور برسوں سے بچھڑے ہوئے دو دل ایک جگہ ہوئے۔ دفتر حکایت وشکایت کھل گئے۔ قمرالزمان بار بار شہزادی کو سینے سے لگاتا۔ مگر طبیعت سیر نہ ہوتی۔ پھر دونوں نے آرام کیا۔

اسی طرح رہتے سہتے ایک سال گزر گیا۔ ایک شب قمرالزمان نے ایک خواب دیکھا اور شاہ چین سے اجازت لے کر معہ بدرالبدورا کے چندان کی طرف روانہ ہوا۔ شاہ چین نے چلتے چلتے تقاضا کر دیا کہ ایک سال سے زیادہ نہ ٹھہرنا۔ میرا وقت آخیر ہے اور چاہتا ہوں کہ اپنے سامنے ہی تمہارے سر پر تاج رکھ دوں۔

قمرالزمان اپنے سفر سے رخصت ہو کر منزل بمنزل بڑے تزک و احتشام سے روانہ ہوا۔ ایک ماہ تک دونوں بغیر کسی خاص واقعہ کے سفر کرتے رہے۔ اتفاقاً اس دوران بدرالبدورا کی طبیعت خراب ہوگئی اور کچھ روز مجبوراً قیام کرنا پڑا۔ جب بدرالبدورا کی صحت بہتر ہوئی اور امید تھی کہ دو چار روز بعد سفر شروع ہو جائے گا۔

ایک روز شہزادی پلنگ پر لیٹی تھی۔ اور قمرالزمان پاس بیٹھ کر گفتگو کر رہا تھا تو شہزادی کی آنکھ لگ گئی قمرالزمان بھی اس کے برابر سونے کے لیے لیٹا اور اس کی نظر بدرالبدورا کے کمر بند پر پڑی۔ اس میں ایک زربفت کا بٹوا تھا۔ جو اس نے پہلے کبھی اس نے نہیں دیکھا تھا۔ آہستگی سے بٹوا کھولا۔ تو اس میں سے ایک تختی نکلی جس پر کچھ لکھا تھا۔ کچھ عجیب سے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ شہزادے نے خیال کیا کہ یہ کوئی طلسمی تختی ہے وہ اس کو واپس رکھنا ہی چاہتا تھا۔ کہ ایک جانور نے جھپٹا مار کر وہ تختی لے لی اور اڑ گیا۔ قمرالزمان تیر کمان لے کر اٹھا اور پرندہ کو تلاش کرتا ہوا دور تک نکل گیا۔ جانور ایک درخت سے اڑتا دوسرے درخت پر بیٹھ جاتا۔ اسی طرح شہزادہ شام تک اس کا پیچھا کرتا رہا اور شام ہو جانے پر گھبرایا کہ معلوم نہیں

میں کہاں نکل آیا ہوں۔ مجبوراً اندازے سے ایک سمت چلا لیکن رات کا بڑا حصہ سفر میں گزارنے کے بعد باقی رات ایک درخت پر گذاری۔ اور صبح کو اٹھ کر پھر آگے چل دیا۔ سات دن رات سفر کے بعد ایک شہر نظر آیا۔ چنانچہ ادھر روانہ ہوا لیکن راہ میں پیاس کی شدت سے پریشان ہو کر ایک باغ میں آیا۔ تا کہ پانی پیئے۔ وہاں مالی کو دیکھ کر قریب آیا۔ مالی نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟

قمرالزمان نے اپنا حال بیان کیا۔ مالی کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ تم شہر میں نہیں گئے۔ ورنہ زندہ نہ آتے۔ یہاں کے رہنے والے شیطان پرست ہیں۔ اگر تمہیں دیکھ کر مسلمان سمجھ لیتے تو اسی وقت قتل کر دیتے اب تم باغ سے باہر نہ نکلنا میں تمہارے آگے جانے کا کوئی انتظام سوچوں گا۔ یہاں جزیرہ آبونی سے جہاز آتے ہیں۔ ان میں تم آبونی چلے جانا۔ وہاں سے آگے جانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ شہزادہ مالی کے پاس رہنے لگا اور جہازوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اوقات فرصت میں باغ کی دیکھ بھال کر لیتا اور اس طرح بے چین دل کو بہلاتا۔

ادھر بدرالبدورا جو سو کر اٹھی تو دیکھا کہ شہزادہ نہیں اول تو وہ خیال کرتی رہی کہ کہیں قریب ہی شکار وغیرہ کو گئے ہوں گے لیکن رات تک جب واپس نہ آیا تو بہت پریشان ہوئی۔ لیکن پڑھی لکھی اور بہت سمجھ دار عورت تھی۔ ہمراہی ملازمین تک کو یہ معلوم نہ ہونے دیا کہ شہزادہ لاپتہ ہوگیا ہے۔

دوراز دار کنیزوں کی معرفت ادھر ادھر تلاش بھی کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی تو خود قمرالزمان کا لباس پہن کر اور ایک کنیز کو اپنی جگہ شہزادی بنا کر آگے روانہ ہوئی اور کافی سفر کر کے جزیرہ آبونی میں آپہنچی۔ شاہ آبونی کو جب بدرالبدورا کی آمد کی اطلاع ملی۔ تو وہ خود استقبال کو گیا۔ بڑی خاطر و مدارت سے لا کر اپنے قصر میں بٹھایا۔ بدرالبدورا نے وہاں رہ کر بھی پوشیدہ طور پر قمرالزمان کو تلاش کرایا۔ لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر اس نے جزیرہ چندان کا ارادہ کیا۔ اور شاہ آبونی سے مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اجازت چاہی بوڑھا بادشاہ آبدیدہ ہوگیا اور کہنے لگا۔

عزیز من! میرے اور تمہارے والد کے بہت پرانے مراسم ہیں۔ اور میں ان کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں میری لڑکی کے ہاں اولاد نہیں میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی تم سے

کر دوں۔ اور جزیرہ آبونی کی حکومت بھی تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ بدرالبدورا یہ تجویز سن کر بہت پریشان ہوئی کہ اب کیا کروں۔ آخر ایک روز کی مہلت لی۔ شب کو رازدار کنیزوں سے مشورہ کیا۔ اور یہ طے پایا کہ عقد کر لینا چاہیے آگے جو خدا کو منظور ہوگا پیش آئے گا۔ اگلے روز اس نے شاہ آبونی سے کہا کہ مجھے تعمیل ارشاد میں کوئی عذر نہیں بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور ایک روز اس کا عقد اپنی لڑکی سے کر دیا۔ اور اسی وقت بدرالبدورا کو اپنا ولی عہد بنانے کا بھی عہد کر لیا۔ تمام امراء وزراء سے حلف وفاداری لیا اور کاروبار اور سلطنت کا زیادہ تر انتظام بدرالبدورا کے سپرد کر کے اپنا وقت عبادت الٰہی میں گزارنے کا ارادہ کر لیا۔ شب عروسی میں بدرالبدورا جب شاہ ابونی کی لڑکی حیات النفس کے پاس پہنچی۔ تو دل ہی دل میں خدا سے دعا کرتی رہی کہ تو ہی آبرو رکھنے والا ہے۔ تنہائی ہو جانے پر اس نے نماز کی نیت باندھ لی اور برابر نماز پڑھتی رہی۔

حیات النفس بیچاری تنگ آ کر سو گئی۔ جب اطمینان ہو گیا کہ شہزادی سو گئی۔ تو بدرالبدورا بھی اس کے پاس ایک طرف لیٹ کر سو گئی۔ صبح اٹھ کر غسل کیا اور باہر چلی گئی جب حیات النفس کی ہم جلیسوں سے گفتگو ہوئی تو اس نے کل واقعہ بتا دیا۔ وہ سب متحیر ہوئیں۔ بات رفتہ رفتہ شہزادی کی والدہ تک پہنچی۔ اس نے کہا آج اور دیکھو کہ وہ پھر بے اعتنائی کرتا ہے۔ یا اتفاقاً کل کوئی بات چیت نہیں کی۔ دوسری رات بدرالبدورا نے پھر نماز کی نیت باندھ لی۔ اور اس وقت تک نماز پڑھتی رہی جب تک حیات النفس سو نہ گئی۔ اور پھر خود بھی سو گئی۔ پھر صبح کو غسل کیا۔ اور سو گئی صبح کو جب ماں نے دریافت کرایا۔ تو معلوم ہوا کہ قمرالزمان نے آج بھی گفتگو تک نہیں کی۔ بلکہ وہ جب تک جاگتی رہی۔ آپ نماز پڑھتا رہا اور جب وہ سو گئی تو خود بھی سو گیا حیات النفس کی والدہ کو سخت ناگوار گزرا کہ میرا داماد میری لڑکی سے گفتگو تک نہیں کرتا۔ اس کی پہلی بیوی شہزادی چین نے منع کر دیا ہوگا۔ اور شہزادہ اسی کو زیادہ چاہتا ہوگا چنانچہ اس نے حیات النفس سے کہہ دیا۔ اگر تمہارا شوہر آج بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے تو اس سے کہہ دینا کہ میں شاہ آبونی کو اطلاع کر دوں گا۔ تمہیں توہین کی سزا دلوائے بغیر نہیں رہوں گی۔

اگر اس کو اپنی پہلی بیوی کی ایسی خاطر داری منظور تھی۔ تو نکاح ہی کیوں کیا۔ مردانہ وار جواب ضرور دینا۔ رات کو بدرالبدورا جب قمرالزمان بنی ہوئی حجلۂ عروسی میں آئی تو روز کی

طرح نماز کی نیت باندھ لی۔ حیات النفس دیر تک انتظار کرتی رہی۔ آخر ایک مرتبہ اس نے اپنے شوہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ پہلے آپ میری تھوڑی سی عرض سن لیجئے۔ بدرالبدورا سمجھ گئی کہ آج راز فاش ہو کر رہے گا۔ چنانچہ متوجہ ہو کر بولی کہ کہو۔ حیات النفس نے دیکھا تو وہ ایک حسین وجمیل شہزادی تھی۔ بدرالبدورا نے اس کو متحیر ہو کر اپنا سارا واقعہ سنایا اور کہا جب شہزادہ مل گیا میں بخوشی اس کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں گی۔ آج سے تم میری بہن ہو۔ حیات النفس نے اٹھ کر چھاتی سے لگا لیا۔ پھر کہنے لگی کہ بہن اگر تم پہلی ہی شب مجھے بتا دیتیں۔ تو معاملہ اتنا کیوں بڑھتا۔ خیر تم اطمینان رکھو۔ تمہارا راز میرے سینے میں محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد دونوں ایک ہی پلنگ پر لیٹ کر سو گئیں۔ بدرالبدورا حسب معمول مردانہ لباس پہن کر باہر چلی گئی اور حیات النفس نے ماں کو یہ کہہ کر تسلی دے دی۔ کہ وہ دراصل آج کل کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ اس لیے گفتگو اور توجہ نہیں کر سکے۔ اور مجھے ان کی طرف سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

ادھر قمرالزمان بڈھے مالی کے پاس باغ میں تھا ایک دن مالی کہنے لگا۔ کہ جزیرہ آبونی سے جہاز آیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں اگر ممکن ہوا تو تمہارے جانے کا انتظام کر دوں گا۔ بڈھا مالی ادھر گیا یہاں قمرالزمان اداس بیٹھا تھا۔ سامنے کے درخت پر ایک جانور بیٹھا تھا ابھی وہ دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ ایک دوسرے شکاری جانور نے اس کو دبوچ لیا اور پنجے مار کر اس کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ جب شکار جانور نے اس کا پیٹ چیرا تو اس میں سے ایک چیز نیچے گری۔ شہزادے نے اٹھ کر دیکھا۔ تو وہی طلسمی تختی تھی۔ جس کے لیے شہزادہ اپنی شہزادی سے الگ ہوا تھا۔ اس نے فوراً اٹھا لیا۔ اور دھو کر احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ فال نیک ہے۔ تختی مجھے مل گئی ہے۔ تو انشاء اللہ بدرالبدورا بھی مل جائے گی۔ کیونکہ جب یہ تختی ہمارے پاس تھی۔ تو ہم بھی ایک جگہ تھے۔ اور جب سے اس کو جانور لے گیا ہم بھی جدا ہو گئے قمرالزمان انہی خیالات میں بیٹھا تھا کہ بوڑھا مالی واپس آ گیا۔ کہنے لگا کہ میں نے تمہارے لیے جہاز کا انتظام کر دیا ہے۔ پرسوں جہاز روانہ ہوگا۔ تم بھی سوار ہو کر چلے جانا۔ شہزادے نے خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کی۔ رب العالمین ہمیں جلد ملا دے۔ اگلے روز اٹھ کر دونوں حسب معمول اپنے کام میں لگ گئے۔ قمرالزمان ایک سوکھے ہوئے درخت کو کاٹ کر گرا رہا تھا جس وقت درخت گرا اور جڑ کی مٹی ادھر ادھر ہٹی تو وہاں

ایک دروازہ نظر آیا۔ شہزادے نے تھوڑی سی مٹی اور صاف کی تو ایک تہہ خانہ کا دروازہ نکل آیا۔ کواڑ کھول کر اندر گئے تو اشرفیوں سے بھری ہوئی پچاس دیگیں دکھائی دیں۔ مالی نے کہا بیٹا! یہ تمہاری قسمت کا مال ہے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں پچاس ساٹھ سال سے اس باغ میں کام کر رہا ہوں۔ آج تک اس کا پتہ نہیں چلا۔ شہزادے نے اصرار کیا کہ میں اکیلا ان کو ہرگز نہیں لوں گا۔ بہر حال نصف نصف فیصلہ ہو گیا۔ قمرالزمان نے آدھی دیگوں کو اشرفیوں سے بھرا اور اوپر سے روغن زیتون ڈال دیا۔

تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ آخری دیگ میں وہ طلسمی تختی بھی کسی خیال سے رکھ کر سب دیگوں کے منہ بند کر دیئے اور جہاز پر لدوا دیا۔ اتفاقاً شام کو مالی بیمار ہو گیا۔ قمرالزمان شب بھر اس کی تیمارداری کرتا رہا صبح کو بھی دیکھ بھال میں دیر ہو گئی۔ اور جب ساحل پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ جہاز انتظار کر کے روانہ ہو گیا ہے۔ بے چارا روتا پیٹتا واپس آ گیا۔ یہاں آیا تو مالی کی حالت برابر خراب ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ تیسرے چوتھے روز اس کا انتقال ہو گیا اور قمر الزمان بالکل تنہا رہ گیا۔ روپے پیسے کی بالکل کمی نہ رہی۔ باغ کے مالک سے ایک سال کے لیے باغ اور ٹھیکے پر لے لیا اور وہیں رہنے لگا کہ جب کوئی دوسرا جہاز آئے گا۔ تو یہاں سے چلا جاؤں گا۔

جہاز شہزادے کو چھوڑ کر آبونی روانہ ہو گیا۔ بدرالبدورا کا معمول تھا۔ کہ جب کوئی جہاز آبونی آتا تو ساحل سمندر پر آ کر کسی نہ کسی بہانے قمرالزمان کو تلاش کرتی کیونکہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ چندان کا راستی اسی طرف سے ہو کر جاتا ہے۔ قمرالزمان کا مال لے کر جہاز آبونی پہنچا تو بدرالبدورا ساحل پر موجود تھی۔ اس نے مختلف مال خریدا۔ اس میں روغن زیتون کی دیگیں بھی تھیں۔ کپتان نے کہا یہ ایک شخص کا مال ہے۔ جو جہاز پر سوار نہ ہو سکا۔ جب ہم اس جزیرے میں جائیں گے تو اس کا روپیہ ادا کریں گے۔ دیگیں اور سامان اٹھوا کر شہزادی مایوس لوٹ آئی۔ قیام گاہ پر پہنچ کر جب یہ دیگیں کھلوائیں تو ان میں اشرفیاں بھری ہوئی پائیں۔ بدرالبدورا نے متعجب ہو کر کل دیگیں خالی کرائیں۔ تو ان میں سے وہ تختی بھی نکلی۔ جو قمرالزمان کے ساتھ کھو گئی تھی۔ تختی کو دیکھتے ہی قریب تھا کہ شہزادی فرط مسرت سے بے ہوش ہو جائے۔ بمشکل ضبط کیا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ کپتان جہاز کو یہاں لا کر حاضر کرد۔ فوراً کپتان کو لایا گیا۔ بدرالبدورا نے کہا کہ جس شخص کا روغن زیتون لائے ہو۔ اس

پر ہمارا بہت بھاری قرضہ ہے تم اس وقت اس جزیرے میں واپس جاؤ۔ اور اس شخص کو جس نے یہ تیل لدوایا ہے ساتھ لے کر آؤ۔ اور جب تک تم واپس نہ آؤ گے تمہارا جہاز بطور ضمانت ہمارے پاس رہے گا۔ کپتان جہاز ایک بہت بڑی کشتی لے کر ادھر روانہ ہو گیا بدرالبدور نے تنہائی میں حیات النفس کو کل واقعہ بتا دیا اور کہا کہ انشاءاللہ اب آپ کا اور میرا عزیز شوہر اور اصلی قمرالزمان آنے والا ہے۔

کپتان کشتی لے کر جزیرے میں واپس آیا اور باغ میں پہنچ کر قمرالزمان سے ملا اور کہنے لگا کہ چلیئے آپ کے مال کی اچھی قیمت مل رہی ہے میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ قمر الزمان بہت خوش ہوا اور باقی خزانہ بھی لے کر کشتی میں سوار ہو گیا۔ جب کشتی اس جزیرے کی حدود سے نکل گئی تو کپتان نے اصل قصہ بتایا کہ شاہ آبونی نے تم کو گرفتار کر کے بلایا ہے۔ تم پر اس کا کوئی قرض ہے شہزادے نے کہا میں نے آج تک شاہ آبونی کی صورت نہیں دیکھی۔ قرض کیسا؟ کپتان نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں تمہیں وہیں چل کر سب کچھ بتا دیا جائے گا اسی پریشانی میں یہ لوگ آبونی پہنچے۔

کپتان نے قمرالزمان کو لا کر پیش کیا شہزادی نے اس کو بہت کچھ انعام دے کر رخصت کیا۔ اور خواجہ سرا کو بلا کر حکم دیا کہ اس شخص کو غسل کرا کر کپڑے پہناؤ اور فلاں کمرے میں بٹھاؤ۔ خواجہ سر قمرالزمان کو حمام میں لے گیا۔ وہاں نہا دھو کر شہزادے نے لباس تبدیل کیا اور حسب الحکم ایک کمرے میں بیٹھ گیا۔ سخت حیران تھا کہ میں آخر کیوں بلایا گیا۔ اور اب یہ ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں بدرالبدورا لباس تبدیل کر کے آئی اور وہی طلسمی تختی دکھا کر کہنے لگی کہ یہ کیا ہے اس کا مفصل حال بیان کرو قمرالزمان نے تختی کو دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو کیونکر ملی بدرالبدورا نے کہا پہلے تم اس کی کیفیت بیان کرو۔ یہاں جواب دینے کے لیے بلائے گئے ہو۔ سوال کرنے کے لیے نہیں۔

قمرالزمان نے آہ سرد بھر کر کل واقعہ بیان کیا۔ اور کہنے لگا کہ جس روز سے میں اس تماشے کو دیکھا ہے اپنی جان سے پیاری بیگم کو نہیں دیکھ سکا۔ بدرالبدورا نے پوچھا کہ اتنی مدت گزر جانے پر بھی تم اپنی بیوی کو نہیں بھولے کیا وہ خوبصورت ہے؟ قمرالزمان نے کہا حضور وہ میری زندگی ہے۔ پہلے وہ ہر وقت میرے پاس رہتی تھی۔ اب اس کی یاد رہتی ہے جب سے الگ ہوئی۔ میں اپنا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بدرالبدورا کو یقین ہو گیا۔ کہ شہزادہ

بھی اس کو اتنا ہی پیار کرتا ہے جتنا کہ پہلے کرتا تھا شہزادی نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور قمرالزمان کے سینے سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔ پھر دونوں نے بیٹھ کر اپنی اپنی سرگزشت سنائی اور تمام رات راز و نیاز میں گزر گئی صبح کو شاہ آبونی آیا اور دیکھا کہ ایک مرد اور ایک عورت بیٹھے ہیں تو تعجب سے چاروں طرف دیکھنے لگا کہ قمرالزمان کہاں گئے؟

بدرالبدورا کھڑی ہوئی اور تمام واقعات شروع سے آخر تک بیان کر کے شاہ آبونی سے کہا کہ یہ میرے شوہر نامدار شاہ قمرالزمان ہیں اب آپ دوبارہ میری پیاری بہن حیات النفس کی شادی ان سے کر دیں۔ اور سب ہنسی خوشی وہیں رہنے لگے۔

شاہ آبونی نے تاج و تخت قمرالزمان کے حوالے کر دیا۔ اور خود عبادت الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ ایک سال کے بعد دونوں شہزادیوں کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام امجد اور دوسرے کا نام اسد رکھا بچوں نے جب ہوش سنبھالا تو تعلیم کے لیے بہترین استاد مقرر کر دیئے گئے اس طرح عیش و عشرت میں بیس سال کی طویل مدت گزر گئی۔ امجد و اسد تعلیم و تربیت حاصل کر کے نہایت قابل شہزادے بنے۔

دونوں بھائیوں میں اس درجہ محبت تھی کہ دونوں نے قسم کھائی تھی کہ آپس میں کبھی کوئی راز نہیں رکھیں گے۔ چنانچہ آج تک اسی پر عمل تھا۔ حیات النفس اور بدرالبدورا میں بھی بہنوں کی سی محبت تھی اور ایک دوسری کی اولاد پر اپنا خون چھڑکتی تھیں۔ غرض یہ عرصہ ایسے راحت و رام سے گزرا کہ زندگی میں کسی وقت بھی پریشانی نہیں آئی۔ مگر زندگی کی دھار ہمیشہ سیدھی نہیں رہتی۔ اس میں پیچ و خم ضرور آتے ہیں اتنی مدت گزر جانے کے بعد دونوں شہزادیوں کے دل میں فرق آ گیا۔ اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی کہ میرا بیٹا ولی عہد بنے دونوں نے اپنے لڑکوں کو سوتیلی ماں کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن امجد و اسد نے عہد کر رکھا تھا کہ ہم ایک دوسرے سے راز نہیں چھپائیں گے۔

چنانچہ وہ آپس میں تبادلہ خیال کر لیتے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دل آپس میں صاف تھے اور دونوں شہزادیاں جو کچھ کہتیں بے کار تھا بڑھتے بڑھتے دونوں ماؤں کا حسد اتنا بڑھ گیا کہ ہر ایک دوسری کے لڑکے کو ختم کرانے کے درپے ہو گئی قمرالزمان باہر گیا ہوا تھا۔ امجد و اسد کاروبار حکومت دیکھتے اور شام کو مل کر تمام دن کی مصروفیات پر تنقید و تبصرہ کر لیتے۔

ایک روز امجد محل میں آیا تو ایک کنیز نے حیات النفس کا خط لا کر دیا۔ امجد نے پڑھ کر

غصہ میں آ کر کنیز کو قتل کر دیا۔ دوسرے دن یہی واقعہ اسد کے ساتھ پیش آیا۔ اس کو بدرالبدورا کا خط ملا۔ اس نے بھی خط لانے والی کنیز کو قتل کر دیا۔ شام کو دونوں نے اپنے اپنے خطوط ایک دوسرے کو دکھائے اور اپنی ماؤں کی ناقص العقلی پر بہت کڑھے۔ رات کو دونوں نے اپنی اپنی والدہ کو تنبیہہ کی اور بتا دیا کہ اگر آپ دونوں حسد و کینہ کی کیفیت کو نہ چھوڑیں گی۔ تو ہم والد سے ساری صورت حال عرض کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اسی دوران قمرالزمان واپس آ گیا حیات النفس اور بدرالبدورا کی عقلوں پر ایسی پٹی بندھی ہوئی تھی کہ دونوں نے الگ الگ امجد و اسد پر یہ الزام لگایا کہ اپنی سوتیلی ماؤں کو بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ قمرالزمان یہ سن کر غصہ میں لال ہو گیا۔ اور اس سے پیشتر کہ تحقیق حال کرتا۔ دونوں شہزادوں کو قتل کا حکم دے دیا گیا اور ایک افسر کو مقرر کر دیا کہ دونوں کو شہر سے باہر لے جا کر قتل کر دے۔ دونوں بھائی گرفتار کر لیے گئے اور متعلقہ افسران دونوں کو بیرون شہر لایا اور وہ ان کو بٹھا کر قتل کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس کا گھوڑا بدک کر بھاگا۔ وہ انہیں چھوڑ کر گھوڑا پکڑنے کے لیے بڑھا وہیں کہیں شیر سو رہا تھا۔ وہ اٹھ گیا اور افسر پر حملہ کرنے کے لیے دوڑا۔ امجد نے جو یہ حال دیکھا تو تلوار کھینچ کر شیر کے مقابلے میں آ گیا۔

شیر سے شہزادہ امجد کا مقابلہ

جونہی شیر قریب پہنچا۔ پوری صفائی سے ہاتھ مارا اور شیر کے دو ٹکڑے کر دیئے اتنے میں اسد گھوڑے کو پکڑ کر لایا پھر دونوں نے تلوار اور گھوڑا افسر کے سپرد کر کے کہا۔ آیئے اب آپ اپنا فرض ادا کریں۔ افسر مذکورہ ہاتھ باندھ کر ان بھائیوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کرنے لگا کہ حضور! میں اتنا احسان فراموش نہیں کہ اب بھی آپ پر ہاتھ اٹھاؤں۔ اور مجھے یقین ہے کہ بادشاہ بھی کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں آپ جیسے بہادر لائق اور شریف لڑکوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ آپ کسی دوسری جگہ چلے جایئے۔ اپنے کرتے مجھے دے دیجئے۔ تاکہ شیر کے خون سے تر کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اور اپنا گھوڑا اور جو کچھ اس کے پاس زر نقد موجود تھا امجد اور اسد کو دے کر کہا کہ اب آپ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔

دونوں بھائی توکل خدا ایک سمت کو چل دیئے اور افسر دونوں کی قمیض لے کر بادشاہ کے پاس
آیا اور پیش کر کے چلا گیا۔ تنہائی میں دو جوان بیٹوں کی خون بھری قمیض دیکھ کر بادشاہ اپنے
فعل پر نادم ہوا۔ اور ارادہ کر لیا کہ یہ کرتے اپنے پاس ہی رکھوں گا جب قمیض اٹھائی تو ان کی
جیبوں سے کچھ کاغذات گرے۔ قمرالزمان نے اٹھا لیے۔ یہ وہی خط تھے جو حیات النفس
اور بدرالبدورا نے امجد و اسد کو لکھے تھے خطوط پڑھ کر قمرالزمان کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں بے
قصور قتل کر دیئے گئے اور دونوں حقیقتاً شہزادیوں نے آپس کی جلن میں ایک دوسرے پر غلط
الزامات لگائے تھے اس وقت قمرالزمان بہت رویا۔ جوان بیٹوں کا بلاوجہ قتل اور پھر ان کی
سعادت مندی کہ اپنی سوتیلی ماؤں کا راز افشا نہ کیا یاد کر کے کلیجہ پھٹ جاتا تھا۔ لیکن مصیبت
یہ تھی۔ کسی سے کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا نہیں کر سکتا تھا۔ بدنامی کے خیال سے اور تو کچھ نہیں کیا۔
مگر دونوں بیگموں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور اطلاع کرا دی۔ کہ تمہاری آپس کی دشمنی کا یہ نتیجہ
نکلا۔ کہ میں نے دونوں شہزادوں کو قتل کرا دیا ہے۔ اب زندگی بھر روؤ اور میں بھی روؤں گا۔
جس وقت حیات النفس اور بدرالبدورا کو معلوم ہوا کہ ہم دونوں کی شکایات کا انجام یہ ہوا کہ
دونوں ہی اپنے لال کھو بیٹھیں تو بہت روئیں اور دیوانوں جیسی کی کیفیت ہو گئی۔ ہر قسم کا
راحت و آرام چھوڑ دیا اور اپنی حماقتوں اور غلطیوں کے احساس نے دونوں کو زندہ درگور
کر دیا۔

امجد و اسد افسر سے رخصت ہو کر ایک طرف چل نکلے۔ ایک ماہ تک مختلف جنگلوں اور
پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے ایک روز پر فضا وادی میں پہنچے۔ جہاں پہاڑ سے پانی کے کئی
چشمے نکل کر بہتے تھے۔ ہر طرف مختلف قسم کے پھلدار درخت کھڑے تھے۔ دونوں بھائیوں
نے کچھ پھل کھائے چشموں کا سرد میٹھا پانی پیا۔ اور خدا کا شکر ادا کر کے چند روز کے لیے اسی
وادی میں ٹھہر گئے۔ جب سفر کی تھکان دور ہو گئی تو دائیں طرف پہاڑ کی دوسری طرف اترے
تو وہاں ایک بارونق شہر نظر آیا۔ اسد و امجد ہفتوں کی صحرانوردی سے تنگ آ چکے تھے۔ اس
لیے خوش خوش شہر کی طرف روانہ ہوئے جب قریب پہنچے تو اسد نے بھائی سے کہا کہ نئے شہر
میں دونوں کو ایک ساتھ نہیں جانا چاہیے۔ خدا جانے کس قسم کے لوگ ہوں۔ اور کیا سلوک
کریں۔ پہلے ایک جا کر حالات معلوم کر آئے پھر دوسرا جائے۔ اس طرح اسد نے امجد کو
وہیں بٹھایا اور خود شہر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک بوڑھا شخص ملا۔ اسد نے بازار کا

راستہ پوچھا تو بوڑھا کہنے لگا کہ شاید نو وارد ہو۔ اسد نے کہا ہاں میرا ایک ساتھی ہے میں کھانا
لینے آیا ہوں۔ بوڑھا بڑی شفقت سے بولا کہ آپ میرے ساتھ چلیے میں آپ کو تمام شہر کی
سیر کرا دوں گا۔ اسد اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ ایک مکان کے سامنے بوڑھے نے کہا۔ کہ یہ
میرا غریب خانہ ہے چند لمحے بیٹھ کر پھر بازار چلیں گے۔ اسد اس کے ساتھ گھر میں چلا گیا
اندر جا کر معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ بوڑھے نے دو قوی ہیکل غلاموں کی
مدد سے اسد کی مشکیں باندھ لیں۔ اور ایک تہہ خانہ میں بند کر کے اپنی لڑکیوں سے کہنے لگا کہ
اس کی اچھی طرح حفاظت کرو۔ عنقریب اس کو اگنی ماتا کی قربان گاہ پر نذر کیا جائے گا۔ اسد
اپنی بے بسی پر بہت رویا اور خدا سے دعا کرتا رہا کہ وہ اس مصیبت سے نجات دلائے۔
امجد بڑی دیر تک اسد کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ نہ آیا تو خود اس کی تلاش میں
شہر میں پہنچ کر اس نے اندازہ لگایا کہ شہر کی کل آبادی غیر مسلم ہے اس لیے ہر قسم کی احتیاط
کرتا ہوا ادھر ادھر پھرنے لگا۔ شہر کے آخری سرے پر ایک درزی کا مکان تھا اندازے سے
امجد نے معلوم کر لیا کہ وہ مسلمان ہے۔ قریب جا کر امجد نے سلام کیا تو درزی نے حیرت
سے اس کی طرف دیکھا اور اشارے سے اندر بلا لیا اور اس کے حالات دریافت کیے امجد
نے کچھ ضروری واقعات سنا کر اپنے بھائی کی گمشدگی کا ذکر کیا درزی نے کہا کہ یہ آتش
پرستوں کا شہر ہے میں بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کرتا۔
ممکن ہے تمہارے بھائی کو ان لوگوں نے پہچان لیا ہو اور گرفتار کر کے قید کر لیا ہو۔ تم
بھی تنہا ادھر ادھر نہ پھرو۔ میرے یہاں رہو۔ میں بھی تمہارے بھائی کی تلاش میں پوری مدد
کروں گا۔ امجد درزی کے یہاں رہنے لگا۔ مناسب وقت دیکھ کر اپنے بھائی کو بھی ڈھونڈ
ایک روز وہ ایک بازار میں سے گزر کر ایک کوچہ میں داخل ہوا۔ ابھی تھوڑی دور ہی چلا تھا
کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ امجد نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ ایک نوجوان بہت خوبصورت
عورت ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے۔ وہ عورت بولی کہ ادھر کہاں جانے
کا ارادہ ہے؟ امجد نے کہا کہیں نہیں۔ آپ جہاں چاہیں لے چلیں۔ عورت مسکرائی اور کہنے لگی
مرد عورتوں کو لے جایا کرتے ہیں عورتیں مردوں کو نہیں۔ امجد یہ جواب سن کر گھبرایا۔ اور دل
میں خیال کرنے لگا۔ کہ یہ کوئی غلط عورت ہے اور میں غلطی سے اس کے محلہ میں آ گیا ہوں
پھر وہ منہ پھیر کر دوسری طرف چل دیا۔ لیکن وہ عورت پیچھے پیچھے آنے لگی چلتے چلتے امجد ایک

جگہ ٹھہر گیا اتنے میں وہ عورت بھی آ گئی۔ اور کہنے لگی یہ ہے آپ کا مکان؟

امجد نے سوچا کہ کسی طرح اس کو ٹالنا چاہیے کہنے لگا ہاں۔ لیکن ملازم تالا لگا کر معلوم نہیں کدھر گیا۔ ہمیں مجبوراً لوٹنا پڑے گا۔ وہ بولی اس کی کیا ضرورت ہے پھر جلدی سے مکان کا قفل اپنی کنجیوں سے کھولنے لگی اتفاقاً ایک کنجی لگ گئی اور قفل کھل گیا وہ بے تکلف اندر چلی گئی۔ مجبوراً ڈرتے ڈرتے امجد بھی گھر میں داخل ہوا۔ لیکن پریشان تھا کہ اگر مالک مکان آ گیا تو کیا ہوگا۔ لیکن وہ مرد ہو کر کسی عورت کے سامنے اپنی کمزوری کے لحاظ سے شرماتا تھا کمرے میں ہر قسم کے لوازمات طعام چنے ہوئے تھے۔ شراب قرینے سے سجی ہوئی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ابھی کوئی رکھ کر گیا ہے۔ عورت بے فکری سے دستر خوان پر بیٹھ گئی اور کھانا کھانا شروع کر دیا۔ اور ہاتھ پکڑ کر امجد کو بھی بٹھالیا۔ ابھی یہ لوگ کھانا کھا ہی رہے تھے کہ مالک مکان [illegible] خوش قسمتی سے دروازے کی طرف عورت کی پشت اور امجد کا منہ تھا جیسے ہی امجد نے [illegible] شخص کو اندر آتے ہوئے دیکھا۔ گھبرا کر اٹھا اور عورت سے کہنے لگا کہ تم کھانا کھاؤ میں دروازہ بند کر دوں۔ باہر آ کر مالک مکان سے ملا وہ غریب حیران تھا کہ یہ کون ہیں مکان جو میرے مکان کو بے تکلفی سے استعمال کر رہے ہیں۔ امجد ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور اول سے آخر تک سارا واقعہ بیان کر دیا۔ مالک مکان بہت شریف النفس انسان تھا۔ شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر بولا کچھ ہرج نہیں۔ یہ آپ ہی کا مکان ہے۔ بے تکلفی سے استعمال کیجئے۔ لیکن مجھے تعجب ہے کہ آپ مسلمان ہو کر اب تک کس طرح محفوظ ہیں۔ دوران گفتگو بے احتیاطی سے آپ نے کئی ایسے الفاظ کہہ دیئے ہیں۔ جو آپ کو مسلمان ثابت کرتے ہیں۔ میں یہاں کے بادشاہ کا داروغہ اصطبل ہوں اور دل سے مسلمان ہوں۔ گو ظاہر نہیں کرتا۔ آپ بھی آئندہ احتیاط رکھیں اب میں آپ کا غلام بن کر حاضر ہوتا ہوں۔ آپ چل کر بیٹھیں۔ مگر ہوشیار رہیں کہ یہ عورت غلط ہے۔ کوئی جال بچھا رہی ہے۔ امجد داروغہ کا شکریہ ادا کر کے دستر خوان پر آ بیٹھا کھانا شروع کیا۔ کچھ ہی دیر بعد داروغہ بطور غلام حاضر ہوا۔ امجد نے بظاہر غصہ میں کہا تم بڑے بے پرواہ ہو۔ تالا لگا کر چلے گئے اور وہیں بیٹھ رہے۔ مجبوراً ہمیں قفل شکنی کرنی پڑی۔ وہ عورت گالیاں دینے لگی۔ اور کوڑا لے کر اٹھی اور بولی کہ تم نے غلام کو بگاڑ دیا ہے کہ یہ معمولی تنبیہ کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا۔ امجد نے لپک کر کوڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور بولا کہ میرا غلام ایسا نہیں ہے جس کو بہت سخت

سزا کی ضرورت ہو۔ میرا اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ مطمئن نہیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے اس بے پرواہی سے شراب پینی شروع کی۔ کہ امجد کو یقین ہو گیا۔ اب یہ رات بھر کہیں نہیں جائے گی آخر وہ شراب پی کر مست ہو گئی۔ تو امجد کو لے کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ داروغہ بھی دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا۔ لیکن امجد کا حال بہت خراب تھا۔ فکر و تشویش میں نہ تو دلجوئی کی طرف دل مائل تھا اور نہ ڈر کی وجہ سے سو سکتا تھا۔ بہر حال عورت کے ساتھ لیٹا ہوا وقت کو ٹالتا رہا۔

دفعتاً عورت اٹھی اور کہنے لگی کہ تم نے اس غلام کے ساتھ بہت نرمی برتی ہے اور مجھے بھی سزا دینے سے روک دیا جاتے ہوئے تمہارا غلام ہنس پڑا تھا۔ اور میں سمجھتی ہوں وہ میرا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ ابھی میرے سامنے اس کو قتل کرو۔ امجد بیچارا حیران تھا کہ عورت دیوانی ہے یا کوئی بلا ہے۔ بہر حال اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ مانی اور تلوار لے کر چلی کہ میں خود قتل کیے دیتی ہوں۔

امجد کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اٹھ کر اس نے عورت کے ہاتھ سے تلوار لے لی کہ لاؤ میں قتل کرتا ہوں۔ پھر وہی تلوار عورت کی گردن پر ماری کہ سر کٹ کر سوئے ہوئے داروغہ کے سینے پر گرا وہ گھبرا کر اٹھا۔

عورت کا قتل

اور پوچھنے لگا کہ کیا ہوا امجد نے کل واقعہ بیان کیا کہ آپ کو قتل کرنا چاہتی تھی میں نے برداشت نہ کیا اس کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد امجد نے کہا کہ آپ آرام کریں۔ نعش کو میں دریا میں ڈال آؤں گا۔ داروغہ نے کہا کہ تم یہاں اجنبی ہو۔ ممکن ہے غلط راہ سے جاؤ۔ اور پکڑے جاؤ اس لیے یہ کام میں کروں گا۔ بے فکری سے مکان میں رہو پھر لاش اٹھا کر چل دیا۔ ابھی دریا کے کنارے نہ پہنچا تھا کہ سپاہیوں کو شبہ ہوا اور روک کر دیکھا تو ایک عورت کی لاش تھی فوراً گرفتار کر لیا۔ اور صبح ہوتے ہی بادشاہ کے روبرو پیش کیا۔ وہاں سے قتل کا حکم مل گیا اس دن شہر میں اعلان کر دیا کہ کل بادشاہ کے داروغہ اصطبل کو ایک عورت کے قتل کے

سلسلہ میں قتل کیا جائے گا یہ خبر امجد کو بھی مل گئی امجد نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنے محسن کو بے گناہ قتل نہیں ہونے دوں گا دوسرے دن جب لوگ جمع ہو گئے تو امجد آگے بڑھا اور حاکم سے کہا کہ دراصل قاتل میں ہوں۔ یہ نہیں ہے۔ معاملہ بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ شہزادے نے اصل واقعات سنا دیئے اور ساتھ ہی اپنا قصہ بھی بیان کر دیا۔ بادشاہ کے دل پر اس کا بہت اثر ہوا۔ چنانچہ اس نے دونوں کو چھوڑ دیا۔ اور امجد کو اپنا مصاحب بنا لیا چند ہی روز میں بادشاہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس نے بادشاہ کے دل سے مسلمانوں کی دشمنی بھی نکال دی۔ اور حکم جاری کرا دیا کہ یہاں کوئی شخص قربان نہ کیا جائے۔ چند دن کے بعد بادشاہ نے خوش ہو کر امجد کو وزیراعظم مقرر کر لیا۔ اب تو ہزاروں آدمی وہاں کھلم کھلا مسلمان ہو گئے اور آتش پرستوں کا زور ٹوٹ گیا لیکن متعصب لوگ چوری چھپے موقعہ مل جاتا تو قربانی سے نہیں کرتے تھے۔ پھر اس خاموش شہر میں یہ رسم رک گئی۔ وزیراعظم بننے کے بعد امجد نے ہر طرف جاسوس چھوڑ دیے۔ لیکن اسد کا پتہ نہ چلا۔ کیونکہ وہ غریب اسی بڈھے خبیث کے تہہ خانے میں قید تھا روزانہ پیٹا جاتا تھا۔ اور کھانے کو بہت کم ملتا تھا۔ اسی دوران میں آتش پرستوں کی عید آ گئی اور حسب معمول قربانی لینے والا جہاز آ گیا۔ کپتان جہاز اسی بوڑھے سے ملا۔ اور اس نے کپتان کو بتایا کہ یہاں کے حالات بدل گئے ہیں۔ بادشاہ کے خیالات میں انقلاب آ گیا ہے۔ آج کل وزیراعظم مسلمان ہے۔ شہر میں بھی مسلمان بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور کسی کو علم نہیں کہ کسی انسان کو قربان کرے میں نے مہینوں سے ایک مسلمان کو بند کر رکھا ہے اسے صندوق میں بند کر کے دے دوں گا بہت احتیاط رکھنا۔

چنانچہ اسی طرح اسد جہاز میں پہنچا دیا گیا امجد نے یہ دیکھنے کے لیے کسی مسلمان کو چھپا کر نہ بھیج دیا ہو۔ خود جا کر تلاشی لی۔ لیکن اتفاقاً نہ دیکھا۔ اور اس طرح اس کا بھائی قید میں رہ گیا۔ اگلے روز جہاز روانہ ہو گیا۔ چند روز تو جہاز صحیح راستہ پر چلتا رہا۔ لیکن ایک دن طوفان کی زد میں آ کر ایک مسلمان ملکہ کی حکومت میں آ گیا۔ کپتان جہاز بہرام گھبرایا اور سوچنے لگا۔ اگر قیدی کے متعلق ملکہ کو علم ہو گیا تو غضب ہو جائے گا کیونکہ یہ جہاز قربانی کے نام سے مشہور ہے۔ اس لیے تلاشی بھی ضرور ہو گی مجبوراً اس نے اسد کو نکالا اور اچھا لباس پہنا کر کہنے لگا کہ وہاں تم آتش پرستوں میں پھنس گئے تھے میں بڑی مشکل سے تمہیں نکال لایا ہوں۔ اب وہ عمل داری ختم ہو گئی جہاں تمہاری گرفتاری کا ڈر تھا اس لیے میں نے صندوق

نکال دیا آگے چل کر تمہیں کسی بڑے ملک میں جہاز سے اتار دوں گا جہاز کنارے پر لگا اور کپتان جہاز اجازت لینے نیچے اترا اور افسر متعلقہ سے مل کر کچھ تحائف کے ساتھ ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ملکہ نے حالات دریافت کرنے کے بعد حکم دیا کہ جہاز کی تلاشی لی جائے۔ کپتان پھر واپس آیا اور چند افسران تلاشی لینے لگے۔ دوران تلاشی میں انہوں نے اسد سے پوچھا آپ کون ہیں اس نے جواب دیا کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ اور یہ لوگ قربانی کے لیے فلاں کوہ آتش پر لے جا رہے ہیں۔ افسران نے اسی وقت کپتان کو گرفتار کر لیا۔ اور اسد کو لے کر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کیا۔ ملکہ بہت ناراض ہوئی کپتان نے معافی مانگی اور عرض کرنے لگا۔ کہ میں فلاں حکومت میں رہتا ہوں اور وہاں کے لوگوں نے اس کو میرے سپرد کر دیا تھا مجھے قطعاً معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہے۔ ملکہ نے اسد کو اپنے یہاں رکھ لیا اور جہاز والوں کو تنبیہہ کر کے حکم دیا کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ اسد ملکہ سے اجازت لے کر شہر دیکھنے کو چلا گیا۔ مدتوں کی قید کے بعد آزادی نصیب ہوئی تھی اسد نے حسب پسند چیزیں لے کر کھائیں اور ایک باغ میں حوض کے کنارے لیٹ کر مستقبل کے متعلق غور کرنے لگا ٹھنڈی چھاؤں کے تصور نے آئندہ کی خوشنما تصویریں کھینچیں اور پر کیف تخیل میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ قسمت کی بات ہے جہاز جب چلنے لگا تو معلوم ہوا کہ میٹھا پانی کافی نہیں۔ چند آدمی پانی کی تلاش میں نکلے اور اتفاقاً اسی باغ میں آ گئے جہاں اسد سو رہا تھا لوگوں نے موقعہ غنیمت سمجھا اور منہ بند کر کے اسد کو اٹھا کر جہاز پر سوار کر لیا اور لنگر اٹھا دیا۔

کپتان جہاز بہت خوش ہوا کہ قیدی دوبارہ قابو آ گیا اور قربانی رائیگاں نہیں ہوئی۔

کچھ دیر بعد ملکہ نے اسد کو طلب کیا۔ ہر طرف پتہ کیا۔ لیکن نہ ملا۔ اتفاقاً کچھ لوگ باغ میں آئے وہاں حوض کے کنارے اس کے کچھ کپڑے پڑے ہوئے ملے جو لا کر ملکہ کے سامنے پیش کر دیئے گئے ملکہ سمجھ گئی کہ اہل جہاز پانی لینے آئے ہوں گے اور تنہا پا کر پھر اسد کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ملکہ کو بہت رنج ہوا اور ایک جنگی بیڑا لے کر خود تلاش میں روانہ ہو گئی۔ دوسرے روز بہرام کا جہاز مل گیا۔

بیڑے نے ہر طرف سے اس کو گھیر لیا اور حکم دیا کہ فوراً ٹھہر جائیں۔ ورنہ گولہ باری کر کے جہاز غرق کر دیا جائے گا۔ بہرام سمجھ گیا کہ اسی قیدی کی تلاش میں ہیں۔ اور یہ جہاز

میں دستیاب ہو گیا تو پھر خیر نہیں۔ چنانچہ اس نے اسد کو خاموشی سے سمندر میں پھینک دیا اور اپنا جہاز ملکہ کے سپرد کر دیا سارے جہاز کی تلاشی لی گئی۔ لیکن اسد نہ ملا۔ اور کپتان جہاز یہی کہتا رہا کہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ لیکن ملکہ کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں نے اس کو یا تو ہلاک کر دیا یا کسی جگہ سمندر میں گرا دیا ہے۔ غصہ میں ملکہ نے حکم دیا کہ جہاز کا کل سامان لوٹ لیا جائے۔ جہازی گرفتار کر لیے جائیں اور جہاز کو آگ لگا دی جائے۔

سب لوگ گرفتار کر کے بند کر لیے گئے۔ لیکن بہرام موقعہ پا کر بھاگ نکلا۔ سپاہیوں نے چاروں طرف دیکھا بھالا لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔

اسد جہاز سے گر کر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا زندگی باقی تھی۔ جہاز کا ایک تختہ تیرتا ہوا قریب سے گزرا اس کو پکڑ کر اسی کے سہارے تیرتا ہوا خدا جانے کہاں جا نکلا۔ آخر دوپہر کے قریب وہ تختہ ایک جگہ ساحل کے قریب آ گیا۔ اسد بھی خدا کا شکر کرتا ہوا خشکی پر آیا۔ جنگلی پھل پتے کھا کر چشمے کا پانی پیا تو کچھ ہوش وحواس درست ہوئے رات کو مناسب جگہ دیکھ کر سو گیا صبح کو خدا کا نام لے کر ایک سمت روانہ ہو گیا۔ تین چار روز اسی طرح چلتا رہا۔ جہاں کہیں جنگلی پھل مل جاتے کھا لیتا۔ چشموں کا پانی پیتا۔ اور آگے بڑھ جاتا۔ آخر ایک روز ایک پہاڑ پر سے اس کو آبادی کے آثار معلوم ہوئے۔ اسی سمت روانہ ہو گیا شام تک وہاں پہنچا۔ لیکن جونہی شہر کے پاس آیا تو معلوم ہوا کہ وہی آتش پرستوں کا شہر ہے جس میں مہینوں قید رہا تھا۔ خوف کے مارے اسد الٹے پاؤں بھاگا رات گزارنے کو ایک شکستہ مقبرے میں گھس گیا تا کہ کوئی دیکھ کر گرفتار نہ کر لے۔ اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ اسی شہر میں اس کا عزیز بھائی وزیر اعظم ہے۔ اور اب کسی کی مجال نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے اسد نے ایک جگہ صاف کی اور اطمینان سے لیٹ کر سو گیا۔ پچھلے پہر رات کو بہرام جو ملکہ کی قید سے بھاگا تھا اس شہر میں آ پہنچا لیکن اس وقت شہر پناہ کا دروازہ بند تھا وقت گزارنے کے لیے اس مقبرے میں آ گیا۔ یہاں آ کر دیکھا کہ وہی شخص سو رہا ہے جس کے لیے اسے ساری مصیبت اٹھانا پڑی اور کل جہاز کا سامان اور جہاز تک برباد ہو گیا۔ صبح کے قریب اس نے سوتے ہوئے اسد کو پھر گرفتار کر لیا۔ اور بڑی احتیاط سے لا کر اسی مردود بڈھے کے سپرد کر دیا بڈھے نے پھر اسی تہہ خانے میں بند کر دیا۔ اور لڑکیوں سے کہا اس کو روزانہ کوڑے مارا کرو۔ دوپہر کو بڈھے کی چھوٹی لڑکی لوستنا آئی اور اسد سے کہنے لگی کہ تم

ہراساں نہ ہونا میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میری بڑی بہن بھی مسلمان ہو گئی ہے۔ اب ہم تمہیں کوئی تکلیف نہ دیں گے۔ بلکہ جب موقعہ ملا یہاں سے رہا کر دیں گے تین چار روز اسد قید رہا۔ لیکن کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اسی عرصہ میں امجد وزیر اعظم کی تعلیم سے بادشاہ بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ اب مسلمان بالکل بے غم ہو گئے ایک روز امجد نے اعلان کرایا کہ جو اسد کا نام بتائے گا۔ یا لا کر حاضر کرے گا اس کو اتنا انعام دوں گا کہ زندگی بھر کوئی کام کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور اگر کسی نے اپنے پاس چھپا کر رکھا ہے تو تمام اہل و عیال سمیت قتل کر دیئے جائیں گے اس اعلان کو سن کر لوستنا تہہ خانے میں آئی اور اسد کو لے کر امجد کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جونہی امجد نے اسد کو دیکھا دوڑ کر اس سے لپٹ گیا پھر مفصل حالات سن کر اسد کو ہمراہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام واقعات گوش گزار کئے بادشاہ کے حکم سے وہ بوڑھا اور بہرام کپتان جہاز گرفتار کر لیے گئے۔ شناخت کے بعد بوڑھا آتش پرست قتل کر دیا گیا۔ بہرام مسلمان ہو گیا اس لیے چھوڑ دیا گیا۔ بوڑھے کی لڑکیوں کو امجد نے حسب وعدہ بہت انعام واکرام دیا بہرام دست بستہ ہو کر بولا۔ کہ میں ابھی چند روز ہوئے جزیرہ آبونی گیا تھا۔ وہاں آپ کے والد بہت پریشان تھے وہ اب تک یہی سمجھ رہے ہیں۔ کہ خدانخواستہ دونوں بھائی قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اسد و امجد نے فیصلہ کر لیا کہ فوراً والد کے پاس چلنا چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ سے اجازت لے کر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ دونوں بھائی ابھی روانگی کی تیاری کر رہے تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک لشکر قریب آ گیا ہے اور پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ بادشاہ امجد نے اپنے ایک افسر کو حکم دیا کہ جاؤ اور معلوم کر کے واپس آؤ کہ آنے والا کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ جب افسر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ مرجینا نامی عورت ہے جو کہ قریب کے جزیرہ کی حاکم وقت ہے۔ جس نے اسد کو میرے جہاز سے چھڑایا تھا اور اب مرجینا کو معلوم ہوا ہے کہ اسد کو قربانی کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔ وہ مطالبہ کرتی ہے کہ اسد کو واپس ہمارے حوالے کیا جائے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اسد یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں خود ملکہ سے ملوں گا جو کہ میری تلاش میں یہاں آئی ہیں۔ اور جن کا ذکر کہ میں نے اپنی داستان میں کیا تھا۔ دونوں بھائی ملکہ مرجینا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شفقت کا بہت بہت شکریہ ادا کیا مرجینا نے اسد کو سینے سے لگا لیا اور کہا کہ میں نے تو تم کو منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ پھر تمہیں تلاش کیوں نہ کرتی۔ بادشاہ امجد نے

مرجینا کو چند روز کے لیے بطور مہمان ٹھہرا لیا۔ دوسرے روز اطلاع آئی کہ ایک بادشاہ لشکر جرار کے ساتھ آیا ہے۔ حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ شاہ چین ہے اور بیٹی اور داماد کی تلاش میں آیا ہے۔ یہ سنتے ہی امجد و اسد دوڑے۔ امجد بادشاہ کے قدموں میں گر گیا اور کہنے لگا میں آپ کا نواسہ شہزادہ بدرالبدورا کا بیٹا ہوں۔ یہ میرا بھائی حیات النفس کا لڑکا ہے۔ شاہ چین نے دونوں کو سینے سے لگایا اور قمرالزمان اور بدرالبدورا کی نسبت دریافت کیا۔ امجد نے بتایا کہ وہ قریب ہی ایک جزیرہ میں حکومت کر رہے ہیں جب بادشاہ کو علم ہوا تو خود استقبال کر کے شاہ چین کو ساتھ لایا۔ اور دعوت کے انتظامات شروع کئے یہ لوگ ابھی اچھی طرح ملنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسری طرف سے دو لشکر آ گئے۔ ایلچی بھیجے گئے کون ہیں۔ تھوڑی دیر میں واپس آئے اور بتایا کہ ایک لشکر قمرالزمان شاہ آبونی کا اور دوسرا شاہزمان شاہ کا ہے۔

بچھڑوں کا ملاپ

یہ دونوں بھائی باپ اور دادا کی اطلاع پا کر بھاگے اور جا کر باپ کے قدموں میں گر گئے۔ باپ نے سینے سے لگایا اور وہ دیر تک روتا رہا۔ پھر مختلف حالات سن کر معہ بیٹوں کے باپ کے استقبال کو گیا۔ قمرالزمان کو دیکھ کر باپ بڑا خوش ہوا اور بیٹے کو سینے سے لگا کر بہت رویا۔ اور شکایت کی کہ بوڑھے باپ کو بھول گیا۔ قمرالزمان نے بیٹوں کو پیش کیا۔ وہ انہیں دیکھ کر بہت مسرور ہوئے پھر شاہ چین سے ملے۔

سب بچھڑے ہوئے مل کر بہت خوش ہوئے پانچ روز تک خوب جشن ہوتا رہا پھر سب بادشاہ اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے۔ اس جزیرے کے بادشاہ نے اپنا تاج و تخت دونوں بھائیوں کو دے دیا۔

بدرالبدورا اور حیات النفس اپنی غلطیوں پر بہت شرمندہ ہوئیں اور پھر دونوں بہنوں کی طرح رہنے سہنے لگیں۔ امجد اسد باری باری کبھی باپ کبھی نانا کے یہاں جاتے تھے۔ اسی طرح قمرالزمان بھی باپ اور سسر کے یہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ غرض سب پورے عیش و آرام کے ساتھ رہنے سہنے لگے۔

کہانی سنا کر شہرزاد خاموش ہو گئی صبح ہو چکی تھی۔ بادشاہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور ملکہ کا قتل آج بھی ملتوی رہا۔ دوسرے روز حسب معمول دینازاد نے کہانی کی فرمائش کی۔ چنانچہ شہرزاد نے ابن خاقان اور کنیز کا قصہ شروع کیا۔

نورالدین اور پارس کنیز

بصرے میں زین نامی ایک بادشاہ تھا۔ وہ خلیفہ ہارون الرشید کا خصول دار تھا۔ اس کے دو وزیر تھے۔ ایک خاقان۔ دوسرا سوی۔ بہت سخی خاقان حلیم الطبع اور شریف النفس تھا رعایا اس کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ لیکن سوی اس کے برعکس تھا کینہ توز اور ظالم تھا۔ لوگ اس سے ہمیشہ نالاں رہتے تھے۔ اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ خاقان سے حسد کرتا تھا۔ اور اسی فکر میں رہتا کہ کسی طرح خاقان کو بادشاہ اور رعایا کی نظروں سے گرا دوں۔ انہی دنوں شاہ بصرہ نے خاقان سے کہا کہ میرے لیے ایک کنیز منگاؤ۔ جو حسین ہو اور اچھی مغنیہ بھی۔ خاقان نے دلالوں اور سوداگروں کو حکم دیا کہ بادشاہ کے لیے ان صفات کی کنیز چاہیے ان لوگوں نے عرض کیا کہ اس وقت تو کوئی کنیز بادشاہ کے قابل موجود نہیں۔ لیکن جس وقت بھی کوئی کنیز آئی اطلاع کر دی جائے گی۔ چند روز بعد ایک سوداگر ایک باندی لے کر حاضر ہوا۔ خاقان نے اس کو دیکھا گانا سنا اور ہر طرح موزوں پا کر دس ہزار اشرفیوں سے زین شاہ کے لیے خرید لیا۔ سوداگر نے چلتے ہوئے کہا کہ اس کو ایک ہفتہ آرام کرنے کا موقعہ دیجئے گا۔ تاکہ سفر کی پژمردگی جاتی رہے اس کے بعد بادشاہ کے حضور پیش فرمایئے گا۔

خاقان نے کنیز کو گھر بھیج دیا اور خود بھی بیگم سے کہہ دیا۔ کہ یہ کنیز بادشاہ حضور کے لیے خریدی ہے احتیاط سے رکھنا اور ہر طرح کی خاطر داری کرنا۔ شام کو خاقان کا لڑکا نورالدین اسی پر فریفتہ ہو گیا دوسرے دن سے نورالدین گھر میں زیادہ ٹھہرنے لگا تو اس کی والدہ کو شبہ ہوا۔ اس نے بیٹے کو سمجھایا۔ کہ یہ بادشاہ کی کنیز ہے اس سے جتنا دور رہو اتنا ہی اچھا ہے اگر تمہارے والد کو خبر ہو گئی تو بہت ناراض ہوں گے۔ نورالدین یہ سن کر خاموش ہو گیا لیکن حسن افروز کنیز کا جادو اس پر چل چکا تھا۔ سمجھانے بجھانے سے کیا ہو سکتا تھا ایک روز نورالدین کی

والدہ حمام میں گئیں۔اور کنیز کو ایک کمرے میں اپنی چند کنیزوں کی سپردگی میں چھوڑ گئیں اور تاکید کردی کہ نورالدین کو اس کے پاس نہ آنے دینا۔نورالدین گھر میں آیا تو میدان خالی تھا باندیوں کو ڈرا دھمکا کر بھگا دیا اور خود کمرے میں جا کر حسن افروز کے وصل سے شاد ہو کر باہر چلا گیا۔باندیاں روتی ہوئی حمام میں بیگم خاقان کے پاس گئیں اور کل حال عرض کیا۔وہ غریب حیران و پریشان واپس آئی۔کنیز کو بلا کر پوچھا کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ تم بادشاہ کے لیے خریدی گئی ہو تو تم نے نورالدین کو کیوں نہ روکا کے حسن افروز نے عرض کی کہ مجھے کہتے تھے کہ والد نے مجھے اجازت دے دی ہے۔اور آج سے تم میری کنیز ہو چونکہ میں بھی ان کو چاہنے لگی تھی اس لیے ان کو کیا کہتی۔وہ خلوت کے طالب ہوئے اور جو چاہا کیا۔نورالدین کی والدہ نے کہا کہ میرے بیٹے نورالدین نے تم سے غلط بیانی کی ہے۔اب اگر اس کے والد کو علم ہو گیا کہ تم بادشاہ کے قابل نہیں ہو تو کیا عجب ہے۔وہ نورالدین کو گھر سے نکال دیں یا قتل ہی کر دیں اتنے میں خاقان بھی آ گیا اور اپنی بیوی کو پریشان دیکھ کر پوچھنے لگا کہ کیا بات ہے بیگم نے ڈرتے ہوئے سارا واقعہ بیان کیا۔خاقان بہت ناراض ہوا اور کہنے لگا۔اگر میرے حاسدوں کو اس واقعہ کا علم ہو گیا تو معلوم نہیں کیا کیا مصیبتیں کھڑی کر دیں گے۔میں نے اتنی تاکید کر دی تھی پھر بھی وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا۔بیوی نے کہا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔بادشاہ کے لیے دوسری کنیز منگا لو۔اگر کسی نے اطلاع بھی کر دی تو کہہ دینا کہ یہ کنیز آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے وزیر نے سوچا کہ ٹھیک ہے۔اسی وقت دلال کو بلا کر سخت سست کہا۔کہ تم نے بادشاہ کے قابل کنیز نہیں دی۔جلد سے جلد دوسری کنیز کا انتظام کرو۔اس عرصہ میں نورالدین بہت کم گھر آتا۔باپ کے خوف سے ادھر ادھر چھپا پھرتا تھا۔چند روز میں جب اس کا غضب ٹھنڈا ہوا تو وہ کنیز خاقان نے بیٹے ہی کو دے دی۔نورالدین حسن افراوز کے ساتھ عیش و آرام سے رہنے لگا۔اتفاقاً خاقان بیمار ہوا اور چند ہی روز میں انتقال ہو گیا۔مراسم تعزیت سے فارغ ہو کر نورالدین بالکل آزاد ہو گیا آوارگی مزاج میں پہلے ہی سے تھی اب کوئی روک ٹوک باقی نہیں رہی تھی۔ہر وقت مطلب پرست دوستوں کا مجمع رہتا۔عیاشی و شراب نوشی ہر وقت کا شغل تھی۔آخر سرمایہ ختم ہونے لگا۔حسن افروز نے ہر چند سمجھایا۔لیکن اب کیا ہو سکتا تھا جب کھانے پینے میں مشکلات پیش آئیں تو حسن افروز نے کہا کہ مجھے فروخت کر دیجئے۔کم از کم پانچ ہزار اشرفیاں ضرور مل

جائیں گی۔گو میں آپ سے الگ ہو کر زندہ نہیں رہوں گی۔لیکن اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں ہے بہت سوچ بچار کے بعد نورالدین نے دلال کو بلا کر کہا کہ میں اس کنیز کو فروخت کرنا چاہتا ہوں سوداگروں کو اطلاع کر دو۔کئی گاہک آئے اور چار ہزار تک قیمت پہنچ گئی۔کہ دفعتاً لینے والے ہٹ گئے ایک دلال کو نورالدین نے بلایا کہ سوائے وزیر کے سب کو منع کر دیا ہے کہ کوئی اس کو نہ خریدے میں خود اسے خریدنا چاہتا ہوں اب آپ مناسب سمجھیں تو پانچ ہزار میں وہ خریدتا ہے۔نورالدین نے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ اس کو تو میں بیس ہزار میں بھی نہیں دوں گا اگلے روز سوی خود نورالدین کے یہاں آیا اور زبردستی کنیز کو خریدنا چاہا۔نورالدین مقابلہ پر کھڑا ہو گیا اور اتنی پٹائی کی کہ ہوش درست ہو گئے۔ہنگامے کی آواز سن کر لوگ جمع ہو گئے۔لیکن چونکہ سوی سے سب نالاں تھے۔اس لیے کوئی درمیان میں نہ بولا۔نورالدین نے خوب مار کر سوی کو گھر سے نکال دیا۔وہ اسی حال میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور نورالدین کی شکایت کی۔اور بہت کچھ اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ان دنوں بصرے میں نورالدین کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔زین شاہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔

نورالدین اور سوی کی مار کٹائی

جو سپاہی اس کو پکڑنے جا رہے تھے ان میں منجر نام کا ایک سپاہی اس کے باپ کا ممنون احسان تھا اس نے نورالدین کو اطلاع کر دی کہ فوراً بصرے سے نکل جاؤ۔بطور زادراہ زرنقد بھی دیا اور راتوں رات حسن افروز کو لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔کئی روز سفر کے بعد بغداد پہنچا۔تو بہت ہی خستہ حال ہو رہا تھا۔ایک باغ میں دونوں بیٹھ گئے۔ہوا ٹھنڈی جو لگی تو وہیں دونوں ہم آغوش ہو کر سو رہے۔جس باغ میں حسن افروز اور نورالدین سو رہے تھے۔وہ خلیفہ ہارون الرشید کی عیش گاہ تھی۔اس وقت داروغہ باغ کہیں گیا ہوا تھا جب وہ واپس آیا اور دیکھا دو اجنبی بڑی بے تکلفی سے سو رہے ہیں۔

داروغہ نے کچھ دیر سوچا اور پھر آہستگی سے ان دونوں کے منہ کھول کر دیکھا تو حیران رہ

گیا۔ کیونکہ ماہ خورشید تھے داروغہ نے نورالدین کو بیدار کر کے سلام کیا۔ نورالدین نے سلام
کا جواب دے کر دو اشرفیاں نکالیں اور کھانے کے انتظام کے لیے عرض کیا۔ داروغہ نے
سلام کے بعد بخوشی قبول کیں۔ اوران کی رہائش کا انتظام شاہی بارہ دری میں کر کے خود
داروغہ شیخ ابراہیم کھانے کے انتظام میں منسلک ہوگیا۔ نورالدین اورحسن افروز باغ کی سیرو
تفریح کرتے رہے۔ اورشام کو دونوں نے شاہی بارہ دری میں شب باشی کی بہترین شمعیں
روشن تھیں ان کی روشنی میں۔ شیخ ابراہیم۔ نورالدین اورحسن افروز نے کھانے کے بعد میوہ
جات کھائے اورشراب کے دور جاری ہوئے۔ داروغہ جی نے بھی یکے بعد دیگرے چڑھانے
شروع کر دیئے اورمست وشار ہوگئے حسن افروز نے اپنی آواز میں گانا شروع کر دیا اوروہ
اس والہانہ انداز میں گائی کہ ان لوگوں کو وجد آ گیا۔ اس عیش وعشرت میں آدھی رات گزر
گئی۔ اتفاق سے خلیفہ نے اپنے محل سے بارہ دری کی روشنی کو دیکھ لیا۔

اوروزیر کو بلا کر دریافت کیا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ وزیر نے لاعلمی ظاہر کی۔ بادشاہ وزیر کو
ساتھ لے کر باغ میں آیا اورتھوڑے فاصلے پر ٹھہر گیا۔ حسن افروز ابھی تک گانے ہی میں محو
تھی خلیفہ کواس کا گانا پسند آیا اور کہنے لگا۔ اگر مجھے اس کا گانا پسند نہ آتا تو میں سب کو ضرور سزا
دیتا۔ کہ انہوں نے بلا اجازت کیسے قیام کیا۔

خلیفہ کا حسن افروز کا گانا سننا

اسی اثناء میں خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میں اس کے پاس جا کر گانا سننا چاہتا ہوں۔
وزیر نے خلیفہ کو منع کیا اور کہا کہ حضور! یہ لوگ آپ کے جانے سے خوفزدہ ہو جائیں گے اور
محفل درہم برہم ہو جائے گی بہتر یہی ہے کہ لباس تبدیل کر لیا جائے۔ بادشاہ وہاں سے
واپس محل کی جانب چلا۔ راستہ میں ایک ماہی گیر ملا۔

بادشاہ نے اس سے لباس تبدیل کر لیا اور دو مچھلیاں لے کر نورالدین کی محفل نشاط میں
پہنچ گیا۔ نورالدین اورحسن افروز خوش ہوئے اور ماہی گیر کو مچھلیاں تیار کرنے کا فوراً حکم
دیا۔ چنانچہ خلیفہ (ماہی) گیر باہر آیا اور جعفر اور مسرور جو کہ اس کے ساتھ تھے ان کی مدد سے

مچھلیاں تیار کیں اور جا کر نورالدین اور حسن افروز کے سامنے پیش کیں۔ چونکہ مچھلیاں
بہترین طریقہ سے پکائی گئی تھیں اس لیے نورالدین کو بہت پسند آئیں اور مزے لے کر
کھائیں نورالدین نے خوش ہو کر ماہی گیر کو کچھ اشرفیاں انعام میں دیں اور پھر گانا بجانا
شروع ہو گیا۔ خلیفہ بہت لطف اندوز ہوا اورنورالدین نے وجد میں آ کر اپنی کنیز بھی ماہی گیر
کو بخش دی۔ نورالدین کی اس حرکت پر حسن افروز کو بہت صدمہ ہوا۔ نورالدین اٹھنا ہی
چاہتا تھا کہ حسن افروز نے اپنا گانا سنانے کی امید پر درخواست کی کہ شاید نورالدین اپنی اس
بیوقوفی پر نادم ہو کر مجھے واپس لے لے۔

چنانچہ اس نے فراقیہ اشعار گائے۔ لیکن نورالدین ایسا نہیں تھا۔ کہ اپنی بات سے پھر
جاتا۔ خلیفہ نے کئی بار نورالدین کو روتے دیکھا اور سمجھ گیا کہ اس کو باندی سے عشق ہے۔
خلیفہ نے باتوں میں نورالدین سے سارا واقعہ دریافت کر لیا خلیفہ کے دل پر بہت اثر ہوا۔
اور کہنے لگا کہ شاہ بصرہ زین شاہ میرا دوست اور ہم جماعت ہے میں جو کچھ بھی اسے کہوں
گا۔ فوراً مان لے گا۔

بہتر ہے اور کہیں جانے کی بجائے واپس بصرہ جاؤ۔ شاید زین شاہ تمہارا قصور معاف
کر کے تاج بھی تمہارے سپرد کر دے۔ نورالدین اول تو ہنسا۔ لیکن ماہی گیر کے مجبور کرنے
پر شاہ بصرہ کے نام ایک خط لے کر تیار ہو گیا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

''شاہ زین بصرہ! یہ خط دیکھتے ہی بصرہ کا تاج وتخت نورالدین کے حوالے کر دیں۔''

اور نیچے اپنی مہر ثبت کر دی اور نورالدین کو خط دے کر کہا کہ ابھی بصرہ روانہ ہو جاؤ۔ نور
الدین کے جانے کے بعد داروغہ ابراہیم کو ماہی گیر نے جواب دیا۔ کہ اشرفیاں تو ساری تیری
ہیں لیکن کنیز میں حصہ نہ ہوگا اور اس پر ایک دوسرے میں جھگڑا ہو گیا۔ ماہی گیر آنکھ بچا کر
باہر آ گیا۔ اور موجودہ لباس اتار کر اصلی لباس میں معہ وزیر کے داروغہ جی کے سامنے آیا۔ یہ
موقعہ دیکھتے ہی داروغہ کا دم خشک ہو گیا اور خلیفہ کے پیروں میں گر گیا۔ خلیفہ نے اس کا قصور
معاف کیا۔ حسن افروز نورالدین کی وجہ سے بہت بے قرار تھی۔ اس پر خلیفہ نے اپنا بادشاہ
ہونا ظاہر کر کے کہا۔ کہ نورالدین کو میں نے بصرہ کا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے جب تاج وتخت
قبضہ میں آ جائے گا تمہیں بھی اس کے پاس بھیج دیا جائے گا۔ حسن افروز یہ سن کر بہت خوش
ہوئی اور خلیفہ کے ہمراہ محل چلی گئی۔ بادشاہ نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ اس کی اچھی طرح دیکھ

بھال کریں ایک دوست کی امانت ہے۔

ادھر نور الدین خلیفہ ہارون رشید کا خط لے کر بصرہ پہنچا۔ اور بادشاہ زین کے دربار میں پیش کر دیا۔ زین نے بڑی تعظیم وتکریم سے خط لیا اور سوی کو دیا کہ پڑھو۔ سوی نے خط دیکھا تو جل گیا اور دل میں خیال کیا کہ اگر یہاں کی حکومت نور الدین کو مل گئی۔ تو میری خیر نہیں چنانچہ اس نے بڑی ہوشیاری سے خلیفہ والا حصہ خط سے علیحدہ کر دیا۔ اور باقی خط بادشاہ کو سنا کر عرض کیا کہ خط جعلی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مہر ٹھیک نہیں ہے خلیفہ اگر ایسا حکم دیتے تو اپنا کوئی معتمد افسر ساتھ بھیجتے۔ اس کے علاوہ آپ کی کوئی شکایت بھی خلیفہ سے نہیں ہوئی جو وہ ایسا حکم دیتے۔ یہ سب نور الدین کی شرارت ہے۔ آپ نے چونکہ اس کی گرفتاری کے حکم فرما دیئے تھے غالباً یہ اس طرح کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ زین شاہ سوی کی باتوں میں آ گیا اور نور الدین کو گرفتار کر کے قید خانے بھیج دیا۔ نور الدین بیچارہ قید ہو گیا۔ لیکن سوی کی کینہ پروری اب بھی چین نہ پڑی۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ کانٹا ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔ چنانچہ برابر شاہ سے شکایت کرتا رہا کہ اس کو قتل کرا دیجئے۔ تا کہ آئندہ کوئی جرات نہ کر سکے۔

زین شاہ نے غصہ میں آ کر نور الدین کے قتل کا حکم دے دیا۔ سوی کی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی چنانچہ اس نے اعلان کرا دیا کہ کل بر سر عام نور الدین کو پھانسی دی جائے گی۔

دوسرے روز خلقت جمع ہو گئی۔ سوی نفس نفیس قتل کی نگرانی کرنے کے لیے موجود تھا۔ نور الدین تختہ دار پر لایا گیا جلاد نے پوچھا کہ آخری کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔ نور الدین نے پانی مانگا۔ پانی لا کر دیا۔ ابھی پانی پی ہی رہا تھا کہ ایک سوداگر آتا ہوا نظر آیا۔ مجمع کے قریب آیا تو دریافت کرنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ نور الدین کو پھانسی دی جا رہی ہے۔ سوار مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور سوی سے مخاطب ہو کر بولا۔ خلیفہ ہارون کے وزیر آئے ہیں۔ بیرون شہر ان کا لشکر آ چکا ہے اور نور الدین کے متعلق کوئی حکم ہے اس لیے پھانسی ملتوی کر دو۔ اور میرے ساتھ اس کو زین شاہ کے دربار لے چلو۔ سوی کے لیے اب کوئی چارہ کار نہ رہا۔ دل ہی دل میں آنے والے سوار کو برا بھلا کہتا رہا کہ اگر تھوڑی دیر نہ آتا تو اچھا تھا کہ اب نہ صرف نور الدین کو چھوڑ دیا جائے گا بلکہ بصرے کا حاکم بھی مقرر ہو جائے گا دیکھئے میرا کیا حشر ہو۔ اتنے میں وزیر کی سواری شہر میں آ گئی۔

اور شاہی دربار کی طرف چلی ادھر سوار نے نور الدین اور سوی کو ساتھ لیا اور دربار میں پہنچ گیا جونہی زین شاہ نے امیر المومنین کے وزیر کو دیکھا تخت سے اتر کر استقبال کیا۔ اور بہت تکریم کے ساتھ بٹھایا اتنے میں نور الدین بھی وہاں ہتھکڑی بیڑی پہنے ہوئے پہنچا۔ وزیر نے دریافت کیا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے؟

اس کو تو خلیفہ نے فرمان دے کر بھیجا ہے اسے تخت حکومت دے دیا جائے اور یہ یہاں گرفتار ہے۔ پھر نور الدین کو آزاد کرایا اور اپنے پاس بٹھایا اور کل واقعہ سنا تو انتہائی ناراضگی کے عالم میں سوی کو گرفتار کر لیا گیا اور زین شاہ کو خلیفہ کے حکم سے آگاہ کیا اور نور الدین کو تخت پر بٹھا کر خود معہ سوی اور زین شاہ کے بغداد واپس آیا۔

وزیر نے آ کر نور الدین کو آزاد کرایا

اور خلیفہ کے سامنے ان دونوں کو پیش کر کے عرض کیا کہ اگر میں ایک ساعت بھی دیر سے پہنچتا تو نور الدین قتل ہو چکا ہوتا خلیفہ کو بہت ناگوار گزرا۔ اس نے زین شاہ سے پوچھا کہ تم نے کیوں حکم عدولی کی؟ زین شاہ نے کل سچا واقعہ عرض کر دیا کہ میرے وزیر نے امیر المومنین کے حکم میں کوئی گڑ بڑ کر دی اور مجھے بہکا دیا۔ ورنہ نور الدین کو بلا کر دریافت کر لیا جائے۔ بلکہ میں تو اسی وقت تعمیل حکم کو تیار تھا۔ خلیفہ نے سوی کو تو اسی وقت قتل کرا دیا اور زین شاہ کو معاف کر دیا اور نور الدین کو خواہش پر دوبارہ حاکم بنا کر بصرہ بھیج دیا۔ نور الدین بغداد آ گیا خلیفہ نے حسن افروز اسی کو بخش دی۔ اور ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا نیز اجازت دے دی۔ کہ دربار خلافت میں آتے رہا کر۔ نور الدین حیران تھا کہ خلیفہ کا وزیر عین وقت پر پہنچا۔ اس نے حسن افروز سے بھی ذکر کیا۔ حسن افروز کہنے لگی کہ تمہارے بصرہ جانے کے بعد کئی روز تک اطلاع نہ ملی تھی۔ میں بہت پریشان تھی۔ ایک دن بیٹھی ہوئی فراقیہ شعر گا رہی تھی۔ کہ خلیفہ تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے کا خادم نور الدین کا کچھ پتہ نہ چلا اس وقت خلیفہ کو یاد آیا اور انہوں نے وزیر کو بھیجا۔

نور الدین نے بغداد میں ایک خوبصورت مکان لے لیا اور حسن افروز کے ساتھ

شریفانہ زندگی گزارنے لگا۔ نورِ صبح ظاہر ہو چکا تھا۔ شہر یار بستر استراحت سے اٹھا اور
حاجات ضروریہ میں مشغول ہو گیا۔ اور شہرزاد کے قتل کا حکم نہیں دیا گیا۔ آئندہ شب دینازاد
نے پھر شہرزاد سے کہانی کی فرمائش کی تو شہرزاد نے دوسری کہانی شروع کی۔

ایران کا شہزادہ اور جواہر شہزادی

کسی زمانے میں ایران کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام شاہزمان تھا۔ سو سے زیادہ
کنیزیں اور بیگمات اُس کے حرم سرا میں تھیں۔ لیکن اولاد کسی کی نہ تھی۔ لیکن اس کو لڑکے کی
بہت تمنا تھی۔ ایک روز ایک تاجر کنیزیں لایا۔ ان میں ایک کنیز اتنی خوبصورت تھی کہ بادشاہ
نے عمر بھر ایسی عورت نہ دیکھی تھی شاہ زمان اس کو دیکھ کر عاشق ہو گیا اور دس ہزار دینار دے
کر خرید لیا۔ چند روز کنیز کو بااعزاز محل میں رہنے کا حکم دیا۔ تا کہ سفری تھکاوٹ دور ہو جائے
اس عرصہ میں بھی بادشاہ روز کنیز کے پاس جاتا گفتگو کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن وہ خاموش
رہتی اور کسی بات کا جواب نہ دیتی تھی۔ شاہزمان کی محبت برابر بڑھتی رہی اور عشق جنون کی
حد پر جا پہنچا۔ مگر وہ کنیز منہ سے نہ بولی۔ شاہزمان نے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے
لیے اس کو آزاد کر دیا اور باقی تمام کنیزوں کو انعام و اکرام دے کر آزاد کر کے رخصت کر دیا۔
بیگمات کو بھی چھوڑ دیا اور اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں نکاح کر لیں۔ یہ سب کچھ
ہوا۔ لیکن نئی کنیز بدستور چپ رہی۔

شاہزمان دن رات پروانہ وار نثار رہتا۔ سینکڑوں غلام و کنیزیں خدمت میں موجود
رہتیں۔ غرض دل جوئی میں کوئی شکل ایسی نہ تھی۔ جو بادشاہ نے استعمال نہ کی ہو۔ آخر ایک
روز یہ سوچا کہ اس سے عقد کر کے قرب حاصل کروں۔ ممکن ہے اس وقت ہی مہر خاموشی
ٹوٹے شادی کر لی اور شب عروسی میں وہ چاہا کہ وہ بات کرے۔ لیکن اس نے منہ نہ کھولا۔
بادشاہ جب قربت سے فارغ ہوا تو اس کو محسوس ہوا کہ زندگی کا آج جو حظ ملا ہے۔ وہ کبھی
تصور میں بھی نہ آیا تھا۔ شاہزمان ایک شب باشی میں اس کا سو گنا گرویدہ ہو گیا اسی حالت
میں دو تین ماہ گزر گئے ایک روز بادشاہ نے بڑی محبت سے اس کنیز کو جواب بیگم بن چکی تھی کہا

کہ تمہاری محبت اور حسن سلوک نے مجھے بہت متاثر کیا میری التجا ہے کہ اپنا منہ کھولو اور حال
سناؤ۔ بیگم نے بادشاہ کی التجا سے متاثر ہو کر لب گفتار کی کہ میں ایک بحری بادشاہ کی لڑکی
ہوں۔ میرا نام گلنار ہے۔ والد کا انتقال ہوا تو ہمارے قریب کے دریائی بادشاہ نے حملہ
کر دیا۔ میرے بھائی ملک صالح نے مقابلہ کیا شروع میں ہم لوگ مغلوب ہو گئے تھے۔ لیکن
دوبارہ حملہ کر کے بھائی نے اپنی سلطنت واپس لے لی۔ اسی دوران میں بھائی سے ایک
بات پر میری لڑائی ہو گئی میں دریا سے نکل کر خشکی پر آ گئی شروع شروع میں جزیرہ قمر میں
نے قیام کیا۔ وہاں ایک شخص آیا مجھے اپنے گھر لے گیا اور شادی کرنی چاہی میں نے انکار کیا
اور اس کو سمجھایا کہ میں بحری مخلوق ہوں۔ میرا تمہارا کیا ساتھ۔ لیکن وہ بیوقوف نہ مانا اور
زبردستی کرنی چاہی تو میں نے اس کو ایسی سزا دی کہ زندگی بھر فراموش نہیں کرے گا۔ مجبور ہو
کر اس نے مجھے کچھ نہ کہا اور تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جو آپ کے پاس لایا تھا۔ وہ نیک
آدمی تھا۔ اس نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ آپ کے پاس آ کر بھی میرا ارادہ یہی تھا کہ آپ نے
کوئی دوسرا طریقہ استعمال کیا تو سختی سے پیش آؤں گی۔ لیکن یہاں تمہاری محبت نے مجھے
جیت لیا۔ میں نے وہ مہربانی دیکھی کہ تم نے اپنی بیگموں اور کنیزوں کو میرے لیے چھوڑ دیا
اور پھر بھی میرے ساتھ تمہارا تعلق والہانہ تھا میرے دل میں تمہاری محبت بڑھتی گئی چنانچہ
میں نے اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیا۔ آج مجھے اپنے عزیز یاد آ رہے ہیں۔ اور جی
چاہتا ہے کہ ان کو بلاؤں اور تم سے ملاؤں شاہزمان نے کہا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہے
کرو۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ تمہارے بغیر میرا جینا مشکل ہو گا۔ گلنار نے بادشاہ کے سینہ پر اپنے سر کو
رکھتے ہوئے کہا کہ تم خواہ مخواہ وہم کیوں کرتے ہو۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتی جب میں
نے شادی منظور کر کے اپنی عزت تمہاری نظر کر دی۔ اب باقی کیا رہا میں خود بھی زندگی بھر تم
سے جدا نہیں رہنا چاہتی۔

دونوں اس طرح راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔ بادشاہ کی دو آرزوئیں ایک ساتھ
پوری ہو گئیں۔ یعنی ملکہ امید سے بھی تھی اور گفتگو بھی کرنے لگی تھی اس کے بعد گلنار نے
انگیٹھی میں آگ روشن کی اور صندل کا برادہ جلا جلا کر کچھ پڑھتی رہی۔ بادشاہ کو اس نے
قریب کے کمرے میں ایسی جگہ بٹھا دیا تھا۔ جہاں سے وہ سب کو دیکھ سکے۔ جس محل میں یہ
لوگ رہتے تھے۔ وہ بالکل لب دریا تھا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ دریا کے پانی میں ایک تلاطم پیدا

ہوا۔ پھر ایک طلائی بالوں والا جوان اور پانچ خوبصورت لڑکیاں اور ان سب کی ہم شکل ایک بوڑھی عورت پانی سے نکلے اور محل میں سیدھے اس جگہ پہنچے جہاں گلنار بیٹھی تھی۔ گلنار ان کو دیکھ کر تعظیم کے لیے کھڑی ہوگئی۔ سب گلنار سے ملے اور دیر تک پیار سے اس کو سینے سے لگائے رکھا۔

بحری شہزادی کی اپنے عزیزوں سے ملاقات

بوڑھی عورت نے پوچھا کہ بیٹی تم اتنی مدت تک کہاں رہی اور ہمیں کیوں اپنے حالات سے بے خبر رکھا۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ تمہاری جدائی میں کیا گزری۔ تمہارے بھائی نے زیر بحر کوئی ملک نہیں چھوڑا۔ جہاں تجھے تلاش نہیں کرایا۔ وہ اس وقت کو یاد کر کے روتا رہا۔ جب تم سے معمولی بات پر جھگڑا کر بیٹھا تھا گلنار نے سر جھکایا اور کہنے لگی جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب میں آپ سے اور بھائی جان سے معافی چاہتی ہوں ملک صالح نے اپنی بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار کیا۔ اور کہنے لگا نہیں بہن! غلطی میری تھی اور مجھے امید ہے کہ تم نے بھی معاف کر دیا ہوگا۔ خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ آج تم ہم سے مل گئی ہو اور میں چاہتا ہوں کہ ہمارے ساتھ اپنی سلطنت چلو۔ بادشاہ نے جب ملک صالح کا یہ مشورہ سنا تو زمین پیروں تلے سے نکل گئی کیونکہ وہ گلنار کو پیار کرنے لگا تھا۔ اس کے بغیر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ گلنار نے کہا کہ حالات نے مجھے اس ملک کے بادشاہ تک پہنچا دیا اور وہ مجھ سے محبت کرنے لگا۔ اپنی تمام بیگمات کو اس نے چھوڑ دیا اور مجھ پر بے حد احسانات کیے۔ چنانچہ میں اس کو چاہنے لگی اور شادی کر لی۔ اب میرا جانا دشوار ہے شاید میں اس کی جدائی برداشت نہ کرسکوں۔ لیکن ملنے جلنے کے لیے حاضر ہوتی رہوں گی۔ اور آپ سب بھی تشریف لا کر میری عزت افزائی کرتے رہا کیجیے۔ گلنار کا یہ جواب سن کر بادشاہ کو اطمینان ہوگیا۔ لیکن گلنار کی بہنیں آبدیدہ ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ خدا کی مرضی یوں تھی کیا ہوسکتا ہے ملک صالح اور اس کی والدہ نے گلنار کو کہا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں ہم سب ان سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ گلنار اٹھ کر بادشاہ کو اپنے ہمراہ لائی۔ سب لوگوں نے بڑی محبت سے

ملاقات کی۔ ملک صالح نے اس حسن سلوک کے لیے جو بادشاہ نے گلنار سے کیا تھا۔ شکریہ ادا کیا۔ گلنار کی والدہ نے اپنے داماد کو بہت پیار و محبت سے سینے سے لگایا۔ بادشاہ نے ان کی تشریف آوری پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اور کہنے لگا کہ شہزادی نے مجھے نوازا یہ ان کی ذرہ نوازی ہے۔ حقیقتاً میں اس قابل نہ تھا میں زندگی بھر ان کی خوشنودی مزاج کے لیے کوشش کرتا رہوں گا آپ لوگوں سے عزیز داری باعث صد افتخار ہے اور مجھے امید ہے کہ کبھی کبھی غریب خانے کو اپنی آمد سے شرف ملاقات بخشتے رہیں گے۔

ملک صالح بادشاہ کی گفتگو سن کر بہت خوش ہوا کہ بڑا صالح اور قابل آدمی ہے پھر دستر خوان چنا گیا اور سب نے ایک ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ تین روز تک بادشاہ نے سب کو مہمان رکھا اور خاطر و مدارات میں ایسا مبالغہ کیا کہ شاہان ہفت اقلیم نہ کر سکتے۔ اس کے بعد سب رخصت ہو کر جانے لگے۔ تو گلنار نے ماں کو بتایا کہ میں امید سے ہوں وقت ضرورت آپ کو اطلاع دوں گی۔ ملک صالح وغیرہ جس طرح آئے تھے۔ اسی طرح واپس چلے گئے باشاہ اور گلنار کی زندگی بڑے پیار و محبت سے بسر ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ولادت کا وقت آ گیا خدا نے چاند سا بیٹا دیا اس کا نام بدر رکھا گیا۔ بادشاہ نے بہت مال و دولت تقسیم کیا۔ اور تمام حدود مملکت میں جشن منانے کا حکم جاری کر دیا گلنار کے بھائی بہنوں کو بھی اطلاع ملی۔ وہ سب بھانجے کو دیکھنے کے لیے آئے اور کئی روز مقیم رہے۔ مگر ملک صالح ایک روز بدر کو لیے ہوئے ٹہل رہے تھے کہ دفعتاً دریا میں معہ بچے کے کود گئے۔ بادشاہ بہت حیران ہوا لیکن گلنار نے ہنس کر کہا۔ کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ بچے کو اندرون دریا کی سیر کرا کے لے آئیں گے اور آئندہ پھر بچے کو دریا میں کود جانے سے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

ماموں کا بھانجے کو لے کر دریا میں کود جانا

تھوڑی دیر میں ملک صالح بچے کو لیے ہوئے واپس آئے اور ایک صندوقچہ جواہرات سے بھرا ہوا بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ یہ عزیزی بدر کی رونمائی ہے۔ بادشاہ نے جواہرات ملاحظہ کیے تو ان کی مملکت سے بھی زیادہ قیمتی تھے۔ بادشاہ نے گلنار کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگی۔ کہ ماموں اپنے بھانجے کو اگر کچھ دیتے ہیں تو آپ کو یا مجھے کیا

اعتراض ہے۔ ملک صالح نے کہا کہ بھائی صاحب میری بہن پر آپ کی بڑی عنایات ہیں اور وہ آپ کو دل و جان سے چاہتی ہے۔ اگر میں دریا کے کل مروارید بھی لا کر نذر کر دوں تو آپ کے احسان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ نے وہ جواہرات شکریہ کے ساتھ رکھ لیے پھر ملک صالح نے کہا زیر دریا دوسرے عزیز بھی گلنار کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو اپنے ساتھ لیتا جاؤں۔ شاہزمان نے خندہ پیشانی سے اجازت دے دی۔ اور کہا کہ ملکہ تو خود مختار ہے۔ پابند نہیں۔ اگر پابندی ہے تو میرے لیے کہ میری زندگی ان کے قرب سے وابستہ ہے۔ گلنار نے دیکھا کہ بادشاہ کا چہرہ اتر گیا ہے اس نے تنہائی میں اپنے شوہر کو بلایا اور گردن میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگی کہ تم رنجیدہ نہ ہو میں زیادہ دن نہیں رہوں گی مجھے تمہاری جدائی خود بھی بہت شاق ہے۔ لیکن بہن بھائیوں کے اصرار کی وجہ سے جا رہی ہوں اس کے بعد وہ سب کے ساتھ دریا میں کود کر غائب ہو گئی اور تین دن بادشاہ نے بڑے کرب و اضطراب میں گزارے چوتھے روز وہ اداس بیٹھا تھا کہ گلنار ہنستی ہوئی آئی اور اپنے شوہر کے سینے سے لپٹ گئی۔ بادشاہ دیر تک اس کو اور بچے کو پیار کرتا رہا۔ اب یہ سب راحت و آرام سے رہنے سہنے لگے گلنار کے عزیز رشتہ دار بھی کبھی ملنے آتے گاہے بگاہے گلنار بھی ایک دو دن ہو آتی۔ بدر جب ہوشیار ہوا تو اس کی تعلیم و تربیت کے لیے بہترین استاد مقرر کیے اسی طرح پندرہ سال گزر گئے اور تعلیم و تربیت حاصل کر کے بدر ایک جوان صالح بن گیا۔ بادشاہ نے تاج و تخت بدر کے حوالے کر دیا۔ اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔ بدر نے اپنی قابلیت اور رحم دلی سے ساری رعایا کو اپنا گرویدہ بنا لیا اسی دوران شاہزمان بیمار ہوا۔ اور ہر ممکن علاج و معالجہ کے باوجود حکم الٰہی پورا ہوا اور انتقال ہو گیا۔ چالیس روز تک صف ماتم بچھی رہی۔ گلنار کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ بدر باپ کے لیے دن رات روتا۔ ایک دن ملک صالح آیا اور بہن کو تسلی و تشفی دے کر سمجھایا کہ اس طرح سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ تمہیں اپنا نہیں تو بدر کا ہی خیال کرنا چاہیے۔ وہ جواب قابل صالح ہے حکومت کو سنبھال لے گا گلنار نے بھی سوچا کہ بھائی ٹھیک کہتا ہے چنانچہ سوگ ختم ہوا۔ اور بدر کے ساتھ انتظام سلطنت میں مصروف ہو گئی بدر حسب قاعدہ دربار کرتا امراء وزراء حاضر ہوتے اور سب لوگ اپنی داد کو پہنچتے۔ بدر کی عمر اب سترہ سال ہو چکی تھی وہ بڑا تنومند جوان تھا۔ بری و بحری خون کے امتزاج نے جہاں اس کو اوسط انسان سے بہت زیادہ تنومند خوبصورت بنا دیا تھا۔ وہیں اس

کے بازو بھی غیر معمولی طور پر مضبوط تھے۔ ایک روز ملک صالح اپنی بہن کے پاس آیا۔ کھانے کے بعد جب بدر سونے کے لیے لیٹ گیا اور یہ خیال گزرا کہ وہ سو چکا ہے۔ تو ملک صالح نے بہن سے اس کی شادی کا ذکر چھیڑا۔ کئی شہزادیوں کا ذکر چھیڑا۔ لیکن گلنار ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب نکالتی رہی۔ ملک صالح نے کہا کہ جب کوئی لڑکی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو آخر اس کی شادی کہاں کرو گی؟

میں نے تمام دریائی شہزادیاں گنوا دیں۔ صرف ایک سمندر کی لڑکی رہ گئی ہے۔ اس کا ذکر میں نے خود نہیں کیا۔ کیونکہ وہ بہت مغرور ہے۔ گلنار کہنے لگی کہ کیا تم جواہر کا ذکر کرتے ہو ملک صالح نے کہا ہاں! دیکھو میں اس کی تصویر بھی لایا ہوں۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا جانے کیا سمجھتی ہے؟ بیسیوں جگہ سے رشتے آ چکے ہیں لیکن وہ برابر جواب دیئے جاتی ہے۔ گلنار نے تصویر لے کر دیکھی پھر بھائی سے کہنے لگی۔ لڑکی تو میرے بدر کے جوڑ کی ہے میں اس سے شادی کروں گی آپ کوشش کر کے دیکھیں۔ ملک صالح نے کہا بہت مشکل کام ہے مجھے امید نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد دونوں بہن بھائی سو گئے ان لوگوں نے تو سمجھا تھا کہ بدر سو گیا ہے۔ لیکن وہ جاگ رہا تھا اپنی شادی کا ذکر سن کر خاموش لیٹا رہا اور ماں کے سرہانے رکھی ہوئی جواہر شہزادی کی تصویر دیکھی۔ اور ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ وہ رات بدر نے بڑے کرب و اضطراب میں گزاری صبح کو ملک صالح اپنے ملک جانے لگا تو بدر نے باصرار روک لیا دوپہر کا کھانے کا وقت آیا تو بمشکل دو چار لقمے اٹھا کر اٹھ گیا۔ ملک صالح کو شبہ ہوا کہ شاید اس نے رات کو گفتگو سن لی۔ تعجب نہیں کہ تصویر دیکھ کر جواہر پر عاشق بھی ہو گیا ہو۔ چنانچہ وہ بدر کو شکار کے بہانے باہر لے گیا اور اصل واقعہ معلوم کر لیا۔ اس کے بعد بدر نے کہا کہ چلو میں گلنار سے اجازت لے کر تمہیں اپنے ساتھ لے چلتا ہوں اور امکانی کوشش بھی کروں گا۔ بدر کہنے لگا والدہ کبھی اجازت نہیں دیں گی اور حکومت کی ذمہ داریوں کا عذر کر دیں گی آپ بلا اطلاع مجھے لے چلیئے۔ ملک صالح نے کہا اچھا آؤ چنانچہ دونوں دریا میں کود کر ملک صالح کے مکان میں پہنچ گئے۔ وہاں ممانی اور خالاؤں نے بڑی محبت سے آؤ بھگت کی۔ گلنار کی خیر و عافیت پوچھی۔ ملک صالح ماں کو ایک طرف لے گیا اور سارا قصہ سنایا اور کہنے لگی۔ تم نے برا کیا ملک سمندال بڑا خود سر ہے شاید منظور نہ کرے۔ ملک صالح نے کہا اب جو کچھ بھی ہو میں بدر کی دل شکنی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ جاتا ہوں اگر سیدھی طرح مان گیا تو

اچھا ورنہ اس کے ملک کو برباد کردوں گا اور زبردستی جواہر کو لاکر بدر سے شادی کردوں گا۔
ماں سے مشورہ کر کے ملک صالح نے بہت سے تحائف ساتھ لیے اور بقدر ضرورت فوج
کا انتظام کر کے ملک سمندال سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ ملک سمندال کو معلوم ہوا کہ
ملک صالح ملنے آ رہے ہیں اس نے ادب کے طور پر استقبال کیا اور تشریف آوری کی وجہ
دریافت کی۔ ملک صالح نے تحائف پیش کر کے رشتہ کی خواہش ظاہر کی تو ملک سمندال کو
غصہ آ گیا اور کہنے لگا میں تو تمہیں عقل مند اور دانا سمجھتا تھا۔ لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ کیا تم مجھ
جیسے بادشاہوں کے یہاں رشتہ کرنے کے قابل ہو۔ ملک صالح کو ناگوار تو گزرا لیکن ضبط
کر کے کہا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی میں اپنے بھانجے کے لیے رشتہ طلب کر رہا ہوں۔ جو شاہ
ایران کا لڑکا ہے خشکی میں اس کی حدود سلطنت کسی بڑے سے بڑے دریائی بادشاہ سے کم
نہیں اور عرض یہ ہے کہ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ بہر حال آپ لڑکی کا رشتہ کہیں
نہ کہیں ضرور کریں گے۔ اگر میں نے بھی درخواست پیش کر دی تو کیا نادانی ہے ملک سمندال
حقیقتاً بڑا مغرور قسم کا بادشاہ تھا غصہ میں ملازمین کو حکم دیا کہ ملک صالح کو نکال دیں۔ ملک
صالح نے دیکھا کہ معاملہ بگڑ گیا ہے تو خود ہی اٹھا اور باہر آ کر اپنی فوج کو حکم دیا کہ ملک
سمندال کے شہر پر حملہ کر دیں چنانچہ اچانک فوج آ پڑی۔ سمندال گرفتار ہو گیا اور اس سے
پہلے اس کی فوج سنبھلتی ملک صالح کو اپنے ملک سے مزید کمک پہنچ گئی چنانچہ اس نے پورے
علاقے پر قبضہ کر لیا۔ شہزادی جواہر کو جب واقعات کا علم ہوا۔ تو وہ چند خواصوں کے ساتھ
بھاگی اور غیر آباد جزیرے میں چھپ گئی۔ جب اس جنگ کا چرچا بدر کو معلوم ہوا تو وہ بھی
ماموں کی امداد کے خیال سے روانہ ہوا۔ لیکن راہ کی ناواقفیت کی بنا پر ادھر ادھر پھرتا
رہا۔ سمندال کے ملک پر نہ پہنچا پریشان ہو کر دریا سے باہر آیا۔ تو اتفاقاً اسی جزیرے کے
کنارے آ نکلا۔ جہاں جواہر سمندال چھپی ہوئی تھی۔ بدر باہر نکل کر ایک درخت کے نیچے
بیٹھ گیا۔ اوپر جو نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک حسین وجمیل ماہ پارہ لڑکی پتوں میں چھپی ہوئی بیٹھی
ہے۔

بدر نے آواز دے کر نیچے بلایا اور تسلی دی کہ یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ تم مجھے اپنا حال
بتاؤ۔ ممکن ہے کہ میں کوئی خدمت کر سکوں۔ جواہر حوصلہ پا کر نیچے آئی اپنا حال بتایا کہ میں
سمندال کی لڑکی ہوں۔ ہمارے ملک پر غفلت کے عالم میں ملک صالح نے حملہ کر دیا۔

شہزادی جواہر کا درخت پر چھپنا

والد قید ہو گئے ہیں اور میں بھاگ کر یہاں چلی آئی۔ بدر کو جب معلوم ہوا کہ یہ تو وہی
لڑکی ہے جس کی وجہ سے سب یہ خون خرابہ اور جنگ ہوئی ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور جواہر کا
حسن دیکھ کر اور بھی زیادہ مائل ہو گیا۔ پھر بدر نے اپنا کل حال بتایا اور کہا کہ میری شادی کے
لیے یہ سب جھگڑا ہوا ہے اور میں ہی ملک صالح کا بھانجا ہوں۔ یہ سن کر جواہر دل میں بہت
جھلائی اور سوچنے لگی کہ ہمارے ملک کی بربادی اس کی وجہ سے ہوئی۔ اس کو سزا دینی
چاہیے۔ چنانچہ اس نے پہلے تو شرما لجا کر ناز و انداز دکھائے اور اس نے بدر کو غافل پایا تو کچھ
افسوں پڑھ کر اس پر دم کیا اور حکم دیا کہ سفید پر سرخ پنجے اور زرد چونچ والی چڑیا بن جا۔ بدر
اسی وقت چڑیا بن گیا۔ جواہر نے پکڑ کر ایک خواص کے سپرد کیا اور کہنے لگی کہ جی تو چاہتا ہے
کہ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں۔

لیکن والد اس کے ماموں کے پاس قید ہیں۔ اس لیے فی الحال قتل نہیں کرتی۔ تو اس کو
لے جا کر تلان خشک جزیرے میں چھوڑ آ۔ کنیز چڑیا کو لے کر چلی۔ لیکن شہزادے کی حالت
اور خوبصورتی کو یاد کر کے اسے رحم آیا۔ اور اس نے ایک آباد جزیرے میں چھوڑ دیا۔ ملک
سمندال جب گرفتار ہو چکا تو جواہر شہزادی کو بہت تلاش کیا لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔

مجبوراً سمندال کو لے کر اپنے ملک میں آیا وہاں آ کر بدر کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا
کہ اس کا بھی پتہ نہیں ملک صالح نے ہر طرف ملازم روانہ کئے لیکن باوجود کوشش کے کوئی
سراغ نہ ملا۔ اسی دوران گلنار آ گئی اور بدر کا حال پوچھا کیونکہ وہ بغیر اطلاع چلا آیا تھا جب
اسے معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوئی۔ لیکن بھائی بہنوں نے تشفی دی کہ تم فکر نہ کرو۔ جہاں
کہیں بھی ہو گا ہم تلاش کر کے لائیں گے۔ گلنار تو اس خیال سے واپس چلی گئی کہ انتظام
سلطنت میں کوئی خرابی نہ پیدا ہو جائے لیکن ملک صالح برابر بدر کی تلاش میں مصروف رہا۔

بدر جزیرے میں چڑیا بنا اڑتا پھرتا تھا۔ کہ اتفاقاً شکاری کی نظر پڑ گئی۔ اس نے دانا بچھایا
اور اس کو پکڑ لیا۔ جب وہ شکاری اس کو لے کر چلا۔ تو بہت سے لوگوں نے خریدنا چاہا لیکن

شکار نے انکار کر دیا کہ میں اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ ایسی چڑیا اس جزیرے میں اج تک نہیں دیکھی گئی اور کافی انعام ملنے کی امید ہے۔ جب بادشاہ کے سامنے وہ چڑیا پیش ہوئی۔ تو بادشاہ نے بہت پسند کیا اور شکاری کو معقول انعام دے کر چڑیا لے لی۔ شام کو بادشاہ نے بیگم کو بلایا کہ دیکھو کیسی عجیب وغریب چڑیا خریدی ہے۔

ملکہ کی جونہی نظر پڑی تو منہ پھیر لیا اور کہنے لگی کہ یہ چڑیا نہیں بلکہ ملکہ گلنار کا لڑکا ایران کا بادشاہ ہے اس کو جواہر بنت سمندال نے چڑیا بنایا ہوا ہے۔ بادشاہ بہت متعجب ہوا اور بیگم سے کہنے لگا کہ اگر ممکن ہو تو اسے اصلی صورت پر لا دو۔ ملکہ نے اسی وقت کچھ پڑھ کر پانی دم کیا اور بادشاہ کو دیا کہ اس چڑیا پر ڈال دیجئے اور حکم دیجئے کہ اصلی صورت میں آ جاؤ۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ ایسا کرتے ہی بدر اپنی اصلی صورت پر آ گیا۔ بادشاہ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ بدر نے دونوں کا شکریہ ادا کیا۔ چند روز وہاں مہمان رہا۔ اور بادشاہ سے اجازت لے کر ایک جہاز میں سوار ہو کر ایران کی طرف روانہ ہوا۔ دس بارہ روز جہاز اطمینان سے چلتا رہا لیکن اس کے بعد ایک روز دفعتاً بہت زور کا طوفان آیا جہاز پارہ پارہ ہو گیا۔ اکثر آدمی غرق ہو گئے چند آدمی تختوں کے سہارے بچ گئے۔ انہی میں بدر بھی تھا کئی دن تک ادھر ادھر تیرتے رہے اس کے بعد یہ تختہ کنارے پر جا لگا بدر اس سے اتر کر خشکی پر آیا۔ خدا کا شکر ادا کیا پھر درختوں کے پتے اور کچھ جنگلی پھل کھا کر پانی پیا۔ جب توانائی آ گئی تو آبادی کی تلاش میں آگے کی طرف روانہ ہوا۔ دو دن یونہی جنگلی پھل پھول کھاتا چشموں کا پانی پیتا ایک شہر کے قریب پہنچا اور خوش خوشی اندر جانے لگا۔ تو چاروں طرف سے جانور اس کو روکنے لگے جدھر بڑھتا وہ اسے اپنے سینگوں سے مارنے دوڑتے۔ خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے شہر کے اندر داخل ہوا۔ اندر آ کر بدر نے دیکھا کہ شہر میں ایک بھی جوان یا ادھیڑ عمر نہیں صرف بوڑھے ہی بوڑھے ہیں۔ اسے بہت تعجب ہوا۔ دل میں سوچا کہ ضرور کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ میں نے بڑی غلطی کی ان جانوروں کے روکنے کو نہ سمجھا۔ یہی سوچتا ہوا جا رہا تھا کہ ایک بوڑھا جو دوکان پر بیٹھا تھا۔ اس کو آواز دی۔ بدر قریب گیا سلام کر کے دوکان پر بیٹھ گیا بوڑھے نے کہا کہ او جان ہار۔ کیا شہر سے باہر جانوروں نے تمہیں نہیں روکا بدر نے کہا روکا تھا لیکن میں بچ گیا۔ نکل آیا۔ بڑے میاں کہنے لگے اندر آ جاؤ مجھے تمہاری جوانی پر رحم آ رہا ہے تم یہاں کس مصیبت میں آ پھنسے ہو۔

بدر خوف کے مارے اندر چھپ کر بیٹھ گیا۔ پھر بوڑھے کو ساری اپنی داستان سنائی کہ یہاں کس طرح آنا ہوا۔ بڑے میاں نے کہا خیر جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ یہاں کی ملکہ ساحرہ ہے اور بہت بد چلن و آوارہ ہے جس جوان اور خوبصورت آدمی کو دیکھتی ہے اپنے محل میں لے جاتی ہے۔ اور جب تک اس کا جی نہیں اکتاتا اپنے پاس رکھتی ہے اور اتنی چاہت ظاہر کرتی ہے کہ وہ شخص ملکہ کا گرویدہ ہو جاتا ہے اس کے بعد جب ملکہ کی طبیعت سیر ہو جاتی ہے تو اس کو جانور بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ چنانچہ جتنے جانور تم نے دیکھے ہیں وہ سب انسان ہیں اور اس بدکردار کے ساتھ رہ چکے ہیں۔ لیکن تم پریشان نہ ہو۔ میرے پاس رہو اور میری مرضی کے بغیر کہیں نہ آؤ جاؤ۔ بدر اس کے پاس رہنے لگا۔ آنے جانے والے بدر کو دیکھتے تو بہت حیران ہوتے کہ ایک حسین و توانا جوان ملکہ کی نظر سے بچ کیسے گیا۔ بوڑھے سے جو کوئی پوچھتا تو وہ کہہ دیتا کہ میرا بھتیجا ہے۔ اسی طرح ایک مہینہ گزر گیا۔ لیکن بدر کو وہاں سے نکلنے کا موقع نہ ملا۔

ایک دن ملکہ کی سواری بازار سے گزر رہی تھی۔ کہ عبداللہ کی دوکان پر بیٹھے ہوئے بدر پر نظر پڑی ملکہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر بے تاب ہو گئی ادھر مدت سے ملکہ کو کوئی جوان نہ ملا تھا۔ ادھر بدر کی شکل وصورت لاکھوں میں ایک تھی۔ ملکہ حنان ضبط کھو کر عبداللہ کی دوکان پر آ کر رکی اور کہنے لگی کہ یہ کون ہے۔ عبداللہ نے کہا یہ میرا بیٹا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ اس پر نظر عنایت رکھیں گی۔ ملکہ نے کہا کہ عبداللہ میں آگ اور روشنی کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اس کو کوئی تکلیف نہ دوں گی اسے ضرور میرے پاس بھیج دے اتنا حسین اور توانا جوان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ عبداللہ نے کہا اچھا میں کل اسے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ ملکہ کا جی تو نہ چاہتا تھا۔ لیکن مجبوراً اس وقت چلی گئی۔ لیکن جاتے ہوئے بدر کو مڑ مڑ کر دیکھتی رہی۔ ملکہ کے جانے کے بعد عبداللہ نے بدر سے کہا تم نے دیکھا کتنی بے حیا عورت ہے بہر حال جانا تو تمہیں پڑے گا لیکن آگ اور روشنی کی قسم کھائی ہے۔ جو اس کے معبود ہیں اس لیے مجھے ماننا پڑا ہے تمہیں کوئی تکلیف نہیں دے گی۔ لیکن تم ہوشیار رہنا۔ اور جب اس کے انداز بدلے ہوئے دیکھو یا کوئی عجیب حرکت تمہیں معلوم ہو تو فوراً میرے پاس چلے آنا۔ اور بتا دینا میں اس کا انتظام کر دوں گا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کا انجام قریب آ گیا ہے اور تمہارے ذریعہ سے ہی یہ مصیبت ختم ہو گی۔

دوسرے روز ملکہ پھر آئی اور کہنے لگی کہ میں نے آج کی رات بڑی مشکل سے گزاری ہے۔ تم نے بہت ظلم کیا ہے کہ کل اس کو میرے ساتھ نہ بھیجا۔ پھر وہ بدر کو ساتھ لے کر محل میں آ گئی۔ وہاں بدر کی بڑی خاطر تواضع کی رات کو ملکہ کے ساتھ باوجود انتہائی نفرت کے بدر مجبوراً سویا۔ ملکہ بدر اس پر اتنی مہربان ہوئی کہ وہ کسی وقت اسے آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی۔ چند روز میں بدر نے محسوس کیا کہ اگر یہ دیوانی اسی طرح مجھ سے لپٹی رہی تو تھوڑی ہی دنوں اپنی صحت برباد کر چکی ہوگی۔ لیکن مجبور تھا۔ کیا کرتا غرض یونہی چالیس روز گزر گئے سب لوگ متعجب تھے کہ آج تک ملکہ نے کسی کو ایک ہفتہ بھی اپنے پاس نہیں رکھا۔ اس پر اتنی مہربانی کیوں ہے۔ عبداللہ بھی کچھ مطمئن سا تھا کہ شاید ملکہ اپنی قسم کا پاس کر رہی ہے لیکن ایک شب کو جب ملکہ شراب پی کر فارغ ہوئی۔ تو بدر نے اندازے سے معلوم کر لیا کہ اب یہ مجھ سے سیر ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہ ہوشیار ہو گیا۔ ملکہ نے جب یہ سمجھا کہ وہ سو چکا ہے تو اٹھی پہلے سحر سے ایک چشمہ بنایا۔ اس میں سے پانی لیا۔ پھر کچھ میدہ لے کر اس کو گوندھا۔ اس کے بعد اس میں ایک قسم کی زرمٹی اور کچھ ماش کا آٹا وغیرہ ملایا اور اس کی ایک روٹی تیار کی۔ پھر بدستور آ کر بدر کے پاس سو گئی صبح کو بدر غسل سے فارغ ہوا۔ تو اجازت لے کر عبداللہ کے پاس آیا اور رات کا کل ماجرا بیان کیا۔ پھر عبداللہ نے کہا کہ کم بخت اپنے عہد سے پھر گئی ہے۔ تم بیٹھو میں انتظام کرتا ہوں۔ پھر عبداللہ نے اسی قسم کی روٹی لا کر بدر کو دی۔ اور سمجھایا کہ آج وہ تمہیں اپنی بنائی ہوئی روٹی کھانے کا اصرار کرے تو بڑی ہوشیاری سے وہ روٹی جیب میں رکھ لینا۔ اور میری دی ہوئی روٹی کھا لینا۔ اس کے بعد کسی مناسب وقت پر اس روٹی میں سے جو ملکہ تمہیں دے گی۔ تھوڑی سی اس کو کھلا دینا۔ یہ پانی جو میں شیشی میں دے رہا ہوں اس پر چھڑک دینا۔

پھر جس جانور کے بننے کا حکم دو گے وہی جانور بن جائے گی۔ اس وقت اس کو میرے پاس لے آنا پھر جیسا مناسب ہوگا کریں گے۔ بدر عبداللہ کا شکریہ ادا کر کے ملکہ کے محل میں واپس آ گیا۔ ملکہ نے اس کو سینے سے لگا کر پیار کیا۔ پھر پوچھا کہ دیر کیوں کر دی۔ بدر نے کہا چچا جی کھانے کے لیے بضد تھے۔ لیکن میں تمہارے بغیر نہیں کھا سکتا تھا۔ اس لیے عذر وغیرہ کر کے اب بمشکل آیا ہوں۔ پھر بھی چچا نے یہ اپنے ہاتھ سے پکائی ہوئی ایک خمیری روٹی دے دی اور کہا ہے کہ اس کو ضرور کھا لینا۔ میرا جی خوش ہو جائے گا۔ ملکہ نے کہا۔ اچھا ہوا تم

نے کھانا نہیں کھایا۔ آج میں نے بھی تمہارے لیے اپنے ہاتھ سے ایک روٹی تیار کی ہے۔ اس کو کھانا پھر بدر کا ہاتھ پکڑ کر دسترخوان کی طرف لے جاتے ہوئے کہنے لگی۔ کہ نہ جانے تم نے مجھ پر کیا جادو کر دیا ہے کہ ہر روز تم سے زیادہ فریفتہ ہوتی چلی جا رہی ہوں۔ اس کے بعد دونوں دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ ملکہ نے اپنے ہاتھ کی روٹی بدر کو دی۔ بدر نے عبداللہ والی روٹی نکال کر رکھ دی۔ دونوں شکل وصورت میں یکساں تھیں۔ پھر ملکہ سے بدر نے کہا کہ ذرا پانی دیجئے۔ ملکہ نے منہ پھیرا بدر نے روٹی بدل دی۔ اور نہایت اطمینان سے عبداللہ والی روٹی کھانے لگا اور بڑے اصرار سے دوسری روٹی ملکہ کو کھلائی جب دونوں روٹی کھا چکے تو ملکہ نے بدر پر پانی کا چھینٹا دیا اور آواز دی کہ اندھا لنگڑا گھوڑا بن جا۔ لیکن بدر جوں کا توں کھڑا رہا ملکہ بہت حیران ہوئی۔ اتنے میں بدر نے جیب سے اپنی شیشی نکال کر اس کا پانی ملکہ پر چھڑکا اور حکم دیا کہ ایک خوبصورت گھوڑی بن جا۔ ملکہ فوراً گھوڑی کی شکل بن گئی۔ گھوڑی نے بدر کے پیروں پر سر رکھ دیا۔ گویا معاف کرانا چاہتی ہے۔ لیکن بدر کیا کر سکتا تھا۔

بدر گھوڑی کو لے کر عبداللہ کے پاس آیا۔ عبداللہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور گھوڑی کے منہ میں لگام دے کر زین کس دیا۔ پھر بدر سے کہا اس پر سوار ہو کر اپنے وطن چلے جاؤ۔ لیکن میری یہ ہدایت یاد رکھنا خواہ کوئی مرد ہو یا عورت گھوڑی کی لگام کسی کے ہاتھ میں نہ دینا۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ بدر عبداللہ کا شکریہ ادا کر کے گھوڑی پر سوار ہوا اور ایران کی طرف روانہ ہو گیا۔ چند روز تک آرام سے سفر کرتا رہا۔

بوڑھا، بدر اور بڑھیا

ایک روز بدر کو ایک بوڑھا آدمی ملا اور بدر سے ادھر ادھر کی بات چیت کرتا رہا پھر دیر تک گھوڑی کی تعریف کی۔ اتنے میں ایک بڑھیا آئی اور بدر کے پاس کھڑی ہو کر رونے لگی۔ بدر نے پوچھا کیا بات ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ میرے پوتے کے پاس ایک بالکل ایسی ہی گھوڑی ہے۔ اتفاقاً وہ مر گئی ہے اب بچہ کسی طرح نہیں مانتا اور روئے جا رہا ہے کہ ویسی ہی گھوڑی لوں گا اور تم مہربانی کرو۔ اور یہ گھوڑی فروخت کر دو۔ تو نوازش ہو گی تمہیں اس سے بھی بہتر گھوڑی یہاں سے مل جائے گی۔

بدر نے انکار کر دیا۔ بڑھیا اور بھی بلک بلک کر رونے لگی بدر نے اس خیال سے کسی طرح یہ بلا ٹلے کہہ دیا کہ مائی اس گھوڑی کی قیمت دس ہزار اشرفیاں ہے۔ بڑھیا نے فوراً اشرفیاں نکال کر سامنے ڈال دیں اور کہنے لگی روپیہ میرے بچے سے زیادہ عزیز نہیں تم منہ مانگے دام لو۔

بدر گھبرایا کہ یہ بڑی مصیبت ہوئی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ میں فروخت نہیں کرتا۔ بوڑھے نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے تم نے ایک قیمت مانگی۔ اس نے دے دی۔ اب انکار کا کیا مطلب ہے؟ اگر تم بڑھیا کو گھوڑی نہیں دو گے۔ تو ہم حاکم کے سامنے پیش کریں گے۔ یہاں بدعہدی کی سزا موت ہے۔

بدر پریشان ہوا کہ اب کیا کروں۔ مجبوراً گھوڑی سے اترا اور لگام بڑھیا کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ گھوڑی کو لے کر چند قدم چلی۔ کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا۔ وہ گھوڑی اپنی اصلی شکل میں آ گئی۔ بدر نے شہزادی کو دیکھا اور خوف سے کانپ اٹھا۔ ملکہ نے کہا کہ تم نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے۔ اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ پھر وہ بوڑھا جن کی شکل بن کر تینوں کو اٹھا کر لے اڑا۔ اور ہوا میں فراٹے بھرتا ہوا۔ اس شہر کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں بدر ملکہ کے ساتھ چالیس روز تک داد عیش دے چکا تھا۔ بدر کو سب سے زیادہ پریشانی تھی کہ ظالم اب کسی جانور کی شکل بنا کر چھوڑ دے گا۔ جن تینوں کو لے کر ملکہ لاب کے محل میں اترا۔ جہاں شہزادہ رہا کرتا تھا۔ بڑھیا نے جو ملکہ کی ماں تھی۔ ملکہ کو بہت سخت سست کہا۔ کہ تیری لاپرواہی کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی۔ اگر بروقت میں خبر نہ لیتی۔ تو نہ جانے تیرا کیا حشر ہوتا۔ ملکہ نے اسی وقت بدر کو ایک الو بنا کر پنجرے میں بند کر دیا۔ اور کنیزوں کو حکم دیا کہ اس کو دانہ پانی نہ دیں۔ ایک رحم دل کنیز خاموشی سے دانہ پانی دے دیتی تھی اس نے عبداللہ کو بدر کی گرفتاری کی اطلاع دے دی۔

جن کا تینوں کو لے کر اڑنا

اسے یہ سن کر بہت صدمہ ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت ملکہ سے کچھ کہنا سننا بے کار ہے چنانچہ اس نے گھر آ کر زور سے زمین پر پیر مارا اسی وقت ایک جن حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کیا حکم ہے عبداللہ نے کہا کہ ملکہ لاب کی کنیز نلان کو اسی وقت ایران میں ملکہ گلنار کے پاس پہنچا دو۔ جن نے کہا بہت بہتر۔ چنانچہ وہ کنیز کو لے کر اڑا۔ اور ملکہ گلنار کے سامنے جا کر حاضر کر دیا۔ کنیز نے کل واقعات ملکہ کو سنائے۔ ملکہ بدر کی اطلاع پا کر خوش تو بہت ہوئی لیکن اس کی مصیبت پر آنکھوں میں آنسو آ گئے ملکہ گلنار نے اسی وقت دریا میں جا کر ملک صالح کو اطلاع دی۔ ملک صالح نے کہا تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی انتظام کرتا ہوں چنانچہ اس نے جنوں کی ایک بہت بڑی فوج لے کر ملکہ لاب کے شہر پر فوج کشی کی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ پھر بدر کا پنجرہ منگا کر اس کو اصلی حالت میں لایا اور سینہ سے لگا کر بہت دیر تک پیار کیا۔ عبداللہ کو اس ملک کا حاکم مقرر کیا جس کنیز نے شہزادے کی اسیری کے زمانہ میں خبر گیری کی تھی اس کو بہت انعام و اکرام دیا۔ اور شہر کے ان تمام لوگوں کو جو جانور بنے پھرتے تھے۔ اصلی حالت میں لا کر اس عذاب سے نجات دلائی۔ اس کے بعد ملک صالح نے ملکہ لاب اور اس کی والدہ کو قتل کرا دیا اور جشن مناتے ہوئے اپنے وطن مالوف کو واپس ہوئے ملکہ گلنار بدر سے مل کر دیر تک خوشی کے آنسو بہاتی رہی۔

بدر کے اصرر پر ملک صالح نے ملک سمندال کو رہا کر دیا شہزادے نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول فرمائیے۔ ملک سمندال نے بدر کو پیار کیا اور اعلان کر دیا۔ کہ میں جواہر کی شادی بدر سے منظور کرتا ہوں۔ پھر ملک صالح نے سمندال کا ملک اس کو واپس کر دیا۔ ملک سمندال اپنے ملک میں پہنچا۔ اور تلاش کر کے شہزادی جواہر کو بلایا اور ایک روز شادی کے لیے مقرر کر دیا۔ چنانچہ ملک صالح اور ملکہ گلنار بڑی دھوم دھام سے بارات لے کر گئے۔ اور شہزادی جواہر سے بدر کا نکاح ہو گیا حجلۂ عروسی میں جواہر نے بدر سے معافی مانگی بدر نے محبت سے گلے لگا لیا اور اس کا قصور معاف کر دیا۔ اور پھر سب اپنے اپنے ملک میں عیش و آرام سے رہنے لگے۔

فتنہ اور خانم کی داستان

جواہر کی کہانی جب ختم ہوئی تو خلاف معمول بادشاہ نے بھی تعریف کی اور کہنے لگا کہ شہزاد انصاف پسند ہے۔ عورتیں بدکاریوں کا پردہ بھی فاش کرنے سے روکتی ہیں۔ شہزاد نے مسکرا کر عرض کیا۔ کہ حضور نے عورت کی برائی پر غور فرمایا لیکن وفادار عورتوں کی اچھائی پر غور نہیں فرمایا۔ اور وفادار عورتوں کی وفا شعاری پر داد نہیں دی۔ شہر یار نے مسکرا کر کہا کہ میں ان کی حالت پر غور کر رہا ہوں۔ اس کے بعد شہزیار نے کہانی شروع کی۔

کسی زمانے میں شہر دمشق کا ایک مشہور سوداگر ایوب تھا بڑا مالدار صاحب حشمت شریف النفس اس کا ایک لڑکا خانم تھا اور ایک لڑکی جس کا نام الکلب تھا ابھی اس کا آغاز جوانی ہی تھا کہ ایوب کا انتقال ہو گیا۔ ایام گزرنے کے بعد خانم نے اپنے مال کا جائزہ لیا۔ اس میں سو گٹھڑی بہترین کپڑا تھا۔ جن پر بغداد کے نام کی پرچیاں لگی ہوئی تھیں۔ خانم نے ماں سے حال دریافت کیا۔ کہنے لگی کہ تمہارے والد بیماری سے پہلے بغداد جانے والے تھے اور ان کی یہ عادت تھی کہ جدھر یہ مال لے جانا ہوتا یا جہاں کے لیے یہ مال خریدتے اس پر اس مقام کے نام کی پرچی لگایا کرتے تھے۔ اب ان کا انتقال ہو چکا ہے تمہیں یہ مال یہیں فروخت کر دینا چاہیے خانم نے اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا لیکن اپنے دل میں طے کر لیا کہ میں اس مال کو ضرور بغداد لے جاؤں گا ایک دن جب کہ خانم کی والدہ خوش تھیں اس نے مال لے کر بغداد جانے کی اجازت چاہی۔ ماں نے بیٹے کو کم عمری اور ناتجربہ کاری کی بنا پر روکنا چاہا۔ لیکن خانم بڑا اصرار کرتا رہا مجبوراً ماں نے اجازت دے دی اور خانم وہ کپڑے کی گٹھڑیاں لے کر بغداد روانہ ہو گیا۔ دمشق اس زمانہ میں خلفائے عباسیہ کے ماتحت تھا اور امیر المومنین خلیفہ ہارون رشید کی طرف سے محمد ابن زبینی ابن سلیمان وہاں کا حاکم تھا۔

خانم نے بغداد پہنچ کر ایک معقول مکان کرایہ پر لیا اور چند دن سفر کی تکلیف دور کرنے کے لیے آرام کیا۔ اس کے بعد نمونہ لے کر بازار گیا۔ بغداد کے سوداگروں نے کپڑا بہت پسند کیا اور مناسب نرخوں پر خرید لیا۔ خانم ایک روز فروخت شدہ مال کی قیمت وصول کرنے کے لیے بازار پہنچا تو دیکھا کہ اکثر کپڑے کی دوکانیں بند ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا

کہ کپڑے کا ایک مشہور تاجر مر گیا ہے۔ اور سب اس کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں گئے ہوئے ہیں خانم بھی مرحوم سوداگر کے ہاں پہنچا اور جنازے کے ساتھ شریک ہو کر قبرستان تک گیا۔ اس کے بعد باقی لوگوں کے ساتھ دوبارہ مرحوم کے مکان پر گیا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ سب لوگ یہیں رہیں گے اور فاتحہ خوانی وغیرہ ہو گی خانم کو خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ میری عدم موجودگی میں ملازم مال لے کر فرار ہو جائیں۔ اس لیے وہ اپنے مکان کی طرف واپس لوٹا۔ لیکن جب شہر کے قریب آیا تو یہ دیکھ کر پریشان ہوا کہ شہر پناہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ مجبوراً ملحقہ قبرستان میں بنی ہوئی عمارت میں رات گزارنے کا ارادہ کر کے اندر چلا گیا۔

تین اجنبیوں کا صندوق گاڑنا

ابھی خانم کو لیٹے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ تین آدمی ایک صندوق اٹھائے ہوئے قبرستان میں داخل ہوئے۔ خانم یہ سمجھ کر کہ معلوم نہیں کون ہیں اور کیا لائے ہیں ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا ان آدمیوں نے ایک قبر نما گڑھا کھودا اور صندوق کو رکھ دیا۔ مٹی ہموار کر دی اور خاموشی سے چلے گئے۔ خانم کے دل میں حیرت و استعجاب کی خواہش اتنی بڑھی کہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس نے گڑھے کو مٹی سے صاف کیا اور صندوق کو نکال کر کھولا اسے امید تھی کہ اس میں یا تو کسی نے اپنا مال دفن کیا ہے یا کسی خطرناک جرم کو چھپانے کے لیے یہ کارروائی کی گئی ہے۔ جس وقت اس نے صندوق کا ڈھکنا اٹھایا تو دیکھا کہ ایک نوجوان اور بے حد حسین زندہ عورت بند ہے۔ یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ اور عورت کو نکال کر کھلی ہوا میں لٹا دیا۔

جب اس کو ہوش آیا تو اس نے غالباً اپنی کنیزوں کو نام لے کر پکارنا شروع کیا۔ اور جب کوئی جواب نہ ملا تو حیران ہو کر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگی پھر قبرستان کو پہچان کر بڑبڑائی۔ کیا قیامت کا دن آ گیا اتنے میں خانم اس کے اور قریب آ کر تسلی و تشفی دے کر جو کچھ واقعہ گزرا تھا اس کو بتایا۔ عورت نے اس کا بے حد شکریہ ادا کیا اور کہنے لگی کہ میں اپنی اس دوبارہ زندگی کے لیے صرف آپ کی ممنون ہوں صبح سویرے شہر جا کر ایک گدھا لے آنا۔ اور

اسی طرح مجھے صندوق میں بند کر کے صندوق گدھے پر رکھ کر اپنے مکان پر لے چلنا۔ گو میں پیدل چل سکتی ہوں۔ لیکن ممکن ہے کہ اپنے لباس اور وضع قطع سے پہچان لی جاؤں۔ خانم جو اس عورت کی صورت دیکھ کر عاشق ہو گیا تھا۔ تعمیل ارشاد کا وعدہ کیا چنانچہ علی الصبح اس عورت کو بدستور صندوق میں بند کر کے شہر سے ایک گدھا لایا اور صندوق اس پر رکھ کر اپنے مکان پر لے آیا۔ پھر بازار سے کچھ کھانے پینے کی اشیاء لا کر رکھیں۔ دونوں نے ناشتہ کیا۔ دوران طعام خانم نے اس کے دل کا حال دریافت کیا وہ کہنے لگی کہ میرا نام فتنہ ہے۔ اور خلیفہ ہارون رشید کی کنیز ہوں۔ خلیفہ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ زبیدہ خاتون کو یہ ناگوار تھا۔ اسی لیے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ بہر حال میں خدا کے بعد تمہاری شکر گزار ہوں کہ مجھے زندہ درگور ہونے سے آپ نے بچا لیا۔ میں امید کرتی ہوں۔ کہ تم فی الحال اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے۔ کیونکہ اگر زبیدہ کو معلوم ہو گیا تو اچھا نہ ہوگا۔ خانم نے اس کو اطمینان دلایا۔ کہ آرام کے ساتھ رہو میں اس معاملہ میں بالکل خاموش رہوں گا۔ اس کے بعد وہ بازار گیا اور دو خادمائیں فتنہ کے لیے خرید لایا۔ تا کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ فتنہ نے کہا کہ مجھ پر تمہارے احسانات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اگر خدا کو منظور ہوا اور میرے حالات بدلے تو انشاء اللہ میں بھی آپ کی کسی خدمت میں کوتاہی نہیں کروں گی۔ انداز دلربائی کے قرب نے خانم کی آتش محبت کو تیز کر دیا وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ فتنہ کا دل بھی سوز عشق سے خالی نہیں ہے۔ لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ فتنہ امانت تھی۔ ابھی اس کو کوئی حق نہیں تھا۔ کہ وہ فتنہ کو ہاتھ لگا سکتا۔

زبیدہ فتنہ کو زندہ دفن تو کرا بیٹھی۔ لیکن بہت متفکر تھی۔ جب خلیفہ آ کر پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گی وہ جانتی تھی کہ فتنہ سے خلیفہ کو بہت لگاؤ ہے۔ آتے ہی طلب کریں گے۔ مجبوراً زبیدہ نے اپنی دائی کو بلایا۔ جو بڑی ہوشیاری اور لگائی بجھائی میں یکتا تھی۔ دائی تمام حالات سن کر بولی۔ کہ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ میں ایک فرضی مردہ تیار کرتی ہوں۔ آپ اعلان کرا دیجیے کہ فتنہ مر گئی ہے پھر اس کی قبر پر ایک عمدہ مقبرہ بنوا دیجیے۔ یہ تجویز زبیدہ نے بھی پسند کی بڑھیا نے ایک فرضی مردہ تیار کیا اور محلات میں مشہور کر دیا کہ فتنہ کا انتقال ہو گیا۔ دایہ نے چند راز دار کنیزوں کے ساتھ غسل تکفین کا اہتمام خود کیا۔ تا کہ کسی کو شبہ کا موقع نہ ملے۔ جعفر کو اطلاع کرائی گئی۔ راز داری و احترام سے فرضی لاش دفن کر دی

گئی۔

زبیدہ نے خود اتنے رنج و غم کا مظاہرہ کیا گویا اس کی اپنی بڑی بہن مر گئی ہو۔ ایک عمدہ قسم کے مقبرہ کا حکم دے دیا۔ جس کی تعمیر میں زبیدہ نے خود خاص دلچسپی لی۔ غرض لے کہ خلیفہ کی واپسی سے پہلے سب مراسم پورے کر دیئے گئے۔ جب خلیفہ اپنے سفر سے واپس آئے تو فتنہ کے مرجانے کی اطلاع ہوئی۔ وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور مقبرے پر جا کر فاتحہ پڑھی۔ لیکن دوسرے ہی دن کاروبار سلطنت میں ایسے مشغول ہوئے۔ گویا کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا تھا۔

فتنہ نے بھی یہ حالات خانم کی زبانی سنے۔ وہ کہنے لگی خدا کا شکر ہے کہ میں زندہ سلامت ہوں اور خدا نے چاہا تو دشمنوں کی چالیں۔ ان ہی کے خلاف مصیبت کا باعث ہوں گی جب خلیفہ کی آمد کا فتنہ کو علم ہوا تو اس نے اپنی تجویز پر عمل درآمد شروع کیا۔ اور خانم کو ایک خط لکھ کر دیا کہ فلاں شخص کو دے آؤ۔

خلیفہ ہارون الرشید دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کے لیے لیٹے تو ایک مقرب خاص کنیز نور النہار پنکھا کرنے لگی۔ جب ہر طرف سکون اور خاموشی ہو گئی۔ تو اس نے خلیفہ سے عرض کیا کہ حضور فتنہ زندہ ہے۔ خلیفہ نے کہا تو بیوقوف ہے۔ اس کو مرے ہوئے تو کئی ہفتے ہو گئے ہیں۔

وہ بولی کہ حضور! یہ خط ملاحظہ فرمائیں۔ آج ہی ایک عزیز کی معرفت مجھے ملا ہے۔
خلیفہ نے خط لے کر پڑھا تو سکتے میں آ گیا دیر تک دماغ میں مختلف خیالات کا ہجوم رہا۔ اس کے بعد خلیفہ نے تنہائی میں زبیدہ کو بلایا اور خط دکھا کر اصل حالات دریافت کیے۔ خط پڑھ کر زبیدہ کو سرد پسینہ آ گیا۔ لیکن وہ بے حد ذہین اور باحوصلہ عورت تھی خط کے مطالعہ ہی کے دوران اس نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا جواب دینا چاہیے۔ اتفاقاً خط میں فتنہ نے اپنا خانم کے یہاں رہنا وغیرہ تو سب کچھ لکھ دیا تھا لیکن زبیدہ کے متعلق صرف اسی قدر لکھا تھا کہ ان کے بارے میں سب کچھ زبانی عرض کروں گی۔

خط پڑھ کر زبیدہ نے خلیفہ سے کہا کہ مجھے مدت سے فتنہ کے چال چلن کے بارے میں شکوک تھے آپ کے جانے کے بعد وہ شکوک بڑھے میں نے اس کو روکنا چاہا تو حرم سرائے سے نکل گئی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ یہ خبر مشہور ہو کیونکہ فتنہ کے متعلق بغداد کا بچہ بچہ

جانتا ہے۔ کہ وہ آپ کی منظور نظر ہے۔ مجبوراً میں نے یہ سوانگ تیار کیا۔ اور فرضی مقبرہ بھی بنوادیا۔ جب آپ آئے تو میں نے اس واقعہ کا ذکر بااراد ہ نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کو صدمہ پہنچتا یہ صحیح ہے کہ میں نے شکوک کی بنا پر کچھ سختی کی ہے لیکن اب وہ آپ سے مل کر میری کچھ شکایت کرنا چاہتی بلا کر سن لیجئے۔ کیونکہ وہ آپ کی محبوبہ ہے۔ کنیزی کا فخر تو مجھے حاصل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ملکہ کہلاتے ہوئے بھی آپ کی نظروں سے گری ہوئی ہوں۔

اتنا کہہ کر زبیدہ نے رونا شروع کر دیا۔ ہارون الرشید جو حقیقتاً زبیدہ کے پرستار تھے یہ سب حالات سن کر بہت برہم ہونے کے بعد زبیدہ کو بہت پیار سے تسلی دے کر رخصت کیا اور کہا کہ اگر تم اس حالت میں اس کنیز کو قتل بھی کروادیتی تو تمہیں اختیار تھا اس کے بعد باہر آ کر حکم دیا کہ خانم سوداگر کو گرفتار کر کے اس کا کل مال واسباب ضبط کر لیا جائے۔ اور فتنہ کو بلا کر شاہی محل میں زیر حراست رکھا جائے۔ اس وقت کوتوال شہر سپاہیوں کا دستہ لے کر خانم و فتنہ کی گرفتاری کے لیے روانہ ہوا۔ اتفاقاً فتنہ کو بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ کہ کوتوال ہماری گرفتاری کے لیے آ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے خانم سے کہا کہ تم غلاموں کا لباس پہن کر نکل جاؤ۔ میں اپنا انتظام کر لوں گی۔ جس وقت خانم ایک غلام کی وضع سے باہر نکلا۔ تو سپاہیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کو غلام سمجھ کر جانے دیا۔ اس کے بعد کوتوال اندر آیا فتنہ کو سلام کیا۔ اور شاہی حکم سنایا فتنہ نے کہا میں تیار ہوں۔ چلو۔ کوتوال نے خانم کے متعلق دریافت کیا۔

فتنہ نے کہا وہ تو کئی روز سے باہر گیا ہوا ہے اور اس کا مال واسباب میری تحویل میں ہے آپ اس کی حفاظت کا انتظام کیجئے۔ کوتوال نے کل مال واسباب سر بمہر کر کے بیت المال میں رکھنے کے لیے بھیج دیا۔ فتنہ محل کے زنانہ حصہ میں قید کر دی گئی۔ کوتوال نے سب واقعات دربار خلافت میں عرض کیئے۔ ہارون الرشید کو جب معلوم ہوا کہ خانم نہیں ملا۔ تو ناراض ہوا۔ جعفر کو حکم دیا اسی وقت والئی دمشق کو خط لکھو کہ خانم ابن ایوب کا کل مال واسباب بیت المال میں داخل کر دیا جائے اگر وہ خود موجود ہو تو اسے گرفتار کر کے بغداد بھیج دو۔ ورنہ نہ ملے تو اہل خانہ کو شہر بدر کر دو۔

یہ حکم جس وقت والئی دمشق کو ملا۔ اس نے افسران ماتحت کو اجراء فرمان شاہی کا حکم دے کر خانم کے گھر بھیجا۔ ادھر خانم کی ماں اور بہن خانم کی کوئی اطلاع نہ ملنے کی وجہ سے

بہت پریشان تھیں کہ سپاہی حکم لے کر پہنچے۔ سب سے پہلے خانم کے متعلق دریافت کیا وہ کہنے لگیں کہ وہ مال اسباب لے کر بغداد گیا تھا۔ اور مدت سے اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ ہم سخت پریشان ہیں۔ جو افسر تعمیل حکم کے لیے گیا تھا۔ اس کو بہت افسوس ہوا کہ ان بے گناہوں پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ خانم نے کوئی سخت جرم کیا ہو۔ لیکن اس کی سزا اسی کو ملنی چاہیے لیکن دربار خلافت کے احکام ٹالنا بھی اس کے بس کی بات نہ تھی۔ مجبوراً ان عورتوں کو بغداد سے آیا ہوا حکم سنایا اور کہا گو کہ میں جانتا ہوں تم بے گناہ ہو۔ لیکن خلیفہ کا حکم ہے۔ اس کی تعمیل ضرور ہوگی۔

اس لیے میں چاہتا ہوں تم یہاں سے سیدھی بغداد چلی جاؤ اور دربار امیر المومنین میں عرض کرو کہ ہم پر بلا قصور عتاب کیوں ڈالا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ضرور دادرسی ہوگی۔ اور تمہارا کل مال واسباب حکومت کی زیر نگرانی رہے گا۔ بس یہی ممکن ہے اس کے علاوہ اور میں کیا کر سکتا ہوں۔ کوتوال نے جواب دیا۔ خانم کی والدہ اور ہمشیرہ حاکم کے مطابق بے یار و مددگار دمشق سے نکلیں۔ تمام شہر میں اس ظلم کا چرچا تھا۔

آج تک امیر المومنین نے بھی ایسا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ بڑی ہی زیادتی ہوئی ہے۔ ان غریبوں کے لیے کوئی یار و مددگار نہیں رہا۔ کچھ زادراہ لے کر روتی ہوئی بغداد کی طرف روانہ ہوئیں۔ خلیفہ ہارون الرشید فتنہ کو قید کر کے چند روز بڑے غم و غصہ کی حالت میں رہا۔ لیکن زبیدہ نے بہت ہوشیاری اور عقل مندی سے اس کا رخ اس طرف سے تبدیل کر دیا۔ یہاں تک کہ چند روز بعد خلیفہ سب کچھ بھول کر امور سلطنت کی انجام دہی میں منہمک ہو گیا۔ اس طرح کچھ مدت گزر گئی ایک دن ہارون الرشید زنانہ مجلس شاہی کی خدمت سے نکلا تو اسے فتنہ کے رونے کی آواز آئی۔ تو دفعتاً پچھلے واقعات یاد آ گئے۔ چنانچہ اسی وقت محافظین کو حکم دیا کہ فتنہ کو حاضر کرو۔ فتنہ آئی تو بڑے جوش کی حالت میں تھی۔ ہاتھ باندھ کر کہنے لگی کہ آپ خلیفہ ہیں اور آپ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ لیکن آپ جس کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں وہ احکم الحاکمین تمام تر اعمال کا نگران ہے اور آپ نے خانم کے متعلق جو کچھ احکام صادر فرمائے ہیں وہ انصاف کے خلاف ہیں۔ آپ نے بغیر تحقیقات کیے خانم کو مجرم قرار دے دیا اور وہ بالفرض مجرم بھی ہو۔ لیکن اس کی ماں اور بہن کا کیا قصور تھا۔ وہ بے چاری کیوں شہر بدر کر دی گئیں۔

خانم کی ماں اور بہن کا دمشق سے نکلنا

اوران کا مال واملاک چھین کر بلا سہارا چھوڑ دیا گیا۔ مجھے اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ نے مجھے کس جرم میں قید کیا ہے۔ خانم ایک شریف اور دیانت دار آدمی ہے اور اس نے مجھ پر ایک احسان عظیم کیا ہے اور میری جان بچائی۔ عزت و آبرو کی حفاظت کی۔ معلوم نہیں اس غریب پر کیوں عتاب شاہی نازل ہوا۔ فتنہ نے غصہ کی حالت میں وہ سب کچھ سنایا جو عام حالات میں کوئی خلیفہ کے سامنے کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بے شک خانم کی والدہ اور بہن کے متعلق غلط حکم دیا گیا ہے۔

لیکن تم محل سرائے سے باہر کیوں گئیں۔ فتنہ نے کل واقعات سنائے۔ خلیفہ اس سے بہت متاثر ہوا ممکن ہے کہ وہ زبیدہ سے کچھ پوچھ گچھ کرتا۔ لیکن فتنہ نے جس جوش کے ساتھ خانم اور اس کے گھر والوں کی وکالت کی تھی۔

اس نے خلیفہ کے دل میں شک کی چنگاری کو روشن کر دیا۔ اس نے خیال کیا کہ ممکن ہے۔ زبیدہ نے جوش ورقابت میں اس کے ساتھ ظلم کیا ہو۔ خلیفہ کا یہی شک زبیدہ کی ساری کارروائی کی طرف چشم پوشی کا باعث بن گیا۔ اس نے خانم کا قصور معاف کر دیا اور ایک اعلان عام کے ذریعہ عام کو اور اس کی والدہ وہمشیرہ کو دربار میں بلایا۔ لیکن خانم کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اور جب وہ نہ آیا تو مایوس ہو کر فتنہ خود خانم کی تلاش میں نکلی۔ فتنہ خیر خیرات کرتی ہوئی ایک راہ سے گزر رہی تھی۔

ایک روز اسے ایک سوداگر ملا۔ جو سخاوت میں بڑا مشہور تھا۔ فتنہ نے اس کو ایک ہزار دینار دیئے کہ میری طرف سے خیرات کر دینا۔ سوداگر نے فتنہ کا لباس فاخرہ دیکھ کر خیال کیا کہ یہ معزز خاتون معلوم ہوتی ہے اس لیے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور کل سے دو نووارد عورتیں میرے مکان پر ٹھہری ہوئی ہیں۔ جو بہت خستہ حال ہیں اگر آپ برا نہ ہو۔ تو غریب خانہ پر چل کر اپنے ہاتھ سے ان کو عنایت کیجئے۔ فتنہ نے ان کا حال دریافت کرنا چاہا۔ لیکن سوداگر نے عرض کیا کہ حضور میں نے ان کی زبوں حالی کو دیکھ کر فی الحال ان کے حالات

دریافت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ فتنہ فوراً اس کے مکان پر روانہ ہوئی۔ سوداگر کی بیوی نے فتنہ کو نہایت عزت واحترام سے بٹھایا۔ اور خاطر تواضع کی فتنہ نے کہا کہ مجھے ان نووارد عورتوں سے ملاؤ۔ سوداگر کی بیوی فتنہ کو ان کے پاس لے گئی۔ جہاں نووارد عورتیں بیٹھی رو رہی تھیں۔ فتنہ نے ان کو تسلی وتشفی دی۔ اور کچھ دینار پیش کر کے ان کا حال دریافت کیا۔

خانم کی ماں نے کہا کہ ہماری مصیبت کا باعث خلیفہ کی محبوبہ فتنہ ہے۔ میں ایوب نامی سوداگر کی بیوی ہوں میرا بیٹا خانم یہاں مال تجارت لے کر آیا تھا۔ اس پر کسی ظالم نے فتنہ کے اغوا کا الزام لگایا اور رفتار کرا دیا نہ معلوم میرے بیٹے کا کیا حال ہے اور کس جگہ ہے اس کے بعد حاکم دمشق کا تمام مظالم بیان کر کے زاروقطار رونے لگی اور کہنے لگی۔ کہ اب بھی خانم صحیح وسالم مل جائے تو ہمارا رنج وغم سب دور ہو جائے۔ یہ بات سن کر فتنہ نے بولی۔ کہ تمہاری مصیبت کا باعث میں ہی ہوں۔

اب تو خلیفہ نے خانم کے گناہ معاف کر کے اس کا تمام مال واسباب اصل سے دوگنا کر کے عطا کر دیا ہے۔ اور تمہاری طلبی خلیفہ کے ہاں ہے کئی دن سے تمہاری تلاش میں منادی ہو رہی ہے اس کے بعد فتنہ نے جو واقعات پیش آئے تھے۔ بیان کیے۔ ابھی یہ عورتیں خانم کی تلاش کا آئندہ پروگرام بنا رہی تھیں کہ وہی سوداگر اندر آیا اور کہنے لگا کہ دیہات سے میرے شفاخانے میں ایک جوان مریض آیا ہے۔ حال پوچھتے ہیں تو روتا ہے لیکن حال نہیں بتاتا۔ فتنہ سب کو تشفی دے کر سوداگر کے ساتھ مریض کے پاس آئی۔ یہاں آکر دیکھا تو وہ خانم تھا۔ لیکن بے حد کمزور ولاغر ہو گیا تھا۔ فتنہ نے قریب بیٹھ کر آواز دی اور پوچھا کیا حال ہے۔

خانم کے بستر علالت پر فتنہ کا آنا

خانم نے آنکھیں کھول کر اس کو دیکھا اور ایک سرد آہ کے ساتھ بے ہوش ہو گیا۔ سوداگر نے لخلخہ سنگھایا کچھ دیر بعد خانم کو ہوش آیا تو اس نے فتنہ سے پوچھا کہ میری ماں بہن کس حال میں ہیں۔ تو فتنہ نے کہا کہ وہ بخیریت ہیں اور عنقریب تم سے ملیں گی خلیفہ نے تمہارا قصور معاف کر دیا ہے تم تندرست ہو جاؤ گے۔ تو اطمینان کے سب حالات سن لینا۔

واپسی پر فتنہ آئی تو خانم کی والدہ کو مبارک باد دی کہ خانم مل گیا ہے لیکن اس وقت بیمار ہے وہ بے تاب ہو کر اٹھی کہ چلو مجھے ملاؤ۔ فتنہ نے کہا کہ اس وقت آپ لوگوں کا اس سے ملنا مناسب نہیں ہے کہیں سکتہ نہ ہو جائے جب اس میں توانائی آجائے گی اس وقت آپ دونوں اس سے ملیں۔ ماں بہن نے خدا کا شکر ادا کیا اور سوداگر ہی کے ہاں رہنے لگیں۔ چند روز کے معالجہ اور پر مسرت ماحول نے خانم کو تندرست کر دیا

دربار خلافت میں سب کا حاضر ہونا

خانم کے صحت یاب ہو جانے کے بعد فتنہ نے اس کو بہن اور والدہ کے ساتھ خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ہارون رشید ان کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا۔ پھر خانم سے اس کی سرگزشت سنی۔ اس نے عرض کیا کہ میں گرفتاری کا حکم سن کر دیہات میں بھاگ گیا تھا۔ وہاں ادھر ادھر پھرتا رہا اسی دوران میں بیمار ہو گیا جب حالت کچھ زیادہ خراب ہو گئی۔ تو ایک رحم دل شخص نے بغدا میں لا کر ایک مخیر تاجر کے شفا خانے میں داخل کر دیا۔ یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ میری گرفتاری کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ اور یہیں مجھ سے میری والدہ اور بہن ملیں۔ خلیفہ نے کل ضبط شدہ مال واسباب واپس کرا دیا اور بہت کچھ مزید عطا کیا۔ اور اس کے بعد فتنہ کو آزاد کر کے خانم سے شادی کر کے خانم کی بہن کی شادی اپنے بہت بڑے درباری سے کر کے توہین وذلت کی تلافی کر دی، جوان بے قصوروں کی ہوئی تھی۔ یہ قصہ ختم کر کے شہرزاد نے کہا کہ انشاءاللہ کل شاہ جنات اور زین الصنم کی حکایت سناؤں گی جو اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہو گی۔

زین الصنم اور شاہ جنات

دوسری شب کو شہرزاد نے اس طرح کہانی کا آغاز کیا کہ زمانہ قدیم میں شہر بصرہ کا ایک عادل نیک مزاج اور غریب پرور بادشاہ تھا۔ دنیا کی سب ہی نعمتیں اس کو حاصل تھیں۔ دولت، ثروت، عزت، حکومت لیکن اولاد کوئی نہ تھی اسی وجہ سے اکثر دل شکستہ اور مایوس رہا کرتا تھا۔ اس نے بڑی تدبیریں کیں۔ لیکن مفید نتیجہ نہیں نکلا آخر درویشوں اور فقرا سے رجوع کیا ایک مدت تک ان کی خدمت کرتا رہا۔ آخر اس کی التجا قبول ہو گئی۔ اور ایک نہایت حسین وجمیل لڑکا پیدا ہوا باپ نے اس کا نام زین الصنم رکھا۔ شہزادہ جب تھوڑا بڑا ہوا تو قابل استادوں کے سپرد کر دیا گیا۔ جو رات دن محنت ومشقت سے اس کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔

پندرہ سولہ برس کی عمر میں زین الصنم تعلیم حاصل کر کے امور سلطنت میں بادشاہ کی معاونت کرنے لگا اس طرح سال دو سال میں حکومت کے سب امور واسرار سے واقف ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنی طبعی عمر پوری کر کے وفات پائی اور عنان حکومت زین الصنم کے ہاتھ آئی اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود شہزادہ عیش میں مشغول ہو گیا ملکی نظام بگڑنے لگا اور بہت سے حاکم خودسر ہو گئے۔ رعایا نااہل حاکموں کے ہاتھوں نالاں رہنے لگی۔ خزانہ خالی ہو گیا اسی زمانہ میں شہزادے نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ بیٹا یہ کیا کر رہے ہو۔ تمہاری تو سلطنت تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ تمام کاروبار بیکار اور خوشامد کرنے والوں کے ہاتھوں میں ہے ہوش میں آؤ اور اپنے کام کو سنبھالو اور جب نظم وضبط درست ہو جائے تو پھر قاہرہ دارالحکومت میں جاؤ تمہیں بہت فائدہ ہو گا۔ صبح کو شہزادہ بیدار ہوا تو اپنی حرکات پر غور کر کے بہت شرمندہ ہوا۔ اور عہد کر لیا۔ کہ جلد از جلد امور سلطنت کی اصلاح کر دوں گا باپ کے زمانہ کے تجربہ کار افسروں کو ذمہ دار عہدوں پر مقرر کیا۔ نااہل بے ایمان اور خوشامدی افسروں کو نکال دیا گیا۔

قابل افسران فوج واپس بلائے۔ اخراجات کو اعتدال پر لایا۔ سال بھر ہی میں حالت بدلنے لگی جب خزانہ مین کافی روپیہ جمع ہو گیا۔ تو وزیر اعظم سپہ سالار افواج سے مشورہ کر کے

نئی سپاہ بھرتی کی۔ اوران تمام حاکموں کی سرکوبی کا حکم جاری کیا جوخود مختاری کا دعویٰ کرنے لگے تھے دوسرے سال ملک میں امن قائم ہوگیا سب اضلاع قبضے میں آ گئے۔ اورزین الصنم کوچین کا سانس لینا میسر ہوا۔ انہی دنوں اس نے پھر خواب میں اس بزرگ کو دیکھا فرماتے ہیں کہ تم نے اپنے فرائض بہت اچھی طرح پورے کردیئے۔ اب قاہرہ جاؤ تمہیں بہت فائدہ ہوگا۔ اور باقی پریشانیاں بھی رفع ہوجائیں گی۔ ماں نے مشورہ دیا کہ زین الصنم اپنی حکومت کوسنبھالو۔ یہی کافی ہے۔ لیکن زین الصنم نہ مانا۔ اور کچھ ملازم ساتھ لے کر قاہرہ روانہ ہوگیا۔ قاہرہ پہنچنے پر ایک مناسب جگہ ٹھہرا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کروں پھر خواب میں بزرگ نظر آئے اور کہا اسی پریشانی میں کامیابی حاصل کروگے۔ اب پھر بصرہ جاؤ۔ وہیں تم کوایک نایاب خزانہ ملے گا۔ جب صبح کوزین الصنم بیدار ہوا تو بڑا حیران ہوا۔ کہ اگر کام بصرہ ہی میں ہونا تھا۔ تو یہاں بلانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ بہر حال مجبوری تھی بصرہ واپس آ گیا۔ اور ماں سے کل حالات بیان کیے۔ وہ کہنے لگی کہ میں نے شروع ہی میں سمجھایا تھا۔ کہ خواہ مخواہ کیوں سفر کرتے ہو۔ عدل وانصاف سے حکومت کرو۔ خدا اس میں برکت اور کامیابی عطا کرے گا۔

اسی رات پھر اس نے خواب میں اس بزرگ کو دیکھا وہ کہہ رہے تھے کہ اب تمہارا کامیابی کا وقت آ گیا ہے اپنے باپ کی خلوت گاہ کی زمین کھودو۔ موجودہ خزانہ مل جائے گا۔ صبح اٹھ کر زین الصنم نے اپنی ماں سے خواب بیان کیا وہ کہنے لگی کہ تم اس خیال کو چھوڑو۔ نامعلوم کون تم کو بہکاتا ہے۔ لیکن زین الصنم کہنے لگا۔ کہ اماں اس میں کوئی زیادہ محنت اور وقت بھی نہیں ہے۔ تجربہ ضرور کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے خود ہی زمین کھودنی شروع کی۔ دور تک کھودنے کے باوجود جب کچھ آثار ظاہر نہ ہوئے تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ میرے ہی روزانہ تخیل کا نتیجہ تو نہیں ہے۔ اور قریب تھا کہ وہ کام بند کردے پھر خیال آیا کہ تھوڑی کھدائی اور کرکے دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ مستقل مزاجی سے پھر کوشش میں مصروف ہوگیا۔ جب دوگز کے قریب زمین کھد چکی تو ایک لمبا پتھر نظر آیا۔ زین الصنم نے نئے ولولے سے پھر کھدائی شروع کردی تھوڑی دیر بعد دروازے کے آثار نظر آنے لگے کچھ اور مٹی ہٹی تو ایک دروازہ نمودار ہوگیا۔

شہزادے نے اس کو کھولا تو ایک تہہ خانہ نظر آیا۔ اس نے اپنی ماں کو بلا کر دکھایا تو وہ

بھی متعجب ہوئی دونوں شمع لے کر اندر گئے تو بڑے بڑے مٹکے رکھے ہوئے نظر آئے جب ان کو کھول کر دیکھا۔ تو تمام کے تمام اشرفیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ زین الصنم اور اس کی والدہ لاتعداد دولت دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ جب کل مٹکوں کو گناہ تو ایک کم بیس تھے اور ان کے اندر مجموعی دولت ساری سلطنت کی قیمت سے بھی زیادہ تھی پھر اس تہہ خانے کے کمرے سے باہر نکلے تو برآمدے میں ایک خم نظر آیا اس کو کھولا تو اس میں سے ایک سونے کی کنجی ملی۔ لیکن ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی جو اس سے کھولی جاتی۔ دونوں پھر اندر آئے اور کمرے کی ایک ایک دیوار کا جائزہ لیا۔ آخر ایک دیوار میں دروازے کا نشان دیکھ کر اسے کنجی کی مدد سے کھولا تو ایک وسیع میدان میں داخل ہوئے وہاں ایک بڑا تخت تھا جس میں نو پائے نصب تھے۔ پائے خالص سونے کے تھے اور ہر پائے پر ایک الماس کی تصویر قائم تھی اور تمام میدان ان الماسوں کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ صرف ایک پایہ خالی تھا ماں اور بیٹا ایسا لاجواب تخت دیکھ کر نقش حیرت بن گئے۔

قریب جا کر دیکھا تو خالی پائے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ آٹھ الماس کی تصویریں جن کی قیمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا بڑی محنت سے حاصل ہوئی ہیں۔ نویں تصویر بھی اگر تم حاصل کرنا چاہو تو قاہرہ جا کر میرے غلام مبارک کو تلاش کرو۔ وہ وہاں کا مشہور تاجر ہے اور اس سے کہو کہ میں نویں تصویر لینے آیا ہوں۔ زین الصنم وہاں سے اچھی طرح دیکھ بھال کر کے واپس آیا اور ماں سے اجازت لے کر قاہرہ روانہ ہوگیا۔ اور قاہرہ پہنچ کر اس نے سوداگروں سے دریافت کیا کہ مبارک سوداگر کون ہے؟

یہ سن کر ان لوگوں نے بتایا کہ یہاں کا ایک مشہور آدمی ہے۔ اور وہ فلاں جگہ رہتا ہے یہ پتہ لگا کر زین الصنم اس کے مکان پر پہنچا اور اطلاع کرائی کہ ایک شخص ملنے آیا ہے۔

آٹھ تصویروں والا نامکمل تخت

مبارک نے اس کو اندر بلایا اور پوچھا کہ فرمایئے میں کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ زین الصنم نے اپنے والد کا نام بتایا اور کہا کہ میں ان کا لڑکا ہوں۔ اور ایک کام کے لیے آیا ہوں۔ مبارک نے کہا کہ میں بصرہ سے آیا ہوں۔ لیکن اس وقت تو شاہ بصرہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اور بظاہر کوئی امید بھی نظر نہیں آتی تھی۔ زین الصنم نے کہا کہ اگر آپ کو میری شخصیت پر شک

ہے تو میں آپ کے اطمینان کے لیے یہ بتا سکتا ہوں کہ میں نو پائیوں کے تخت کو دیکھ آیا ہوں۔ اور آٹھ تصویریں بھی وہاں موجود ہیں۔

نویں پائے پر یہ ہدایت ہے کہ قاہرہ میں مبارک سے ملو۔ اور اس سے کہو کہ نویں تصویر لینا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی مبارک ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ بے شک آپ میرے آقا زاد ہیں اور میں آپ کا غلام۔ چندے آرام فرمایئے تھکان سفر رفع ہو جائے گی۔ تو میں آپ کو شاہ جنات کے پاس لے جاؤں گا۔ آگے آپ کی قسمت۔ پھر اس نے بہت عزت واحترام سے زین الصنم کو ایک عالی شان مکان میں ٹھہرایا اور ہر قسم کا سامان راحت فراہم کر دیا۔ جب دو تین روز میں شہزادہ اچھی طرح آرام کر چکا تو ایک روز مبارک نے قاہرہ کے بڑے بڑے سوداگروں کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ کھانے سے پہلے شہزادے کو صدر مقام پر بٹھایا اور خود ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ نوجوان میرے آقا شاہ بصرہ کا نور نظر ہے ان کا وصال ہو گیا۔ اب یہ ہی میرے آقا کے جانشین ہیں۔ میں ان کا زر خرید غلام ہوں اور اب بطور وراثت شہزادے کا غلام ہوں۔ آپ سب حضرات کو اس لیے تکلیف دی ہے تا کہ اپنے آقا زادے سے تعارف کرادوں۔

یہ سن کر سب لوگ بہت متعجب ہوئے اس کے بعد زین الصنم کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ کہ میں آپ لوگوں کی موجودگی میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس کام کو پورا کرنے کے بعد جو مبارک سے متعلق ہے۔ یہ آزاد ہوں گے۔ اور میں اپنے حق ملکیت سے دست بردار ہو جاؤں گا اور یہ تمام اسباب جو میرا حق ہے مبارک کو بخشتا ہوں۔ مبارک نے شہزادے کا شکریہ ادا کیا۔ پھر دستر خوان بچھایا اور سب نے کھانا کھایا۔

دوسرے روز مبارک زین الصنم کو لے کر ایک سمت روانہ ہوا۔ کچھ مسافت طے کر کے ملازموں کو چھوڑ دیا صرف دونوں آگے بڑھے۔ راستہ میں مبارک نے زین الصنم کو سمجھایا کہ کچھ عجیب وغریب چیزیں دیکھنے میں آئیں گی۔ دل کو مضبوط رکھیئے گا اور قطعاً خوفزدہ نہیں ہونا پھر دونوں ایک دریا کے کنارے پہنچے۔ مبارک نے کہا کہ تھوڑی دیر میں ایک خوبصورت کشتی اور نہایت ہیبت ناک ملاح آئے گا۔ آپ اس کو دیکھ کر پریشان نہیں ہونا۔ بلا تکلف میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو جانا۔ لیکن ملاح سے گفتگو نہ کرنا۔ ورنہ کشتی غرق

ہو جائے گی۔ پھر اس نے کچھ پڑھا اتنے میں سامنے ایک بہت خوبصورت کشتی جو عود وصندل کی بنی ہوئی تھی۔ جس کو ایک عجیب اور خوفناک صورت کا ملاح چلا رہا تھا۔ آئی دونوں خاموشی سے اس کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی چل دی۔

تھوڑی دیر میں کشتی نے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ دونوں اتر کر خشکی پر پہنچے اور کشتی دفعتاً غائب ہو گئی زین الصنم نے دیکھا کہ بڑا ہی خوبصورت جزیرہ ہے۔ ہر طرف سرسبز شادابی کی علامت نظر آتی ہیں۔ مبارک نے کہا کہ روئے زمین پر اتنا خوبصورت کوئی دوسرا جزیرہ نہیں ہے۔ یہ شاہ جنات کی رہائش گاہ ہے۔ چند قدم آگے بڑھے تو ایک قلعہ نظر آیا۔ جس کے چاروں طرف پانی سے بھری ہوئی بڑی خوبصورت خندق تھی اردگرد بڑے بڑے تن آور درخت تھے۔ جن کے سائے میں ایک قلعہ تھا جو حقیقتاً پریوں کی آرام گاہ معلوم ہوتی تھی۔ قلعہ کے سامنے خندق پر نہایت خوبصورت جواہرات سے مرصع عود وصندل کی لکڑی کا بنا ہوا پل تھا۔ جس پر جنوں کا پہرہ تھا۔ مبارک یہیں ٹھہر گیا اور کہنے لگا کہ اس کے آگے بڑھنا موت کو دعوت دینا ہے پھر اس نے چار تعویذ نکالے دو خود رکھے اور دو شہزادے کو دے کر کہا کہ ان کو پہن لو۔ اس کے بعد کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ اب میں شاہ جنات کو بلانے کے لیے اسم پڑھتا ہوں۔ اس کی آمد سے پہلے کڑک وگرج، اندھیرا اور زلزلہ محسوس ہو گا۔ لیکن خوفزدہ نہ ہونا۔ اس کے بعد شاہ جنات آئے گا۔ اگر مسکراتا ہوا آئے تو سمجھنا مہربان ہے تم سے مل کر اس کو مسرت ہو گی

کریہہ صورت ملاح اور کشتی

اور اگر کسی ہیبت ناک شکل میں آئے تو یہ غصہ کی علامت ہے اس وقت عرض مطلب نہ کرنا۔ بلکہ سلام کے بعد اتنا کہہ دینا کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ اور اب میں آپ کی شفقت کی امید لے کر آیا ہوں۔ اگر وہ خوش ہوں تو عرض کرنا میں مہربانی کا طالب ہو کر آیا ہوں۔ جو آپ میرے والد پر کیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ زین الصنم کو سمجھا کر مبارک نے اسم پڑھنا شرع کیا۔ ایک دم زلزلہ آیا اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ کڑک سے جی دہلا جاتا تھا۔

شاہ جنات کا آنا

تھوڑی دیر کے بعد مطلع صاف ہو گیا اور ایک نہایت خوبصورت جوان مسکراتا ہوا ان کی طرف آیا زین الصنم نے نہایت ادب و احترام سے جھک کر سلام کیا اور دست بستہ کھڑا ہو گیا۔

شاہ جنات نے مسکرا کر زین الصنم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ عزیز لڑکے! جس طرح مجھے تمہارے والد سے محبت تھی۔ اس طرح میں تم کو بھی چاہتا ہوں۔ بلکہ دوست کا لڑکا ہونے کی حیثیت میں تم میرے بھی بچے ہو۔ تمہارے والد جب میرے پاس آتے تھے وہ جو تحفہ لایا کرتے تھے۔ میں ان کو اس کے بدلے تصویر دیا کرتا تھا۔ آٹھ تصویریں وہ لے چکے تھے۔ کہ حکم قضا آ گیا اور ان کا انتقال ہو گیا۔ میں نے عہد کر لیا کہ نویں الماس کی تصویر جو سب سے قیمتی ہے تمہیں دوں گا۔

چنانچہ میں نے بزرگ بن کر تمہاری کوتاہی پر تمہیں متنبہ کیا اور تمہارے استقلال و ہمت کا امتحان لینے کے لیے قاہرہ بلایا اور پھر بصرہ واپس آ گیا جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم مستقل مزاج ہو۔ اس کے بعد میں نے تمہیں خزانے کا پتہ بتا دیا اور نویں پائے پر وہ عبارت بھی لکھ دی جسے دیکھ کر تم میرے پاس آئے ہو۔ میں اپنے عہد پر قائم ہوں اور تمہیں وہ تصویر دوں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک نہایت خوبصورت بے عیب پندرہ سال کی دوشیزہ میرے لیے لاؤ۔ لیکن اس کا باطن بھی اتنا ہی حسین ہونا چاہیے جتنا کہ ظاہر ہو اور جب تم میرے لیے کوئی دوشیزہ منتخب کر چکو۔ تو پھر اس کے متعلق کوئی دوسرا ارادہ نہ کرنا ورنہ نقصان کے ذمہ دار تم ہو گے۔

زین الصنم نے سر تسلیم خم کیا اور کہا کہ تکمیل ارشاد کروں گا۔ لیکن یہ فرمائیے کہ اس کے باطن کو میں کیسے دریافت کروں گا۔ شاہ جنات نے ایک آئینہ دیا اور کہا کہ جب اس کی صورت اس میں دیکھو گے۔ تو کل اندرونی حالات معلوم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اس نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔ جس وقت یہ دریا کے کنارے آئے تو وہی کشتی آئی اور دونوں کو دوسری طرف اتار کر غائب ہو گئی۔ مبارک اور زین الصنم اپنے مکان پر واپس آئے

اور لڑکی کی تلاش شروع کی۔ بہت سی لڑکیاں دیکھیں۔ جو اپنے حسن و جمال کی نظر رکھتی تھیں۔ لیکن جب شیشہ میں دیکھا تو کسی کا دامن پاک نظر نہ آیا۔ مجبور ہو کر دونوں حسن مرضی حسینہ کی تلاش میں شہر بشہر پھرتے ہوئے بغداد پہنچے۔ اور ایک عالی شان مکان کرایہ پر لے کر رہنا شروع کیا۔ غربا اور یتیموں کی خبر گیری فقیروں اور درویشوں کی تواضع کرتے ہوئے مہینے گزر گئے۔ آخر تمام بغداد میں زین الصنم کی سخاوت و ریاضت کا شہرہ ہو گیا۔ بڑے نامی گرامی امراء اور روساء سے میل ملاقات ہو گیا۔ اسی دوران میں اس نے امیر گھرانوں کی لڑکیوں کو بھی دیکھا۔ جو بہت نازک اندام تھیں۔ لیکن جب آئینہ سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ کسی کا دامن صاف وشفاف نہیں ہے۔

زین الصنم مایوس ہو کر واپس چلا تھا کہ اتفاقاً اسی زمانے میں اس نے وزیر اعظم بغداد کی لڑکی کی تعریف سنی۔ بڑی مشکلات جھیل کر اس کو دیکھا۔ واقعی وہ اپنا جواب نہ رکھتی تھی اس کا حسن و جمال دیکھ کر زین الصنم دل سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس کے بعد آئینہ سیرت نما سے امتحان کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کی سیرت بھی اتنی ہی پاک ہے۔ جتنی ایک معصوم بچے کی۔ چنانچہ زین الصنم نے پیغام شادی بھیجا جو منظور ہو گیا۔ اور چند ہی روز بعد نکاح کر دیا گیا۔ نکاح کے بعد مبارک نے کہا کہ بس اب یہاں سے چلیئے اور اس کو شاہ جنات کی خدمت میں پیش کر دیجئے تاکہ وعدہ جو کیا ہے پورا ہو جائے۔

زین الصنم نے کہا کہ مبارک اس پر تو میں جان دینے لگا ہوں۔ کس طرح اس کو شاہ جنات کے حوالے کر دوں ایسی پارسا نیک اور حسین بیوی پھر مجھے کہاں سے ملے گی۔ مبارک نے کہا آپ بھی غضب کرتے ہیں کیا شاہ جنات نے تمہیں نہ کہہ دیا تھا کہ جو لڑکی میرے لیے منتخب کر لو۔ اس میں کوئی خیانت نہ کرنا۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے کیا آپ اپنی جان سے بیزار ہیں جو ایسا ارادہ رکھتے ہیں بڑی مشکل سے شہزادہ راہ راست پر آیا۔ پھر سب قاہرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مبارک نے ایسا انتظام کیا کہ راستہ بھر زین الصنم کو دلہن کے پاس جانے نہ دیا اور روز وزیر زادی کو بھی مختلف بہانوں سے مطمئن کرتا رہا۔

آخر یہ لوگ قاہرہ پہنچے۔ اور نئی دلہن کو لے جا کر شاہ جنات کے سامنے پیش کیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا بے شک یہ لڑکی میرے حسب منشاء ہے۔ اب تم بصرہ واپس چلے جاؤ۔ نویں تصویر تمہیں وہیں مل جائے گی۔ زین الصنم اور مبارک واپس آئے۔ مبارک کو

قاہرہ میں چھوڑ کر زین الصنم بصرہ روانہ ہو گیا لیکن راستے بھر وزیر زادی کا تصور آتا رہا۔ اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا ایک الماس کی تصویر کے بدلے تو نے ایسی حسین اور پاک لڑکی جو کہ تیری بیوی بن چکی تھی کھو دی۔

بہر حال جوں توں کر کے اپنے ملک پہنچا۔ اور والدہ سے مل کر کل واقعات سنائے لیکن زین الصنم کو دلہن کی جدائی کا اتنا صدمہ ہوا کہ تصویر حاصل کرنے کی کوئی خوشی باقی نہ رہی۔ چنانچہ وہ کئی روز تک تہہ خانہ میں بھی نہیں گیا۔ ایک روز شب کو اس نے شاہ جنات کو خواب میں دیکھا۔ وہ اصرار کرتا رہا کہ صبح کو تہہ خانے میں جا کر تصویر کو ضرور دیکھو۔ تمہیں خوشی حاصل ہو گی دوسرے روز بیدار ہو کر شہزادہ والدہ کے ساتھ بادل نخواستہ تہہ خانے میں گیا جب وہ تخت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ نویں تصویر کی جگہ اس کی دلہن بیٹھی ہے۔ شہزادہ بے اختیار دوڑ کر اس سے لپٹ گیا اور دیر تک اسے سینے سے لگائے رہا۔ گویا اس کو خطرہ تھا کہ کہیں یہ پھر جدا نہ ہو جائے ابھی شہزادہ وزیر زادی سے معذرت بھی نہ کر پایا تھا کہ اسی تہہ خانے میں زلزلہ آیا۔ پھر زمین شق ہوئی اور شاہ جنات مسکراتے ہوئے آیا۔

پہلے شہزادے کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کیا۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ کہ مجھے معلوم تھا کہ تم اپنی دلہن پر عاشق ہو گئے ہو۔ لیکن اس سلسلہ میں میں نے خود ہی غلط فہمی میں مبتلا رکھا تھا تا کہ مزید امتحان کر لوں۔ پھر تم کسی وقت غیر مستقل مزاجی کا شکار تو نہ ہو جاؤ گے۔ اور اس پاک باطن لڑکی کی تلاش میں نے اپنے لیے نہیں کرائی تھی بلکہ میں چاہتا تھا کہ تمہیں ایسی دلہن ملے جو ہمہ صفت ہو۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس میں کامیاب ہو گیا اور اپنے مرحوم دوست کے حق دوستی سے عہدہ برآ ہو گیا۔ تمہاری دلہن تمہیں مبارک ہو مجھے امید ہے کہ تم اس پارسا لڑکی کے ساتھ ہمیشہ خوش وخرم زندگی بسر کرو گے۔ اس کے بعد نویں الماس کی تصویر زین الصنم کو دے کر کہا۔ کہ یہ لو میں اپنا دوسرا وعدہ بھی پورا کرتا ہوں۔ اب میں جاتا ہوں۔ خدا تمہیں برکت دے اگر کسی وقت میری مدد کی ضرورت ہوئی تو میں ضرور آؤں گا اور میں تمہارے حالات سے باخبر رہوں گا اس کے بعد شاہ جنات غائب ہو گیا۔

زین الصنم اپنی نیک اور پارسا دلہن کو لے کر باہر آیا اور اسی وقت جشن شاہانہ منانے کا حکم دیا گیا۔ وزیر زادی ملکہ بصرہ کے لقب سے مشہور ہوئی اور سب امن و سکون سے رہنے سہنے لگے۔

یہ کہانی ختم کر کے شہزادی نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ کل انشاء اللہ خداداد اور شہزادی دریابار کی کہانی سناؤں گی۔ دینازاد نے اس کہانی کی تعریف کی اور دوسری کہانی کے بارے میں بھی اشتیاق ظاہر کیا۔ شہریار گو منہ سے کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں اشتیاق کی چمک موجود تھی۔ جس سے شہزادی نے اندازہ لگایا کہ حکم قتل آج بھی ملتوی رہے گا۔

شہزادی دریابار

دوسرے روز شہرزاد نے شہزادی دریابار کی کہانی یوں شروع کی۔ پچھلے زمانے میں ایران کے مغربی حصے میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کا نام ملک ہیرن تھا۔ باوجود یہ کہ اس نے پچاس شادیاں کیں۔ کسی بیوی سے بھی اولاد نہیں ہوئی۔ بادشاہ ہر وقت مغموم رہنے لگا۔ تو امراء وزراء نے سمجھایا۔ یہ خدا کی مرضی ہے جسے چاہا دیا جسے چاہا نہ دیا۔ اس میں رنج و غم کی بجائے دعا کرنی چاہیے۔ جب تک اس کا حکم نہیں ہو گا یہ آرزو پوری نہیں ہو گی ملک ہیرن کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی چنانچہ اس نے فقراء اور درویشوں کے پاس جانا شروع کیا۔ اور خود بھی بارگاہ خداوندی میں گڑگڑاتا اور سجدہ کرتا رہا۔ ایک روز اسی پریشانی میں سویا تو خواب میں ایک بزرگ نظر آئے کہا کہ صبح کو اٹھ کر باغ میں جانا اور ایک انار کھا لینا۔ انشاء اللہ تمہارا گھر اولاد سے روشن ہو جائے گا صبح جب بادشاہ کی آنکھ کھلی تو عبادت الٰہی سے فارغ ہو کر باغ میں آیا اور ایک انار توڑ کر کھایا۔ خدا کی قدرت کاملہ سے اس کی مراد پوری ہوئی ملک ہیرن شاہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ایک بیوی ملکہ فیروزہ کے ہاں اولاد کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ بادشاہ نے منحوس سمجھ کر اسے دوسری بیویوں سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اولاد پہلے تو یہ ارادہ ہوا کہ اس کو طلاق دے کر نکال دیا جائے۔ لیکن وزیر نے سمجھایا کہ آپ جلدی نہ کیجئے۔ اس میں اس غریب کا کیا قصور ہے آپ کے محل میں پچاس عورتیں تھیں۔ لیکن کسی سے بھی کوئی خوشخبری سننے میں نہیں آئی اب خدا نے فضل کیا ہے تو آپ کو کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہیے جس سے کسی کا دل دکھے اور وہ بددعا کرے خدا کے ہاں سب کی سنی جاتی ہے۔ معلوم نہیں آئندہ کیا ہو۔ یہ سن کر بادشاہ خوف الٰہی سے کانپ گیا۔

لیکن پھر بھی ایک دور دراز علاقے میں جہاں ملک ہیرن کا بھتیجا حکمران تھا۔ ملکہ فیروزہ کو بھیج دیا۔ ایک ایک دن گن کر مدت خوشی پوری ہوئی۔ اور ہر ایک بیوی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ ملک ہیرن کے بھتیجے نے بھی اطلاع بھیجی کہ ملکہ فیروزہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ بادشاہ نے بہت کچھ مال و زر خیرات کیا ہفتوں تک جشن مسرت منایا جاتا رہا۔ ملک ہیرن نے اپنے بھتیجے کو کہلا بھیجا کہ لڑکے کا نام خداداد رکھو اور ابھی سے اچھی ہی تعلیم و تربیت کا انتظام کرو۔ جب لڑکا بڑا ہو جائے گا بلا لوں گا۔

چنانچہ باپ کی زیر نگرانی انچاس لڑکے اور چچازاد بھائی کی زیر نگرانی خداداد خوبصورت جوان بن گیا بھائی کی توجہ اور ماں کی کوششوں سے اس کی تعلیم و تربیت اتنی اچھی ہوئی کہ بڑے بادشاہوں کے شہزادوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ خصوصاً فنون جنگ میں تو خداداد صلاحیت رکھتا تھا۔

اسی زمانہ میں اتفاقاً ملک ہیرن کے ملک پر ایک دشمن نے حملہ کر دیا بڑے زور و شور سے لڑائی ہو رہی تھی کہ یہ اطلاع خداداد تک پہنچی اس نے ماں اور بڑے بھائی سے اجازت چاہی کہ اس وقت باپ کی خدمت کرنا عین سعادت ہے۔ ماں نے تو اجازت دے دی۔ لیکن بھائی نے جو خداداد سے بڑی محبت کرتا تھا۔ منع کر دیا کہ جب ان کو ہی تمہاری ضرورت نہیں تو تمہیں جانے کی کیا ضرورت ہے لیکن خداداد کا دل نہ مانا اور ایک روز شکار کے بہانے گھر سے نکل کر اپنے باپ کی سلطنت میں جا پہنچا۔ رات کو ایک کاروان سرائے میں قیام کیا۔ صبح کو دربار شاہی میں جا کر آداب بجا لایا۔ اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ اس کے حسن و جمال اور ادب و قاعدہ کو دیکھ کر متحیر ہوا۔ اور بڑے اخلاق سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کا کہ میں ایک عراقی امیر کا لڑکا ہوں۔ کچھ روز سے آپ کے زیر سایہ پڑا ہوں۔ شکار کا مشغلہ ہے آج کل اس ملک پر دشمنوں کا نرغہ ہے میں چاہتا ہوں کہ مجھے بھی خدمت کا موقعہ دیا جائے تا کہ حق نمک ادا کر سکوں۔

ملک ہیرن شاہ اس کی گفتگو سن کر بہت خوش ہوا اور فوج کے ایک دستے کا افسر مقرر کر دیا خداداد فوج میں شریک ہو کر محاذ جنگ پر پہنچا۔ ملک ہیرن بھی بذات خود جنگی صورت حال کو دیکھنے آیا تھا۔ ایک روز معرکہ جنگ میں اس نے خداداد کی بہادری دیکھی تو حیران رہ گیا چند ہی دنوں میں اس نئے افسر کے تابڑ توڑ حملوں نے دشمن کو فرار پر مجبور کر دیا۔ اور ملک

ہیرن کی فوج فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے واپس آئی۔ سپہ سالار نے خداداد کی تعریف کی کہ در اصل اس فتح کا سہرا ہمارے اس نوجوان افسر کے سر ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور فوج میں بڑے عہدہ پر اس کو فائز کیا قضا الٰہی چند ہی مہینہ بعد سپہ سالار کا انتقال ہو گیا۔ ملک ہیرن خداداد کی قابلیت اور بہادری سے پہلے ہی بہت متاثر تھے اس کو سپہ سالار مقرر کر دیا ہوشیاری دوسرے شہزادوں کو بہت ناگوار گزری کہ ایک اجنبی غیر ملکی کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو یہ ارادہ کیا کہ خداداد کو کسی بہانے سے جنگل میں لے جا کر قتل کر دیا جائے لیکن اس صورت میں بادشاہ کی جواب طلبی کا خطرہ تھا دوسرے خود خداداد بھی ایسا تر نوالہ نہ تھا جو آسانی سے نگلا جا سکتا تھا تمام شہزادے اس کی جرأت اور ہوشیاری میدان جنگ میں دیکھ چکے تھے آخر بہت غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ یہاں اسے شیر و شکار کے بہانے چند روز کے لیے چلو اور پھر واپس نہ آنا بادشاہ پریشان ہو کر سپہ سالار سے جواب طلب کرے گا کیونکہ آج کل ہم اسی کی تحویل میں ہیں جب ہم غائب ہوں گے اور سپہ سالار جواب نہ دے پائے گا اور نکال دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب کوئی نتیجہ برآمد ہو چکے گا تو ہم سب لوگ اسی بہانے واپس آ جائیں گے تجویز مکمل ہو گئی۔ اور انچاس بھائی خداداد کے پاس آئے۔ اور شکار کے لیے جانے کی اجازت چاہی۔ خداداد نے کہا کہ ضرور جائیے۔ لیکن جلد واپسی کی کوشش کیجیے گا ورنہ بادشاہ کو پریشانی ہوگی۔ سب نے وعدہ کیا اور شکار کے لیے روانہ ہو گئے تین چار روز گزر گئے لیکن شہزادوں کا کوئی پتہ نہ چلا بادشاہ نے خداداد کو بلایا۔ اور پوچھا کہ شہزادوں کی کوئی اطلاع نہیں آئی اس کا کیا سبب ہے تم نے ایسی غفلت اور لاپرواہی کیوں برتی۔ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ شہزادے جوان اور صاحب علم و عقل ہیں تنہا نہیں ماشاءاللہ سارے بھائی ایک ساتھ گئے ہیں۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن تعمیل ارشاد کے لیے میں خود جاتا ہوں۔ اگر میں واپس نہ آیا تو سمجھ لیجیے گا یہ گمشدگی مجھے آپ کی نظروں سے گرانے کے لیے ہے۔ ورنہ ایک کم پچاس برابر کے بھائی راستہ نہیں بھول سکتے۔ اور نہ ہی سب دشمنوں میں گھر سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر اور بغیر انتظار کیے ہوئے خداداد شہزادوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا کئی روز تک وہ شہزادوں کی تلاش میں سرگرداں شہر و دیہات میں پھرا۔ لیکن ان کا کوئی پتہ نہ چلا۔ ایک روز وہ ایسے جنگل سے گزر رہا تھا۔ جہاں کسی بہت پرانے شکستہ و برباد شہر کے نشانات اب تک موجود تھے اور لوگ اس

مقام کو غول بیابانی کا مسکن سمجھتے تھے گھنے درختوں کی چھاؤں میں ایک قابل استعمال مکان
دیکھ کر خداداد اس سمت چلا جب قریب پہنچا تو اوپر کی کھڑکی میں سے ایک نہایت خوبصورت
جوان عورت کھڑی نظر آئی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا رنج والم سے نیم جان ہو رہی ہے۔
جونہی اس کی نظر خداداد پر پڑی اس نے پکار کر کہا خدا کے لیے یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ
زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ یہاں ایک دیو صفت آدم خور زنگی رہتا ہے۔ اور عنقریب
آنے والا ہے شہزادے نے کہا تم اس کے آنے کی فکر نہ کرو مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس طرح
آئی ہو؟ کیا میں تمہارے کسی کام آسکتا ہوں؟ وہ کہنے لگی۔ کہ میں قاہرہ کی رہنے والی ہوں
سفر کر رہی تھی ملازموں سمیت اس دیو صفت زنگی نے گرفتار کر لیا۔ ملازموں کو کھا گیا اور مجھے
قید کر رکھا ہے۔ بس یہی میرا قصہ ہے۔ اور اب خدا کے واسطے تم یہاں سے بھاگ جاؤ
خداداد نے کہا۔ میں تمہیں اس مجبوری کی حالت میں چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اگر وہ آدم
خور روز آتا ہے تو آنے دو ابھی اتنی گفتگو ہو رہی تھی کہ وہ شیطان نما زنگی گھوڑے پر سوار آ گیا
اور غصہ میں بکتا ہوا خداداد پر حملہ آور ہوا۔ شہزادہ اپنی چالاکی سے اس کے وار روکتا رہا۔
لیکن خود کوئی جوابی حملہ نہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ زنگی بہت ہی قوی ہیکل اور فنون جنگ
سے آگاہ تھا لیکن وہ اپنی قوت کے زور میں مسلسل حملے کرتا رہا یہاں تک کہ خداداد نے
محسوس کیا کہ اب زنگی سست ہونے لگا ہے۔ تو اس نے غیرت دلانی شروع کر دی۔ کہ
او نامرد بس اتنا ہی زور اور قوت تھی یہ سن کر زنگی مجنونانہ غصہ میں تابڑ توڑ حملے کرنے لگا۔

آدم خور اور خداداد کی جنگ

غرض چند ساعت کی تھکا دینے والی لڑائی کے بعد زنگی آدم خور بالکل بے دم ہو گیا۔ تو
خداداد نے اپنی تلوار بلند کی اور اس سے پیشتر کہ زنگی اپنے بچاؤ کی راہ نکال سکے۔ اس نے
تلوار کا ایسا وار کیا جس سے بدنصیب کی گردن کٹ کر سر قدموں میں آ گرا عورت نے اوپر
سے خوشی کا نعرہ بلند کیا اور خدا کے حضور ادائے شکر کے لیے سر جھکایا۔ پھر خداداد کو اس نے
بتایا کہ مکان کی چابی اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ اب آپ اطمینان سے اندر آ جائیے۔ خداداد

نے کنجی نکال کر قفل کھولا اور مکان کے اندر آیا تو عورت دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئی اور
مسرت کے آنسو بہاتی رہی بمشکل خداداد نے اس کو اٹھایا اور تسلی دی کہ اب تم اطمینان رکھو
آئندہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اسی دوران اس نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی تو
عورت سے پوچھا کہ یہ کون ہے وہ کہنے لگی یہ بھی مردود زنگی کے قیدی ہیں۔ جنہیں
مار کر کباب بنا کر کھایا کرتا تھا۔ خداداد نے سب کو رہا کر دیا۔ ملک ہیرن کے شہزادے بھی
انہی قیدیوں میں موجود تھے ان کو عزت کے ساتھ الگ کیا۔ اور نہلا دھلا کر پوچھا آپ یہاں
کیسے آ پھنسے؟

بادشاہ نے سارے ملک میں تلاش کر ڈالا لگتا ہے آپ سب کسی فریب میں مبتلا ہو کر
زنگی کی قید میں آئے ہوں گے۔ خیر خدا کا شکر ہے میں نے آپ کو صحیح وسالم پالیا ورنہ بادشاہ
کو کیا منہ دکھاتا۔ گو شہزادوں کو قید سے رہائی کی خوشی تھی۔ لیکن خداداد کی برتری کے احساس
نے ان کے دل جلا کر کباب کر دیئے۔

چونکہ شام ہو چکی تھی۔ اس لیے رات وہیں گزارنے کا فیصلہ ہوا۔ کھانے پینے سے
فارغ ہو کر سب اطمینان سے لیٹ گئے تو خداداد نے اس عورت سے مفصل حالات
دریافت کیے وہ عورت بولی کہ میری داستان مصیبت سن کر صرف رنج وغم ہی آپ ہوگا لیکن
چونکہ آپ کو اصرار کر رہے ہیں تو سنیے۔

شہزادی دریابار

میں دریابار جزیرے کے بادشاہ کی لڑکی ہوں۔ میرے والد کے یہاں کوئی اولاد نہ تھی
۔جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہا کرتے تھے۔ بڑھاپے کے قریب تو وہ تقریباً مایوس
ہو چکے تھے۔ ایک درویش کی دعاؤں کی بدولت میں آشفتہ بخت پیدا ہوئی۔ میرے والد
بہت خوش ہوئے اور بڑے جشن منائے گئے جب میری عمر پانچ برس ہوئی تو والد نے میری
تعلیم کا انتظام اس طرح کیا جیسے عام بادشاہ اپنے لڑکوں کے لیے کرتے ہیں کہ میرے بعد
وارث تخت وتاج وہ ہی ہوگی اسی زمانے میں والد ایک روز شکار کھیلنے گئے تھے۔ وہاں ایک

ہرن پر انہوں نے تیر چلایا۔ وہ زخمی ہو کر بھاگا والد نے اس کا تعاقب کیا اور خدا جانے کہاں سے کہاں نکل گئے۔ آگے چل کر ہرن گھنے جنگلوں میں گم ہو گیا۔ اب میرے والد بہت پریشان ہوئے کیونکہ راستہ معلوم نہ تھا۔ اور رات سر پر آ چکی تھی مجبوراً گھوڑے کی لگام پکڑ کر کسی مکان کی تلاش میں ایک سمت چلے۔ تھوڑی دور جا کر انہوں نے ایک روشنی دیکھی اور یہ خیال کر کے یہاں کوئی ضرور رہتا ہوگا۔ اسی طرف چلے قریب جا کر ایک مکان نظر آیا جس میں ایک زنگی بیٹھا تھا اس کے قریب ایک حسین عورت ایک چھوٹے بچے کو لیے ہوئے زار و قطار رو رہی تھی۔ زنگی کے سامنے ایک ٹانگ انسان کی پڑی تھی جس سے وہ گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر آگ سے سینک رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے والد خوف سے کانپ گئے لیکن انہوں نے بڑے ضبط سے کام لیا اور اس بے کس عورت کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ زنگی نے انسانی گوشت کے بھنے ہوئے چند ٹکڑے کھا کر عورت کی طرف توجہ دی اور اس کو اپنے ساتھ ہم بستر ہونے کے لیے مجبور کرنے لگا والد نے جب اندازہ کر لیا کہ یا تو اس عورت کی عصمت تباہ ہو جائے گی۔ یا اس کو قتل کر دے گا۔ تو انہوں نے خدا کا نام لے کر ایک ایسا تیر مارا جو زنگی کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اور وہ ایک ہیبت ناک چیخ کے ساتھ پیچھے کی طرف گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ جب تک والد اندر پہنچے زنگی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اور وہ عورت حیران و پریشان چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

زنگی کا تیر سے گھائل ہونا

میرے والد نے عورت کو اطمینان دلایا کہ اب تم کوئی فکر نہ کرو۔ اور مجھے بتاؤ۔ کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کس طرح آئیں۔ عورت نے میرے والد کا بہت شکریہ ادا کیا اور کہنے لگی کہ میں قریب کے چھوٹے سے جزیرے کے سرسنگ قبیلہ کے سردار کی بیوی ہوں۔ یہ زنگی مدت سے مجھے حاصل کرنے کی فکر میں تھا ایک روز اتفاقاً میں اس کو مل گئی۔ اور یہ مجھ کو زبردستی پکڑ لایا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی بدولت میری عزت سلامت رہی۔

وہ رات میرے والد نے اس مکان میں گزاری۔ اور صبح کو اس عورت کو لے کر تلاش

بسیار کے بعد اپنے آدمیوں سے آ ملے۔ وہاں سے وہ اپنے محل میں آ گئے اور اس عورت کے رہنے سہنے کا بھی انتظام کر دیا۔ اس کا لڑکا بھی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ میرے والد نے چاروں طرف اس کے شوہر کو تلاش کرایا۔ لیکن آٹھ دس سال گزرنے کے بعد اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد میرے والد نے اس عورت سے شادی کر لی۔ لیکن اس نے یہ شرط رکھی تھی کہ میری شادی اس کے لڑکے سے کر دی جائے۔ میں نے اس کو منظور کر لیا۔ مگر والد نے یہ شرط لگا دی کہ پھر یہ لڑکا اور کوئی دوسری شادی نہیں کر سکے گا۔ لڑکے نے اس شرط کو اپنی ذلت سمجھا اور در پردہ میرے والد کا دشمن ہو گیا۔ مقدر نے یاوری کی۔ وہ فوج کا افسر بن گیا۔ چنانچہ ایک روز موقعہ پا کر اس نے میرے والد کو قتل کر دیا۔ اور فوج کی مدد سے ملک پر قبضہ کر لیا وزیر نے خفیہ طور پر مجھے محل سے نکال کر چند قابل اعتماد ملازموں اور ایک خادمہ کے ساتھ قریب کے ایک بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ جو میرے والد کے دوست تھے۔ لیکن قسمت کی گردش باقی تھی۔ میں جس جہاز پر سفر کر رہی تھی۔ وہ طوفان کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا۔ سب ساتھی غرق ہو گئے۔ لیکن میں دنیا کی مصیبتیں برداشت کرنے کے لیے ایک تختے کے سہارے ایک کنارے پر جا لگی۔ بھوک اور پیاس سے نیم جان ہو رہی تھی۔ کچھ پتے کھا کر پانی پیا اور خدا کا شکر کر کے بیٹھ گئی۔ اپنی بے کسی اور بے بسی پر میرا جی بھر آیا۔ اور میں زار و قطار رونے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد چند آدمی میرے پاس آئے اور ایک جوان آدمی جو افسر معلوم ہوتا تھا کہنے لگا تم کون ہو؟ ارر یہاں بیٹھی کیوں رو رہی ہو۔ دیر تک میرے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ کیونکہ اس وقت شدت پیاس سے میں ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ آخر اس کے تشفی دینے سے جب میری طبیعت ٹھکانے آئی تو میں نے انہیں داستان مصیبت سنائی وہ رحم کھا کر مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اور اپنی والدہ کے سپرد کر دیا۔ وہاں جا کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک چھوٹے سے علاقے کا حاکم ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے قیام کے بعد وہ مجھ سے محبت کرنے لگا۔

ایک روز اپنی والدہ کی معرفت نکاح کے متعلق اس نے میری مرضی معلوم کرائی۔ میں نے سوچ کر بظاہر اس میں کوئی برائی نہیں ہے اور میرا بھی کہیں دوسرا ٹھکانہ نظر نہیں آتا منظوری دے دی۔ چنانچہ ایک قریب کی تاریخ نکاح کے لیے مقرر کر دی گئی۔ ابھی عقد

میں کئی روز باقی تھے۔ کہ ہمارے علاقے پر ایک دشمن نے حملہ کردیا۔ شکست کھا کر میں اور وہ حاکم علاقہ جس سے میری شادی ہونے والی تھی۔ ایک کشتی میں بیٹھ کر فرار ہوئے دور دراز کے سفر کے بعد ہمیں ایک جہاز مل گیا ۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔

چنانچہ ان لوگوں نے ہمیں گرفتار کرلیا۔ اور میرے منسوب کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا میں مصیبتوں میں گھر گئی اور یقین ہوگیا کہ میری عصمت نہیں بچ سکتی۔ لیکن قدرت کو ایسا منظور نہ تھا۔ میرے حصول کے بارے میں ڈاکوؤں میں جھگڑا ہوگیا۔ اور معاملہ اتنا طول پکڑ گیا کہ ان میں لڑائی شروع ہوگئی۔ بہت سے مارے گئے۔ کچھ زخمی ہوگئے۔ اسی گڑبڑ میں جہاز ان کے قابو سے باہر ہوگیا اور ایک چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہوگیا۔ معلوم نہیں کون بچا۔ اور کون غرق ہوا۔ بہر حال میں ایک ڈاکو کے ساتھ ایک تختہ پر تیرتی ہوئی کنارے پر آ لگی، خشکی پر پہنچ کر ہم دونوں شہر میں آئے اور ایک جگہ قیام کیا۔ وہ ڈاکو بھی میرا طلبگار تھا۔ میں نے بڑی خوشامد سے اس کو سمجھایا کہ تمہارا گروہ تو ختم ہو ہی گیا ہے تم بھی اس زندگی سے کنارہ کش ہوجاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کسی دوسرے شہر میں چل کر کچھ کاروبار کرلو۔ پھر مجھ سے نکاح کرلینا۔ خواہ مخواہ حرام کاری سے کیا فائدہ۔ وہ اس بات پر راضی ہوگیا۔ کچھ جواہرات اس کے پاس تھے اور اس کو فروخت کر کے اس نے ایک غلام اور ایک لونڈی خریدی اور مجھے ساتھ لے کر قاہرہ کا رخ کیا۔ راہ میں اس آدم خور زنگی کے ہاتھوں غلام کنیز اور ڈاکو مارے گئے۔ تو میں قید ہوگئی۔ یہاں آئے ہوئے مجھے چند ہی روز گزرے تھے کہ آپ آگئے اور مردود کو جہنم واصل کردیا۔

خداداد شہزادہ دریابار کی کہانی سن کر بہت متاثر ہوا۔ اور کہا کہ اب آپ آئندہ کے لیے بالکل پریشان نہ ہوں۔ جس طرح آپ چاہیں گی انتظام ہوجائے گا۔ یہ بادشاہ ملک ہیرن کے شہزادے ہیں۔ اگر تم پسند کرو تو ان میں سے کسی کے ساتھ شادی ہوسکتی ہے اس کے علاوہ اگر مجھے تم یہ عزت بخشنا چاہو تو میں بھی حاضر ہوں۔ شہزادی دریابار نے سر جھکا لیا۔ پھر کہنے لگی کہ آپ نے میری جان وعزت بچائی بلکہ ہر چیز بچائی ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں زندگی بھر آپ کی خدمت کر کے کچھ بار احسان اتار سکوں تو مہربانی ہوگی۔ خداداد نے بخوشی منظور کرلیا۔ اور یہ طے ہوگیا کہ شہر پہنچ کر نکاح ہوجائے گا۔

رات کو جب آرام کے لیے لیٹے تو خداداد نے باتوں ہی باتوں میں بھائیوں کو یہ بتادیا کہ میں ملکہ فیروزہ کا لڑکا اور تمہارا بھائی ہوں۔ میں ملک سیمن کے یہاں زیر پرورش تھا۔ والد اور تمام بھائیوں کو دیکھنے چلا آیا تھا۔ بظاہر تو سب بھائی بہت خوش ہوئے۔ لیکن دلوں میں حسد وکدورت اور زیادہ بڑھ گئی۔ موقع پاکر سب نے مشورہ کیا۔ کہ اس وقت اجنبی سمجھتے ہوئے۔ والد اس کی اس قدر عزت وتوقیر کرتے تھے اگر ان کو معلوم ہوگیا کہ ان کا اپنا ہی لڑکا خداداد ہے اور ساتھ ہی ہماری گرفتاری اور اسی کے ذریعہ رہائی کے حالات سنیں گے تو پھر اس کی قدرومنزلت اتنی بڑھ جائے گی۔ کہ ہم کسی شمار میں ہی نہیں رہیں گے اس لیے اس کا قصہ ہی پاک کردینا چاہیے۔ تمام شہزادوں کے درمیان یہ رائے منظور ہوگئی۔

خداداد بھائیوں کے مکر سے لاعلم تھا۔ دل پسند دلہن کے حصول کے لیے دل خوش کن حالات میں مزے سے سو رہا تھا۔ کہ فتنہ خوابیدہ بیدار ہوا۔ ظالم بھائیوں نے اپنے تئیں خداداد کو مار کر ڈال دیا۔ اور فوراً اس جگہ سے کوچ کر گئے خوف اور گھبراہٹ میں شہزادی نے قریب جا کر دیکھا تو شہزادے میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ شہزادی اسے غیر محفوظ ہی چھوڑ کر کسی امداد کی تلاش میں باہر نکلی۔ اندھادھند ایک سمت چلتی رہی اتفاقاً ایک بوڑھے جراح کے مکان پر پہنچی اور رو رو کر تمام حال سنایا۔ جراح بڑا نیک نفس اور خداترس آدمی تھا۔ وہ فوراً شہزادی کے ساتھ اس جگہ پہنچا تو شہزادی وہاں موجود نہ تھا۔ تلاش بسیار کے باوجود اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ شہزادی دریابار زاروقطار رونے لگی۔ نیک دل جراح نے اس کو تسلی دی اور اپنے ساتھ گاؤں میں واپس لایا۔ وہاں اپنی بیوی کو کل حالات بتا کر مجھے اس کے سپرد کردیا۔ چند روز تک شہزادی دریابار فرط غم سے بالکل بدحواس رہی۔ آخر بروقت مدد اور جراح کی بیوی کی دل جوئی سے جب طبیعت بحال ہوئی تو جراح اور اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ ملک ہیرن کا دارالحکومت یہاں سے قریب ہی ہے تم اس کے پاس چلو اپنی داستان مصیبت سناؤ ہمیں یقین ہے کہ وہ ہماری دادرسی کرے گا۔ اور اگر شہزادہ زندہ موجود ہوگا تو ضرور تلاش سے مل جائے گا۔ یہ تجویز بہت معقول تھی۔ چنانچہ جراح اور شہزادی دونوں اونٹوں کا انتظام کر کے شہر ہیرن کی طرف روانہ ہوگئے۔ تیسرے دن وہاں پہنچ کر ایک گاؤں کے سرائے میں قیام کیا۔ جراح نے شہزادی کو سمجھا دیا۔ کہ ہر کس وناکس سے اپنا حال بیان نہ کرنا۔ کیونکہ خداداد کے قاتل بھائی بھی یہیں ہیں اگر ان کو تمہاری آمد کا علم ہوگیا تو کوئی نہ

کوئی فتنہ کھڑا کر دیں گے چنانچہ پہلے جراح نے شہر میں نکل کر حالات معلوم کرنے شروع کر دیئے۔ تاکہ دریافت ہو سکے کہ شہزادگان ہیرن نے آ کر کیا قصہ مشہور کیا ہے۔ مختلف لوگوں سے پوچھ گچھ کر کے اسے علم ہوا کہ شہزادہ خداداد کی والدہ ملکہ فیروزہ بھی یہاں آ گئی ہیں اور اپنے بیٹے کی طرف سے بے حد فکر مند ہے۔ ملک ہیرن کو جب سے یہ معلوم ہوا کہ خداداد سپہ سالار اس کا اپنا بیٹا ہے تو ہر طرف اس کو تلاش کرا رہا تھا۔ لیکن اب تک اس کا کہیں پتہ نہیں چلا اور بادشاہ بہت رنجیدہ ہے۔ یہ سب حالات معلوم کر کے جراح سرائے میں واپس آیا۔ اور شہزادی کو کل واقعات سنا کر کہنے لگا۔ کہ میری رائے ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح پہلے ملکہ فیروزہ سے ملو اور اس کو سارا ماجرا سناؤ۔ اس کے بعد بادشاہ تک رسائی آسان ہو گی۔ شہزادی دریابار نے بھی یہ تجویز پسند کی چنانچہ نقاب اوڑھ کر وہ محل سرا میں پہنچی اور دربانوں سے مختلف حیلے بہانے کر کے اندر جانے میں کامیاب ہو گئی۔ ایک کنیز اس کو ملکہ فیروزہ کی خدمت میں لے گئی۔ وہاں پہنچ کر اس نے تخلیہ کی درخواست کی۔ ملکہ فیروزہ نے بڑے تعجب کے ساتھ الگ لے جا کر آنے کا سبب دریافت کیا۔ شہزادی دریابار نے رو رو کر شہزادہ خداداد کی کل داستان سنائی اور جس طرح جراح کی امداد سے یہاں تک پہنچی تھی۔ کل واقعات بھی عرض کیئے۔ ملکہ فیروزہ یہ حالات سن کر بہت روئی۔

اس کے بعد اس نے ہیرن شاہ کو محل سرا میں بلا کر سب حال سنایا بادشاہ دیر تک شہزادی سے مختلف سوال کرتا رہا۔ اس کے بعد سخت غصہ کی حالت میں باہر گیا اور تمام شہزادوں کو بلا کر اصلی واقعات بتانے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ یاد رکھنا کہ تم نے ذرا بھی غلط بیانی کی تو قتل کرا دوں گا ایک کمزور دل شہزادے نے سب ماجرا بیان کر دیا۔ اس طرح شہزادی دریابار کی مکمل تصدیق ہو گئی۔ چنانچہ ملک ہیرن نے تمام شہزادوں کو قید کر دیا۔ اور خداداد کو مردہ سمجھ کر ایک مقبرہ بنوایا۔ جہاں روزانہ خود بخود جا کر فاتحہ خوانی کرتا۔ اور اپنے قابل و ہونہار لڑکے کو یاد کر کے روتا ابھی بادشاہ کا رنج و غم بھی کم نہیں ہوا تھا کہ قریب کے ایک دوسرے بادشاہ نے جسے معلوم ہو گیا تھا کہ خداداد سپہ سالار قتل ہو گیا ہے اور دوسرے شہزادے بھی قید ہیں۔ ہیرن شاہ کے ملک پر حملہ کر دیا۔

مقبرہ خداداد پر فاتحہ خوانی

بادشاہ کے پاس جو کچھ فوج تھی اس کی مدد سے مقابلہ شروع کیا۔ لیکن وہ دل شکستہ ہو چکا تھا۔ جم کر مقابلہ نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ ملک ہیرن کی سپاہ پسپا ہو کر دارالسلطنت کے قریب پہنچ گئی۔ اور یقین تھا کہ دشمن غالب ہو جائے کہ چند سوار بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں آئے اور ادب بجا کر عرض کیا مبارک ہو۔ شہزادہ خداداد معہ کثیر فوج کے آ گئے ہیں۔

بادشاہ جوش مسرت میں آ کر کھڑا ہو گیا اور اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ہونہار بیٹے کے استقبال کو چلا۔ شہر کے دروازے کے قریب خداداد مل گیا۔ باپ کو دیکھ کر گھوڑے سے کود پڑا۔ اور دوڑ کر رکاب تھام لی۔ ملک ہیرن بھی گھوڑے سے اتر کر بیٹے سے لپٹ گیا۔ اور دیر تک محبت کے آنسو بہاتا رہا۔ پھر شہزادے کو لے کر محل سرا میں پہنچا اور اس کی والدہ کو اطلاع دی۔ ملکہ فیروزہ نے آ کر بیٹے کو پیار کیا اور شہزادی دریابار کے آ جانے کی بھی خوشخبری دی شہزادہ سب سے مل ملا کر باپ کے ہمراہ دربار میں آیا اور اسی وقت افسران فوج کو بلا کر صورت حال کے متعلق مشورہ کیا اور یہ تجویز قرار پائی کہ دشمن پر حملہ کرنا چاہیے چنانچہ خداداد کی زیر کمان ایک مضبوط دستہ تیار ہوا۔ اور ان لوگوں نے بے جگری سے دشمن کی فوج پر چھاپہ مارا۔ منصوبے کے مطابق رات ہی رات میں دشمن کی فوج کے مختلف حصوں پر کئی شب خون مارے گئے۔ پھر شہزادہ واپس آ گیا۔ تمام فوج میں مشہور ہو گیا سپہ سالار شہزادہ خداداد واپس آ گیا ہے۔ اس سے فوج کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ حسب معمول جنگ شروع ہوئی۔ دشمن خداداد کے حملہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئے خداداد نے تعاقب کر کے تمام فوج کو تتر بتر کر دیا اور بفتح فیروزی واپس تمام ملک میں فتح جشن کا اعلان کر دیا۔

دوسرے روز بادشاہ نے خداداد کی شادی دریابار سے کر دی۔ شادی کے روز خداداد کے اصرار پر ملک ہیرن نے سب شہزادوں کو بھی رہا کر دیا۔ سب بھائی خداداد کی یہ سیر چشمی دیکھ کر گرویدہ ہو گئے اور عہد کر لیا کہ آئندہ جہاں خداداد کا پسینہ گرے گا۔ ہم اپنا خون

بہادیں گے۔ بادشاہ نے جراح کو بہت کچھ انعام دے کر رخصت کیا۔

خداداد نے اپنا حال بادشاہ سے عرض کیا کہ شہزادی دریابار مجھے چھوڑ کر جب جراح کی تلاش میں گئی تو اس کے بعد ایک سانڈنی سوار آیا اور مجھے زخمی دیکھ کر اپنے ساتھ لے گیا وہاں بڑی محنت سے میرا علاج کرایا جب میں تندرست ہو گیا تو اس زمانے میں یہ جنگ چھڑ گئی۔ وہ علاقہ بھی ہماری سلطنت میں تھا۔ میں نے کچھ سپاہی اکٹھے کیے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے اس شخص کو بلا کر جس نے شہزادے کا علاج کرایا تھا۔ اتنا انعام و اکرام دیا کہ سات پشت تک کافی ہو گا۔

سب لوگ اس کے بعد ہنسی خوشی رہنے لگے۔ اور پھر کوئی مصیبت انہوں نے نہیں دیکھی۔ یہ کہانی سنا کر شہزاد کہنے لگی کہ کل انشاء اللہ سوتے جاگتے کی کہانی سناؤں گی۔ جو اپنی نظیر آپ ہے۔ بادشاہ نے اس روز بھی قتل کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے کاروبار شاہی میں مصروف ہو گیا۔

سوتے جاگتے کی حکایت

دوسری شب کو شہزادی نے حسب وعدہ کہانی سنانی شروع کی۔ خلفائے عباسیہ کے مشہور اور عظیم بادشاہ ہارون رشید کے دور حکومت میں ایک دولت مند اور صاحب لیاقت تاجر تھا اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ایک لڑکا ابوالحسن چھوڑا۔ مال و دولت کی کمی نہ تھی ابوالحسن نوجوان تھا۔ عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ بغداد کے بے فکر خوشامدی چاروں طرف سے اس کے اردگرد جمع ہو گئے ہر روز محفل نغمہ و سرور منعقد ہوتی۔ دس بیس دوست دسترخوان پر شریک طعام ہوتے اور خوش مذاقی میں وقت گزر جاتا۔ ابوالحسن کی ماں نے بیٹے کو ہر چند سمجھایا۔ لیکن دولت کا نشہ ایسا نہ تھا کہ آسانی سے اتر جاتا۔

بہرحال یہ راگ و رنگ کچھ روز چلتا رہا۔ دولت ختم ہو گئی۔ تو مطلب پرست احباب بھی رفتہ رفتہ کنارہ کش ہونے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ ابوالحسن بے یار و مددگار تنہا رہ گیا۔ تو اس وقت اسے ہوش آیا۔ وہ ماں کے قدموں پر گر کر بہت رویا اور اپنی غلطی پر

ندامت کا اظہار کیا اور اجازت چاہی کہ دوسرے شہر میں جا کر ملازمت تلاش کرے۔ ماں نے محبت سے بیٹے کو سینے سے لگایا۔ اور کہنے لگی کہ تم اعتدال سے زندگی بسر کرو۔ اور اپنی گزشتہ عادتوں سے آئندہ کے لیے سبق حاصل کرو تو یہاں بھی کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ماں نے کچھ اشرفیاں دے کر کاروبار کے لیے ہدایت کی۔ ابوالحسن نے اپنی پرانی دوکان کو سنبھالا اور چونکہ کافی کھاپی چکا تھا۔ اس لیے محنت سے کام شروع کیا۔ چند روز میں حالات درست ہو گئے۔ اور آسائش کے ساتھ گزر بسر ہونے لگی۔ لیکن مدت تک دوستوں کے ساتھ کھانے پینے کی وجہ سے تنہا دسترخوان پر بیٹھا بہت بار محسوس ہوتا تھا اس لیے ماں کے مشورے سے اس نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ شام دجلہ کے پل پر یا کسی کاروان سرائے میں جاتا اور ایک دو معزز سوداگروں کو بطور مہمان اپنے گھر بلاتا۔ اعزاز و اکرام سے رکھتا اور دوسرے روز رخصت کر دیتا۔ ایک روز کافی دیر ہو جانے کے بعد ابوالحسن کو موزوں مہمان نہ ملا۔ وہ کچھ مغموم خاطر دجلہ کے پل پر کھڑا تھا کہ چند تاجر آتے ہوئے نظر آئے۔ ابوالحسن نے بڑھ کر سلام کیا۔ اور پوچھا کہاں سے تشریف آوری ہوئی۔ مسافروں نے جو حقیقتاً خلیفہ ہارون الرشید، جعفر وزیر اور مسرور غلام تھے انہوں نے کہا ہم موصل کے سوداگر ہیں راستہ میں دیر ہو گئی اور اب باہر جا رہے ہیں۔ ابوالحسن نے باصرار اپنے یہاں چلنے پر مجبور کر دیا۔ اور خوشی خوشی مہمانوں کو لے کر گھر آیا۔ بڑے احترام سے تینوں کو مسند پر بٹھایا پھر غلام کو کھانا چننے کا حکم دیا۔ خلیفہ و جعفر حیران تھے کہ آخر اس ساری کارروائی کا کیا مطلب ہے۔ آخر جعفر نے خلیفہ کے اشارے سے دریافت کیا کہ ہم آپ کی اس مہربانی اور نوازش کا سبب ضرور معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ جو بلا کسی پہلی واقفیت کے آپ نے ہم پر کی۔ ابوالحسن نے نہایت سادگی سے کل قصہ سنا دیا۔ اور کہا کہ صرف اپنی عادت سے مجبور ہوں تنہا کھانا کھایا نہیں جاتا۔ اور بغداد کے دوستوں سے متنفر ہوں۔ اور ان کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا۔ خلیفہ ابوالحسن کی دلچسپ داستان سن کر بہت مسرور ہوا۔ کھانے کے بعد بیند و شراب پیش کی گئی خلیفہ نے صرف بیند کی تھوڑی سی مقدار پی۔ لیکن ابوالحسن برابر جام پر جام چڑھاتا رہا۔ جب سرور میں آیا تو ابوالحسن اور بھی بے تکلف ہو گیا اور اپنے دوستوں اور گھر کے قصے سناتا رہا۔ خلیفہ ہارون الرشید اس کی سادہ فطرت سے بہت خوش ہوا۔ اور جعفر سے کہا کہ میں اس کے ساتھ کچھ اچھا سلوک کرنا چاہتا ہوں۔ دوران گفتگو ابوالحسن نے نہایت لاپرواہی

سے جواب دیا کہ خدا کا دیا ہوا میرے، پاس سب کچھ ہے آپ لوگوں کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے میں میری مدد طلب کرنے کی نیت نہیں تھی۔ اتفاقاً محلہ میں شور ہوا اور ہائے ہو کی آوازیں آنے لگیں۔ ابوالحسن نے آہ سرد بھر کر کہا اے کاش!

میں ایک دن خلیفہ بغداد ہو جاتا تو اس مسجد کے مؤذن اور اس کی ٹولی کو ایسی سزا دیتا کہ ان کا مزاج درست کر دیتا۔ اور اپنے مہمانوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ آپ یہ شور سن رہے ہیں جو باہر ہو رہا ہے غالباً مؤذن اور اس کی جماعت کے آدمی کسی شریف ملازم کو پریشان کر رہے ہیں ان کی عادت ہے کہ راہ چلتے لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔ برقعہ پوش عورتوں سے غیر اخلاقی حرکت سے بھی نہیں چوکتے۔ غرض سارا محلہ ان سے تنگ ہے لیکن بدمعاشوں کے خوف سے سب خاموش ہیں۔ یہ کہہ کر ابوالحسن اٹھا اور معذرت کر کے قضا حاجت کے لیے چلا گیا خلیفہ نے جعفر سے کہا میں ابوالحسن کو خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کیا کرتا ہے۔ جعفر مسرور ہنسنے لگے اور عرض کیا کہ کیوں غریب کو آپ دیوانہ بناتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ نہیں یہ تماشہ میں ضرور دیکھوں گا اور پھر اس سے مناسب سلوک کروں گا مسرور نے کسی تیز دوا کا عرق نکال کر شراب میں ملا دیا اور ابوالحسن کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں وہ آ گیا مسرور نے ایک جام بھر کر پیش کیا اور کہا کہ یہ آپ کا جام صحت ہے۔ نوش فرمایئے۔ خوش دل ابوالحسن بے تکلف پی گیا تھوڑی دیر میں دوا کا اثر شروع ہوا۔ اور ابوالحسن وہیں آرام دہ تکیہ پر سر رکھ کر گہری نیند سو گیا۔ خلیفہ کے ایما پر مسرور نے اس کو اٹھا کر کندھے پر رکھا اور خاموشی سے شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

خلوت میں پہنچ کر ہارون الرشید نے کنیز اور غلاموں کو اکٹھا کیا اور حکم دیا کہ میرا لباس پہنا کر میرے پلنگ پر سلا دو۔ اور صبح کو جس طرح مجھے بیدار کرتے ہو اس کو اٹھاؤ۔ امیر المومنین کہہ کر مخاطب کرو۔ ہر قسم کا ادب و قاعدہ اس کے ساتھ برتو۔ اگر یہ انکار کرے تو تعجب کا اظہار کرو۔ کہ امیر المومنین آج کیسی باتیں کرتے ہیں۔ غرض ہر طرح اس کو یقین دلا دو کہ یہ خلیفہ بغداد ہے۔ خبردار کوئی نہ ہنسے اور نہ کسی قسم کا مذاق کرے۔ سب نے تعمیل حکم کا اقرار کیا اور ابوالحسن کو لباس بدلوا کر خلیفہ کے خلوت کدہ میں لٹا دیا اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے جعفر کو مخاطب کر کے کہا کہ کل صبح دربار عام میں بھی جو کچھ حکم دے تعمیل کی جائے۔ امراء وزرا کو ہدایت کر دینا کہ اس کے ساتھ وہی معاملہ برتیں جو میرے

ساتھ برتا جاتا ہے جعفر ہنستا ہوا چلا گیا۔ خلیفہ نے زبیدہ کو بھی کل قصہ سنایا۔ چنانچہ وہ بھی اس لطیفہ کو دیکھنے کی بے حد مشتاق ہو گئیں اس کے بعد خلیفہ نے آرام کیا۔ اور کنیزوں کو حکم دیا کہ صبح کو ابوالحسن کو بیدار کرنے سے پہلے مجھے جگا دینا تاکہ میں اس کا تماشا دیکھ سکوں۔

علی الصبح ہارون الرشید اٹھ بیٹھا اور زبیدہ کو بھی جگایا۔ پھر دونوں ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جہاں سے ابوالحسن کی سب حرکات دیکھی جا سکتی تھیں۔ تجویز کے مطابق چند کنیزیں ابوالحسن کے پاس آئیں ایک کنیز نے سرکے میں بھگویا ہوا اسپنج اس کی ناک کے قریب کیا۔ ابوالحسن نے گھبرا کر آنکھ کھولی۔ تو کنیزوں نے عرض کیا امیر المومنین اٹھیئے نماز صبح کو دیر ہو رہی ہے۔ ابوالحسن حیران رہ گیا کہ مجھے امیر المومنین کون کہہ رہا ہے۔ حسین و جمیل عورتیں کون ہیں یہ مرصع و زریں بستر کس کا ہے۔ یہ نادر روزگار کمرہ خوب کہاں سے آیا ہے پھر یہ سوچ کر آنکھیں بند کر لیں کہ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں رات میں شراب زیادہ پی لی تھی اسی کا خمار ہے۔

جب الوالحسن آنکھ بند کر کے سو گیا تو پھر ایک کنیز نے عرض کیا۔ کہ امیر المومنین آج نصیب دشمناں طبیعت کیسی ہے۔ آپ کو کبھی اتنی دیر آرام فرماتے نہیں دیکھا۔ ابوالحسن نے پھر آنکھیں کھولیں اور یہ سمجھ کر کہ خواب نہیں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور کنیز سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ میں کون ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ امیر المومنین ہیں۔ پھر دوسری کنیز کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ کہ ذرا مجھ کو چھیڑ کر دیکھو میں سو تو نہیں رہا ہوں۔ اس کنیز نے ایک زور کی چٹکی ابوالحسن کے گال پر لی اور کہنے لگی آپ تو ماشاءاللہ جاگ رہے ہیں۔

کنیزوں کا ابوالحسن کو بیدار کرنا

ابوالحسن کا گال سرخ ہو گیا۔ وہ گھبرا کر کہنے لگا۔ تم نے تو امیر المومنین کا منہ ہی نوچ لیا۔ کنیز نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی۔ ادھر خلیفہ اور زبیدہ کا یہ حال کہ ہنستے ہنستے دوہرے ہو گئے۔ اتنے میں چند کنیز منہ ہاتھ دھونے کا سامان لے کر حاضر ہوئیں۔ اور نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا اور صبح بالخیر یا امیر المومنین کہہ کر آگے بڑھیں اور منہ ہاتھ دھلایا۔ ابوالحسن منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوا تو مسرور خواجہ سرا داخل ہوا۔ اور نیم قد جھک کر سلام

کے بعد عرض کیا۔ آج خلیفۃ المومنین کے مزاج اقدس کیسے ہیں۔ اور اتنی تاخیر کیوں ہوگئی۔
ابوالحسن نے کہا تم کون ہو؟ مسرور نے رونی صورت بنا کر عرض کیا۔ کہ آج کیا بات ہے کہ
حضور اپنے غلام مسرور خواجہ سرا کو بھی بھول گئے ہیں۔ ابوالحسن نے پھر پوچھا میں کون ہوں؟
اس نے عرض کیا کہ آپ امیر المومنین المسلمین ہیں۔ باہر دربار میں سب لوگ آپ کا انتظار
کر رہے ہیں۔ جعفر در دولت پر حاضر ہے حضور تشریف لے چلیں۔

ابوالحسن نے دل میں خیال کیا کہ رات میں نے خلیفہ بننے کی تمنا کی تھی۔ غالباً وہ قبول
دعا کا وقت تھا اور میں خلیفہ بغداد بن گیا ہوں۔ لباس تبدیل کر کے جس وقت وہ باہر نکلا تو ہر
طرف بسم اللہ خلیفۃ المسلمین پائندہ باد کا شور ہوگیا۔ ابوالحسن دو غلاموں کے سہارے سب
کے سلاموں کا جواب دیتا ہوا دربار کی طرف چلا جس وقت دربار میں پہنچا تمام امراء اور
اعیان سلطنت ادب سے کھڑے ہوگئے۔ جعفر نے سلام کیا اور ایک طرف ہٹ
گیا۔ ابوالحسن تخت خلافت پر بیٹھ چکا تو سب اہل دربار بھی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ جعفر نے
کچھ کاغذات متعلقہ امور پیش کئے ابوالحسن نے کہا۔ ان کو رہنے دو۔ پہلے کوتوال شہر کو بلاؤ۔
چنانچہ کوتوال شہر حاضر ہوا ابوالحسن نے حکم دیا کہ فلاں محلہ کی مسجد کے مؤذن اور ان کے
حواریوں کو سو سو درے لگا کر بغداد سے نکال دو اور اعلان کرا دو کہ جو بدمعاش اہالیان کی
پریشانی کا موجب ہوں گے۔ ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ چنانچہ اسی وقت حکم کی
تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اسی محلہ میں ایک شخص ابوالحسن رہتا ہے۔ اس کی والدہ کو
ایک ہزار اشرفیاں دے دو اس حکم کی بھی تعمیل ہوگئی۔ پھر کچھ کچھ دادخواہوں کے مقدموں کا
فیصلہ کیا اور دربار برخاست کر کے محل میں واپس آیا۔ مسرور اس کو کھانے کے کمرے میں
لے گیا۔ جہاں دسترخوان پر انواع واقسام کی نعمتیں چنی ہوئی تھیں۔ کنیزیں ہاتھ دھلوانے کا
سامان لیئے کھڑی تھیں ابوالحسن نے ہاتھ دھوئے اور کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔ جونہی اس نے
کھانا شروع کیا۔ نغمہ وسرور کی آوازیں آنے لگیں اور چند کنیزیں بعد ناز و ادا آ کر کھڑی
ہوگئیں۔ ابوالحسن ان کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ خداوندا! یہ عالم خواب ہے یا
بیداری۔ پھر کنیزوں سے ان کے نام پوچھے ایک شوخ ادا نے کہا مجھے لیلۃ البدر کہتے ہیں۔
دوسری نے کہا میرا نام نور الصباح ہے تیسری نے کہا کہ میں زہرۃ الحیات ہوں۔ ابوالحسن ان
کے نام سن کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ پھر کنیزوں کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا۔ ابھی

کچھ ہی کھایا تھا کہ مسرور نے عرض کیا کہ دوسرے کمرے میں تشریف لے چلئے۔ ابوالحسن
نے پوچھا کیوں؟ کیا امیر المومنین کو کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ یا ان کنیزوں کو میں نے
چرا لیا ہے۔ یہ سن کر مسرور بے اختیار ہوگیا۔

کنیزوں کے ساتھ ابوالحسن کمرہ طعام میں

اور بڑے ضبط کے بعد کہا کہ نہیں حضور! وہاں دوسرے کھانے چنے ہوئے ہیں۔ ان کو
بھی ملاحظہ فرمایئے۔ خلیفہ ہارون الرشید اور زبیدہ چھپے ہوئے یہ ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔
مسرور اور ابوالحسن کی گفتگو سن کر دونوں کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ ابوالحسن مسرور
کے ساتھ دوسرے کمرے میں گیا تو وہاں اور بہترین کھانے رکھے تھے۔ وہاں بیٹھ کر کھانا
شروع کیا تو تھوڑی دیر بعد مسرور تیسرے کمرے میں لایا تو یہاں سجاوٹ دیکھ کر ابوالحسن کے
عقل و ہوش جواب دے گئے۔ قسم قسم کے بہترین کھانے حاضر ہیں۔ یہاں بیٹھ کر کھانا کھایا
اتنے میں چند حسین کنیزیں آلات موسیقی لے کر آئیں۔ اور گانا شروع کر دیا۔ چند
کنیزوں نے جام شراب بھر بھر کر دینے شروع کر دیئے۔ ابوالحسن بڑے لطف سے شراب پیتا
رہا اور گانا سنتا رہا۔ عالم سرور میں یہاں بھی ابوالحسن نے گانے والی کنیزوں سے کہا۔ کہ
تمہارا نام کیا ہے؟

وہ کہنے لگیں حضور! آج کیا بات ہے۔ آپ اپنی کنیزوں کے نام بھی بھول گئے۔ ایک
نے بڑھ کر کہا حضور مجھے زینت القلوب کہتے ہیں۔ دوسری نے عرض کیا میرا نام شجرۃ الدر
ہے۔ غرض اس طرح سب نے اپنے اپنے نام بتائے۔ جب نشہ کافی ہوگیا تو خلیفہ نے ایک
کنیز کو اشارے سے بلایا اور کہا کہ اب اس کو دوا بے ہوشی پلا دو۔ چنانچہ ایک جام میں عرق
بے ہوشی ملا کر پلا دی۔ ابوالحسن چند ہی منٹ میں سو گیا۔ خلیفہ ہنستا ہوا باہر نکلا اور ابوالحسن کو
اس کا سابقہ لباس پہنا کر ایک غلام کے ساتھ اس کے مکان پر پہنچا دیا دوسرے روز دربار میں
حاضرین سے مسکرا کر ان کو کہنے لگا یہ شخص اپنے محلہ کے مؤذن اور اس کے حواریوں سے تنگ
آ کر ایک دن کے لیے خلیفہ بن کر ان کو سزا دینا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی خواہش پوری
کر دی۔

ابوالحسن بے ہوشی کی حالت میں اپنے مکان پر پہنچا دیا گیا۔ صبح جو آنکھ کھلی تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا پریشان ہو کر پکارنے لگا۔ نورالصباح۔ شجرۃ البدر۔ لیلۃ البدر۔ لیکن وہاں ہوتا تو کوئی بولتا۔ ماں بیٹے کی آواز سن کر آئی۔ پوچھنے لگی۔ کہ بیٹا کیا بات ہے؟ ابوالحسن نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تو کون ہے؟ اور کس کو اپنا بیٹا کہتی ہے۔ ماں نے کہا ابوالحسن تجھے کیا ہو گیا ہے۔ کیا تو اپنی ماں کو بھول گیا ہے؟ ابوالحسن نے غصہ میں ماں کی طرف دیکھ کر کہا او مکار بڑھیا! تہذیب سے گفتگو کر کون ابوالحسن میں امیر المومنین ہوں۔ کیا تو مجھ کو نہیں پہچان سکتی؟ ماں بیچاری نے سمجھا کہ شاید زیادہ شراب پینے سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ رو کر سمجھانے لگی۔ بیٹا کیا بکتا ہے۔ اگر کوئی سن لے گا تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ ابوالحسن بہت حیران ہوا۔ اور کہنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ میں ابوالحسن ہی ہوں۔ اور یہ میرا ہی مکان ہے۔ اس کی ماں نے کہا بیٹا! ہوش میں آ کر بات کر تو کیسے خلیفہ بن سکتا ہے ۔اتنی بیبا کی اور بے ادبی نہ کر خدا خلیفہ کو ہمارے سر پر سلامت رکھے۔ کل ہی تو اس نے ہمارے دشمن مؤذن کو شہر بدر کرایا ہے۔ اور مجھے ایک ہزار اشرفیاں عنایت فرمائی ہیں۔ یہ بات سن کر ابوالحسن کو پھر جوش آ گیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے ہی تو اس دشمن مؤذن کو شہر بدر کرایا ہے۔ اے گستاخ عورت ادب سے بات کر اور میں نے ہی تجھے ہزار اشرفیاں بھجوائی تھیں۔ پھر بھی میرا امیر المومنین ہونا تسلیم نہیں کرتی اور بے ادبی کے ساتھ گفتگو کرتی ہے۔ یہ بات سن کر اس کی ماں رونے چلانے لگی۔ جس کا شور سن کر اہل محلہ جمع ہو گئے۔ اور اس قصہ کی شہرت تمام شہر میں ہو گئی۔ محتسب محلہ نے یہ سمجھ کر کہ ابوالحسن پاگل ہو گیا۔ اس کو پاگل خانہ میں بند کرا دیا۔ حالات کچھ اس طرح پیش آئے کہ ابوالحسن خود بھی پریشان تھا۔ گزرے ہوئے واقعات کو کبھی اصل سمجھتا اور کبھی خواب خیال کرتا تھا مگر جب اس کو مؤذن کی سزا اور اشرفیوں کا انعام دینا یاد آتا تو اپنے خلیفہ ہونے میں اس کو کوئی شبہ نہ ہوتا۔ ابوالحسن کو پاگل خانہ میں ہفتہ عشرہ گزرا تھا کہ اس کی ماں اس سے ملنے جلنے کے لیے آئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ بیٹا تو نے اتنی مصیبت اٹھائی ہے۔ اب بھی تیرے دماغ کی اصلاح ہوئی ہے یا نہیں؟

ابوالحسن نے کہا تیرا ہی بیٹا ہوں مجھے کسی طرح اس مصیبت سے نجات دلا دے۔ ماں یہ سن کر خوش ہوئی اور افسر پاگل خانہ کی منت سماجت کر کے ابوالحسن کو رہا کرا کر گھر واپس لے آئی۔ چند ہفتوں کے بعد وہ اپنی اصل حالت پر لوٹا اور خواب دور ہو گیا۔ اور حسب معمول

زندگی بسر کرنے لگا۔ اور اپنی سابقہ عادت کے موافق کسی مسافر کو گھر لاتا اپنے ساتھ کھانا کھلاتا اور اگلے روز صبح کو رخصت کر دیتا۔

ایک روز معمول کے مطابق وہ پل پر کسی مسافر کے انتظار میں تھا کہ اتفاقاً خلیفہ موصلی سوداگر کے بھیس میں آیا ابوالحسن نے پہچان لیا اور اپنی داستان مصیبت کو یاد کر کے حقارت کے ساتھ اس سوداگر کی طرف سے منہ پھیر لیا اور جی ہی جی میں برا بھلا کہا۔ حسن اتفاق سے خلیفہ نے بھی اس کو پہچان لیا اور پرانے دوستوں کی طرح آواز دے کر اپنی طرف بلایا۔ اور کہنے لگا کہ شاید تم اپنے اس عہد کی وجہ سے نہیں بولتے ہو۔ کہ میں جس مہمان کو ایک دفعہ اپنے گھر لے جاؤں گا دوسری مرتبہ اس کی شکل نہ دیکھوں گا۔ لیکن ابوالحسن پھر بھی نہ بولا۔ لیکن خلیفہ بھی کہاں ٹلنے والا تھا کسی نہ کسی طرح باتیں بنا کر اس کو منا ہی لیا۔ اور کہنے لگا کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں اس کی تلافی کے لیے تیار ہوں۔

غرض خلیفہ کی شیریں زبان سے ابوالحسن نرم ہو گیا اور وہ اپنے تمام واقعات جو اس پر گزرے تھے سنائے خلیفہ کو اس کی داستان سن کر بہت ہنسی آئی۔ ابوالحسن سوداگر کی اس حرکت پر بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ آپ کو میری داستان پر اظہار افسوس کرنا چاہیے تھا نہ کہ آپ الٹا مذاق اڑاتے ہیں۔ اگر یقین نہیں آتا تو دیکھو میری پشت پر اب بھی کوڑوں کے نشان بھی ہیں خلیفہ نے کہا میں اس کی تلافی کر دوں گا۔

اس قسم کی باتیں کرتے کراتے تمام لوگ ابوالحسن کے مکان پر پہنچ گئے اور نصف شب کے قریب کھانا وغیرہ کھانے سے فراغت کے بعد مے نوشی کا دور شروع ہوا۔ خلیفہ نے پھر عرق بے ہوشی ایک جام میں ملا کر ابوالحسن کو پلایا۔ جسے وہ بے تکلف پی گیا اور تھوڑی دیر میں بے ہوش ہو گیا۔

ابوالحسن کو دوبارہ بے ہوش کر کے محل میں لیجانا

خلیفہ نے مسرور سے کہا اس کو محل میں پہنچا دو۔ اور خود بھی محل میں چلا گیا۔

خلیفہ کے حکم سے ابوالحسن کو پھر وہی لباس پہنا کر اسی طرح لٹا دیا گیا۔ صبح کو کنیزوں نے اٹھایا اور عرض کیا کہ یا امیر المومنین اٹھیے دیر ہوگئی۔ ابوالحسن نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو پھر محل میں پایا۔ دل میں حیران ہوا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے پھر خود اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ آج پھر وہی پریشان خواب نظر آیا۔ خدا رحم کرے پہلی مرتبہ تو پاگل خانے میں بند ہوا۔ کوڑے کھائے اب کی مرتبہ کیا ہوتا ہے۔ کہ یہ موصلی سوداگر شیطان ہے یا جادوگر جب سے کم بخت سے ملاقات ہوئی۔ میں اپنے آپ کو خدا جانے کیا پاتا ہوں۔ کچھ دیر کے بعد پھر ایک کنیز نے عرض کیا۔

امیر المومنین اٹھیے۔ ابوالحسن نے آنکھ کھول کر دیکھا تو وہ لاجواب سجا ہوا کمرہ تھا۔ اور خوش رو کنیزیں اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ ابوالحسن ہی ہوں خلیفہ نہیں اور جو کچھ نظر آرہا ہے سب وسوسہ شیطانی ہے۔ کنیزوں غلاموں نے ہر چند کوشش کی۔ لیکن ابوالحسن نے جھڑک دیا۔ کہ تم کیوں امیر المومنین کہتے ہو۔ میں تو صرف ابوالحسن ہوں۔ کنیزوں نے عرض کیا کہ حضور کیا فرماتے ہیں۔ شاید کوئی برا خواب دیکھا ہے۔

ابوالحسن نے کہا ہاں ایسا برا خواب کہ اس کی پاداش میں اب تک کمر پر کوڑوں کے نشانات ہیں کنیزوں نے ہزار دعائیں دے کر عرض کیا معلوم نہیں آج آپ ایسی گفتگو کر رہے ہیں کل سے اب تک آپ کہیں باہر بھی نہیں گئے۔ پھر خدا جانے کیا فرما رہے ہیں۔ خواجہ سراؤں نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور نہیں تو خود تصدیق ہو جائے گی۔ کہ جو کچھ غلام عرض کر رہے ہیں۔ صحیح ہے۔ اتنے میں اور کنیزیں آگئیں اور صبح کے دعائیہ گیت بجانے شروع کیے۔ پھر گانا شروع ہوا۔ اور پھر محفل رقص و سرور گرم ہوئی۔ ابوالحسن جوش میں مخمل بستر سے اٹھا اور کھڑا ہو کر خود بھی ناچنے لگا۔ کبھی گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا اور کنیزوں سے پوچھتا کہ میرا امیر المومنین ہونا صحیح ہے۔ یا وہ مار کے نشان جو میری کمر پر پڑے ہوئے ہیں لیکن یہ سب کچھ میرے خیال میں اسی موصلی سوداگر کی نشانی ہے جو دو مرتبہ میرا امتحان ہوا۔ اور دونوں مرتبہ خلیفۃ المسلمین بنا کر پاگل کر دیا۔

خلیفہ پردے کے پیچھے سے ابوالحسن کی سب حرکات دیکھ رہا تھا۔ ہنستا ہوا باہر نکل آیا اور گانے والیاں ایک دم خاموش ہوگئیں۔ ابوالحسن کی خلیفہ پر نظر پڑی تو پہچان کر آگے بڑھا اور عرض کیا۔ کہ جناب بہت خوب

ابوالحسن ناچ رہا ہے

حضور ہی موصل کے سوداگر بن کر میری مصیبتوں کا باعث ہوئے ہیں۔ اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہ خلیفہ کا مذاق تھا عرض کیا کہ یا امیر المومنین اب مجھ کو قید کوڑوں کی برداشت نہیں ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید بہت ہنسا اور ابوالحسن کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ کہ نہیں اب تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی اور میں تمہاری ساری مصیبتوں کی پوری تلافی کر دوں گا۔ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟

ابوالحسن نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ آپ کی تفریح طبع میں جو پریشانی میں نے اٹھائی ہے۔ اس کو میں ہی جانتا ہوں۔ اور اب اس کے بدلے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کریں۔

ہارون الرشید نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور اپنے مصاحبوں میں نام لکھ دیا۔ اور محل شاہی کے قریب ایک موزوں جگہ رہائش کے لیے بخش دی۔ ابوالحسن کو ایک ہزار اشرفی اسی وقت عنایت فرمائی اور پھر ایک مستقبل وظیفہ مقرر کر دیا اشرفیوں کی تھیلی لے کر ابوالحسن گھر پہنچا اور ماں کو سارا قصہ سنایا ماں بہت خوش ہوئی۔ پھر ابوالحسن نے اپنی ماں کے ساتھ خلیفہ کے عطا کئے ہوئے مکان میں آ گیا۔ ابوالحسن دربار میں حاضر ہوتا اور اپنی دلچسپ باتوں سے خلیفہ کو خوش کرتا۔

ایک روز خلیفہ نے زبیدہ سے کہا کہ ابوالحسن محل میں رہتا ہے۔ تو اس کی توجہ نزاہت الارواح کنیز کی طرف زیادہ رہتی ہے۔ اور جہاں تک میں نے اندازہ کیا ہے۔ نزاہت الارواح بھی ابوالحسن کی طرف راغب ہے اگر تمہاری رائے ہو تو ان دونوں کا نکاح کر دیا جائے۔ زبیدہ نے کہا۔ یا امیر المومنین میرا بھی یہی خیال ہے۔ اور چاہتی ہوں کہ ان دونوں

کا عقد کر دیا جائے تو اچھا ہے۔ چنانچہ دوسرے روز خلیفہ نے ابوالحسن کو بلا کر نزاہت الارواح سے نکاح کر دیا۔ ابوالحسن کو خلیفہ نے اور نزاہت الارواح کو ملکہ زبیدہ نے بہت کچھ عطا فرمایا۔ اور وہ دونوں خوش خوش گھر چلے گئے مدت تک دونوں خوب عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے رہے۔

دونوں میاں بیوی بے حد فضول خرچ تھے۔ چنانچہ چند ہی ماہ میں دونوں نے مل کر سب مال و زر اڑا دیا اور خالی ہاتھ رہ گئے۔ جب تنگی بہت بڑھی تو ابوالحسن اور نزاہت الارواح نے آپس میں مشورہ کیا۔ اس کے بعد ابوالحسن نے نزاہت الارواح کو ایک سفید چادر اوڑھا کر لٹا دیا۔ اور تاکید کی کہ کسی کے سامنے بالکل حرکت نہ کرنا۔

اس کے بعد خود روتا پیٹتا خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بے اختیار خلیفہ کے قدموں میں گر کر کہنے لگا کہ حضور! میں لٹ گیا برباد ہو گیا۔ خلیفہ نے پوچھا کیا ہوا۔ جو اس طرح رو رہا ہے۔ ابوالحسن نے کہا حضور کی نزاہت الارواح مر گئی ہے۔ اور میں اس کا ماتم کرنے کو زندہ رہ گیا ہوں۔ خلیفہ نے ابوالحسن کو تسلی دی۔ سب امراء وزرا سمجھانے لگے۔ قضائے الٰہی میں کوئی چارہ نہیں ہے۔ صبر کرو۔ پھر خلیفہ نے کہا کہ ایک تھان زربفت کا دیا جائے۔ اور ساتھ ایک ہزار اشرفیاں عطا فرما کر کہا کہ مرحومہ کی تجہیز و تکفین اچھی طرح کرو۔ ابوالحسن روپیہ اور تھان لے کر خوشی خوشی گھر آیا۔ اور سب مال نزاہت الارواح کو دیا۔ پھر اس کے بعد ابوالحسن خود چادر اوڑھ کر لیٹ گیا اور نزاہت روتی پیٹتی سر کے بال کھولے ملکہ زبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ زبیدہ نے جونہی اپنی منظور نظر کنیز کو اس حال میں دیکھا تو گھبرا کر پوچھا۔ اری تو خیر تو ہے نزاہت الارواح نے رو کر عرض کیا کہ لونڈی کہیں کی نہیں رہی۔ ملکہ نے پوچھا کیا ہوا؟

وہ بولی حضور کا غلام مر گیا۔ اور مجھے بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔ ملکہ زبیدہ اس کو آب دیدہ دیکھ کر حیران ہو گئیں اور ہم جولی کنیزیں رونے لگیں اس کے بعد ملکہ نے ایک ہزار اشرفیاں اور تھان اطلس عنایت فرما کر حکم دیا کہ جا کر اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو۔ نزاہت الارواح سامان اور روپیہ لے کر گھر آئی اور ابوالحسن کو دکھایا۔ اور دونوں خوب ہنسے لیکن یہ خوف بھی تھا کہ دیکھئے کیا ہو۔

خلیفہ دربار سے فارغ ہو کر محل میں تشریف لائے تو زبیدہ نے کہا کہ آج مجھے ابوالحسن

کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔ آپ کے دربار میں بہت ہی پسندیدہ ظرف تھا خلیفہ نے کہا نہیں ابوالحسن کا انتقال نہیں ہوا۔ بلکہ تمہاری کنیز نزاہت الارواح بیچاری مر گئی ہے۔ مجھے اس کی موت کا رنج ہے۔ زبیدہ نے کہا۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہو گئی۔ نزاہت نہیں ابوالحسن کا انتقال ہوا ہے خلیفہ نے حیرت سے کہا کہ زبیدہ! تم کیا کہتی ہو۔ ابوالحسن ابھی دربار میں روتا ہوا۔ میرے پاس آیا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ کہ نزاہت کا انتقال ہو گیا ہے۔ چنانچہ میں نے اسے سامان کفن دفن کے لیے ایک تھان زربفت کا اور ایک ہزار اشرفیاں دی ہیں زبیدہ نے کہا کہ اب میں کیا عرض کروں۔

میری کنیزیں موجود ہیں آپ ان سے دریافت کر لیجئے۔ کہ نزاہت الارواح باحالی زار آئی اور رو کر کہنے لگی کہ ابوالحسن کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے اس کو تسلی دی اور ایک اطلس تھان اور ایک ہزار اشرفیاں مراہم پورے کرنے کے لیے دیئے۔ خلیفہ اور زبیدہ دونوں اپنی ضد پر اڑے رہے اور نوبت شرط پر پہنچی۔

اس زمانہ میں ملکہ زبیدہ ہارون الرشید کی ایک کنیز کی طرف زیادہ التفات کی وجہ سے کچھ افسردہ تھی۔ اور خلیفہ کو بھی اس کا احساس تھا۔ جب شرط کا سوال اٹھا۔ تو خلیفہ نے کہا۔ کہ اگر تم جیت گئیں تو میں فلاں کنیز کو آزاد کر دوں گا اور اگر میں جیت گیا۔ تو تمہیں میری خلوت میں رہنا پڑے گا۔ زبیدہ نے حجاب اور محبت سے ہارون الرشید کی طرف دیکھا۔ اور کہنے لگی۔ پہلی شرط منظور۔ دوسری کے لیے کچھ جواہرات رکھ لیجئے۔ خلیفہ نے کہا غلط دوسری شرط کے لیے میں اپنی سلطنت ہارنے کو تیار ہوں۔ آخر زبیدہ نے مسکراتے ہوئے شرط منظور کر لی اور دل کی افسردگی جو کہ کچھ دنوں سے چل رہی تھی نکل گئی۔ خلیفہ نے مسرور کو حکم دیا کہ جا کر دیکھو کہ ابوالحسن کا انتقال ہوا ہے یا نزاہت الارواح کا۔ مسرور ابوالحسن کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ وہ دونوں میاں بیوی اسی انتظار میں اوپر کی منزل سے شاہی محل کے راستے کی طرف دیکھ رہے تھے جب مسرور کو آتے دیکھا تو ابوالحسن نے کہا کہ خلیفہ نے بھیجا ہے تم فوراً مردہ بن کر لیٹ جاؤ۔ چنانچہ نزاہت الارواح چادر اوڑھ کر چت لیٹ گئی اور ابوالحسن سرہانے بیٹھ کر رونا شروع کر دیا۔

نزاہت الارواح کا مردہ بن جانا

مسرور اندر آیا۔ اور چند کلمات تعزیت کہہ کر واپس چلا گیا۔ اور جو کچھ دیکھا تھا خلیفہ اور زبیدہ کے سامنے بیان کر دیا کہ نزاہت الارواح کی نعش رکھی ہے۔ ابوالحسن بیٹھا ماتم کر رہا ہے۔ زبیدہ نے مسکرا کر کہا۔ میں اس موئے کا اعتبار نہیں کرتی تم نے کچھ اشارہ کر دیا ہو گا۔ میں اپنی کسی کنیز کو بھیجتی ہوں۔ وہ دیکھ کر آئے۔

چنانچہ زبیدہ نے زہرۃ الحیات کو حکم دیا جا کر دیکھ کر آ۔ زہرۃ الحیات جب ابوالحسن کے مکان پر پہنچی تو ابوالحسن اور نزاہت الارواح نے اسے آتا ہوا دیکھا۔ فوراً ابوالحسن کفن اوڑھ کر لیٹ گیا اور نزاہت الارواح سرہانے پر بیٹھ کر سر پیٹنے لگی۔ کنیز نے اندر جا کر نزاہت الارواح کو تشفی دی اور جو کچھ دیکھا آ کر عرض کر دیا۔ اب خلیفہ اور زبیدہ حیران ہوئے کہ آخر کار معاملہ کیا ہے۔

چنانچہ دونوں خود ہی اصل معاملہ دریافت کرنے کے لیے ابوالحسن کے مکان کی طرف چلے۔ ابوالحسن اور نزاہت الارواح نے دیکھا کہ خود خلیفہ اور زبیدہ آ رہے ہیں۔ تو دونوں کفن اوڑھ کر لیٹ گئے جب سب اندر آئے تو دیکھا دو مردے پڑے ہیں۔ خلیفہ و زبیدہ کو بہت افسوس ہوا۔ ملکہ کہنے لگی ایک تو غریب اپنے شوہر کے رنج و غم میں تھی۔ اس پر آپ نے تحقیقات شروع کر دی۔ وہ خوفزدہ ہو کر مر گئی خلیفہ نے کہا نزاہت پہلے مر چکی تھی۔ ابوالحسن چونکہ اس کا عاشق تھا۔ شاید اس کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور مر گیا پھر کہنے لگا افسوس! یہ صحیح پتہ نہ چل سکا کہ پہلے کون مرا کم از کم ہماری شرطوں کا تو فیصلہ ہو جاتا۔ اور اب بھی اگر کوئی صحیح حال بتا دے تو میں ایک ہزار اشرفیاں دوں۔ بطور انعام۔ ابوالحسن یہ سن کر کفن پھینک کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ باندھ کر بولا کہ حضور ایک ہزار اشرفی مجھے عنایت فرما دیں میں بتا دوں گا۔ کہ پہلے کون مرا ہے خلیفہ نے زبیدہ کی طرف دیکھ کر کہا دیکھ لو۔ ابوالحسن زندہ ہے۔ شرط میں جیت گیا۔ اتنے میں نزاہت الارواح بھی کفن اتار کر کھڑی ہو گئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ میری وجہ سے میری ملکہ شرط کیسے ہار سکتی ہے۔ یہ حال دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔ پھر خلیفہ نے پوچھا کہ آخر اس مسخری کا مطلب کیا تھا؟

ابوالحسن اور نزاہت الارواح نے ہاتھ باندھ کر حال بیان کیا کہ حضور! تنگدستی سے مجبو

ر ہو کر یہ ترکیب کی تھی۔ خلیفہ اور زبیدہ بہت ہنسے۔ پھر خلیفہ نے کہا کہ زبیدہ میں شرط جیت گیا ہوں۔ تمھیں میرا مطالبہ ماننا پڑے گا۔ زبیدہ نے کہا شرط تو میں نے بھی جیتی ہے۔ آپ عہد پورا کریں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ دراصل یہ کم بخت دونوں ہی زندہ ہیں۔ اس لیے ہم دونوں نے ہی شرط جیتی ہے۔ میں اپنا حصہ ادا کروں اور تم اپنا حصہ زبیدہ نے مسکرا کر شرم سے سر جھکا لیا۔ پھر خلیفہ نے ابوالحسن اور نزاہت الارواح کو مزید انعام و اکرام عطا کیا اور محل سرا کو واپس آ گئے۔

جب شہرزاد نے یہ قصہ ختم کیا تو شہریار نے بھی تعریف کی اور اشتیاق ظاہر کیا کہ کوئی دلچسپ کہانی شروع کرو۔ شہرزاد نے دست بستہ عرض کیا کہ کل ایک بہت عجیب و غریب کہانی الہ دین اور اس کے چراغ کی سناؤں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو بے حد پسند کریں گے۔

الہ دین اور چراغ

دوسری شب کو شہرزاد نے الہ دین کا قصہ شروع کیا۔ چین کے دارالسلطنت پیکن میں ایک درزی رہتا تھا۔ جس کا نام مصطفےٰ تھا۔ اگرچہ وہ کوئی قابل اور ماہر درزی نہ تھا۔ لیکن پھر بھی چھوٹا موٹا کپڑا سی کر اپنا پیٹ پالتا رہا تھا۔ آمدنی بہت کم تھی۔ اس لیے وہ نہ تو پس انداز ہی کر سکا۔ اور نہ اپنے لڑکے الہ دین کی تعلیم و تربیت پر کوئی توجہ دے سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ الہ دین دن رات آوارہ گرد لڑکوں کے ساتھ پھرتا اور کھیل کود کے سوا کسی چیز کی طرف مائل نہ ہوتا۔ باپ نے ہر چند کوشش کی کہ وہ اپنا آبائی پیشہ ہی سیکھ لے۔ لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ الہ دین نہایت خودسر اور ضدی لڑکا تھا۔ جب کسی بات پر اڑ جاتا تو چاہے اس کی بوٹیاں کاٹ ڈالو۔ کبھی نہ مانتا اور اپنی آئی کرتا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ غبی نہیں تھا بے حد ذہین اور سلجھا ہوا دماغ رکھتا تھا۔ کھیل کود میں وہ ہمیشہ دوسرے لڑکوں پر حکومت کرتا۔ اور خود کسی کے آگے سر خم نہیں کرتا تھا۔ قضاء الٰہی سے مصطفےٰ کا حکم آ گیا۔ اور چند روز بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ بیوہ ماں نے بیٹے کو ہر چند سمجھایا۔ لیکن وہ اپنی دوکان پر بیٹھنے کے لیے بھی راضی نہ ہوا۔ اگر ماں سختی کرتی تو بھاگ جانے کی دھمکی دیتا۔ مجبوراً غریب بیوہ صبر کر کے بیٹھ جاتی

خود ہی چرخہ کاتتی۔ اور کچھ محنت و مزدوری کرتی اپنا اور خود سر بیٹے کا پیٹ بھرتی اسی طرح کئی سال گزر گئے اور الہ دین اٹھارہ سال کا نوجوان ہو گیا۔ ایک روز وہ محلہ کی گلی میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ ایک اجنبی اچھا لباس پہنے ہوئے آیا اور کہنے لگا کہ تم مصطفیٰ درزی کے لڑکے ہو۔ الہ دین نے قدرے تامل کے بعد اقرار کیا کہ میں ہی مصطفیٰ کا لڑکا ہوں۔ وہ کہنے لگا تمہارا باپ کہاں ہے مجھے اس کے پاس لے چلو۔

الہ دین نے کہا کہ میرے والد کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں۔ اجنبی یہ سن کر افسوس کرنے لگا پھر الہ دین کو پیار کر کے بولا۔ کہ میں تمہارا رشتہ کا چچا ہوں۔ تمہاری پیدائش بلکہ تمہارے والد کی شادی سے پہلے میں اپنے بھائی سے لڑ کر گھر سے نکل گیا تھا۔

اس کے بعد آج ہی اس ملک میں آیا ہوں امید تھی کہ اپنے بھائی سے ملوں گا۔ لیکن قسمت میں نہ تھا خیر تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی اور تسلی ہو گئی اس کے بعد اس نے دو اشرفیاں نکال کر الہ دین کو دے دیں اور کہنے لگا کہ کل میں آؤں گا۔ الہ دین اشرفیاں لے کر اپنے گھر چلا گیا۔ اور اپنی بیوہ ماں کو وہ دونوں اشرفیاں دے کر چچا کے ملنے کا واقعہ سنایا۔ الہ دین کی ماں متعجب ہوئی کہ میرے شوہر نے اپنے کسی بھائی کا کوئی ذکر کبھی نہیں کیا۔ جو کسی دوسرے ملک چلا گیا ہو۔ لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو گئی۔ کہ ممکن ہے کوئی بھائی ہو اور اس کا ذکر شوہر نے اتفاقاً نہ کیا ہو۔

جو اجنبی الہ دین سے ملا۔ وہ درحقیقت اس کا چچا نہیں تھا۔ بلکہ افریقہ کا ایک جادوگر تھا۔ پرانی کتابوں کے مطالعہ کے دوران اسے معلوم ہوا کہ پیکن شہر کے قریب ایک جنگل میں زمین دوز تہہ خانہ ہے جسے کسی پرانے زمانے میں مشہور جادوگر نے بنوایا تھا۔ اس میں لاتعداد خزانے کے علاوہ ایک عجیب و غریب چراغ بھی ہے۔ جو اس جادوگر نے اپنی زندگی بھر کی محنت کے بعد تیار کیا تھا۔ اس چراغ کا مؤکل ایک بہت ہی طاقتور جن ہے۔ جس کے پاس وہ چراغ ہو گا۔ جن اسی کا تابع ہو گا اور جو کچھ اس کو حکم دیا جائے گا۔ فوراً اس کی تعمیل کرے گا۔ اس کے ساتھ دوران مطالعہ افریقی جادوگر نے یہ بھی معلوم کیا تھا کہ اس چراغ کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو شرائط کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے چند خاص اور اہم تھیں۔ مثلاً کہ تہہ خانے میں اترنے والے کی عمر اٹھارہ سال کی ہو۔ اس کا باپ مر چکا ہو۔ لڑکا جاہل اور ضدی آوارہ ہو۔ باپ دادا کا پیشہ درزی کا ہو۔ لڑکے کی ماں زندہ

ہو۔ غریب گھر ہو۔ افریقی جادوگر ایک امید موہوم لے کر آیا تھا کیونکہ ان شرائط کا لڑکا ملنا آسان نہ تھا۔ چنانچہ پیکن آنے کے بعد ایک سال کی جدوجہد کے بعد اس کو الہ دین مل گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو الہ دین کا قریبی رشتہ دار ظاہر کر کے اس سے مطلب نکالنا چاہتا تھا۔

دوسرے روز الہ دین اپنے چچا کے انتظار میں گلی میں موجود تھا۔ افریقی جادوگر آ گیا الہ دین نے اس کو سلام کیا۔ اور اپنے گھر کی طرف لے چلا۔ راستے میں افریقی جادوگر کہنے لگا۔ اس وقت تو مجھے ضروری کام ہے۔ میں شام کو تمہارے گھر آؤں گا۔ اور وہیں کھانا بھی کھاؤں گا۔ تم جاؤ یہ کہہ کر پھر اس نے پانچ اشرفیاں اس کے ہاتھ پر رکھ دیں۔ اور خود واپس چلا گیا۔ الہ دین ماں کے پاس آیا اور اشرفیاں دے کر بتایا کہ چچا شام کو آئیں گے۔ اور کھانا بھی یہیں کھائیں گے۔ اس کی ماں نے اس کے کھانے کا انتظام کیا اور شام ہونے سے پہلے ہی دیور کے انتظار میں بیٹھ گئی جب رات ہو گئی تو الہ دین اپنے چچا کی تلاش کو جانے ہی والا تھا۔ کہ اس نے دروازے پر دستک سنی۔ الہ دین نے بڑھ کر کواڑ کھولا تو افریقی جادوگر کچھ مٹھائی اور پھل لے کر اندر داخل ہوا۔ پہلے اس نے بھاوج کی خیریت دریافت کی۔ پھر اپنے بھائی کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گیا اور دیر تک اس کے اوصاف بیان کرتا رہا۔ اس کے بعد دسترخوان چنا گیا افریقی جادوگر اور الہ دین نے بیٹھ کر باطمینان کھانا کھایا اس عرصہ میں جادوگر اپنے سفر کی دلچسپ کہانیاں سناتا رہا پھر بھاوج سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کہ الہ دین کیا کر رہا ہے اس غریب نے رو رو کر کہا کہ میں نے اس کو بہت سمجھایا اس کے والد بھی سمجھاتے سمجھاتے مر گئے۔ لیکن یہ کسی کی نہیں سنتا۔ تمام دن گلیوں بازاروں میں آوارہ پھرتا رہتا ہے۔

افریقی جادوگر الہ دین کے گھر میں

تم بھی اس کے باپ کے برابر ہو۔ کچھ نصیحت کرو۔ ممکن ہے اس کی حالت سنبھل جائے۔ الہ دین شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔ افریقی جادوگر اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں اس سلسلہ میں تمہارے واسطے ہر ممکن کوشش کرنے کو تیار ہوں۔ بتاؤ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم اتنے بڑے ہو گئے اور کچھ کام نہیں کرتے۔

میری رائے ہے کہ تم بزاری کی دوکان کرلو۔ جتنے روپے کی ضرورت ہوگی میں دے دوں گا۔ بلکہ میں تم سے ملنے آؤں گا۔تمہارے لیے بازار میں دوکان بھی دیکھتا آؤں گا۔اگر مناسب کرائے پر دوکان مل گئی تو بہتر ہے۔ ورنہ میں تمہارے لیے ایک دوکان خرید لوں گا پھر اطمینان سے اپنا کام کرنا یہ سن کر الہ دین بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا کہ میں کپڑے کی دکان پر خوب جی لگا کر کام کروں گا آپ میرے لیے اس کا انتظام کردیں۔ افریقی جادوگر دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ الہ دین اور اس کی والدہ بہت خوش تھے کہ چچا نے آ کر تمام مشکلات حل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ الہ دین ایک خوبصورت سی دوکان کے تصور میں سو گیا۔

دوسرے روز حسب وعدہ جعلی چچا آیا۔ اور الہ دین کو اپنے ساتھ بازار لے گیا اور ایک دوکان سے عمدہ کپڑے خرید کر الہ دین کو پہنائے۔ پھر اپنے ساتھ بازار میں لے گیا۔ اور کپڑے والوں کی دوکانیں دکھائیں کہ میں تمہارے لیے بھی ایسی دوکان کا انتظام کررہا ہوں۔ تم روزانہ ادھر آیا کرو اور دیکھا کرو کہ کاروبار کس طرح کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد شہر کے مختلف باغات کی سیر کرائی۔ کچھ پھل وغیرہ خرید کر ساتھ لیے اور الہ دین کو اس کے گھر چھوڑ کر چلا گیا اور کہہ گیا کہ کل تم میرے ساتھ چلنا۔ تمہیں اور بہترین تماشے دکھاؤں گا۔ الہ دین گھر آیا تو بہت خوش تھا۔ ماں اس کے کپڑے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ تم اپنے چچا کی مرضی کے مطابق چلے تو بہت آرام سے رہو گے۔

دوسرے روز پھر افریقی جادوگر آیا اور الہ دین کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے باہر روانہ ہوا۔ چلتے چلتے الہ دین تھک گیا تو کہنے لگا کہ چچا کہاں تک چلو گے۔ میں تو بالکل تھک گیا ہوں۔ جادوگر نے کہا تھوڑی دور اور جانا ہے۔ پھر واپس آجائیں گے۔ اور کچھ پھل وغیرہ الہ دین کو دیئے اور باتوں سے بہلاتا ہوا کچھ اور دور لے گیا۔ حتیٰ کہ وہاں جا پہنچا۔ جہاں کام تھا۔ اس جگہ پتھر پر بیٹھ کر افریقی جادوگر نے کہا کہ بیٹا بس ہم آگے نہیں جائیں گے۔ تم تھوڑی سی لکڑیاں اکٹھی کرلو۔ تا کہ کھانا گرم کر کے کھالیں۔ الہ دین نے ادھر ادھر تلاش کر کے کچھ لکڑیاں جمع کرلیں۔ افریقی جادوگر نے ان سے آگ جلائی اور کچھ سحر پڑھتا رہا۔ اور کبھی کبھی کچھ بخورات بھی آگ میں ڈال دیتا۔ تھوڑی دیر کے بعد قدموں کے نیچے سے زمین کانپنے لگی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا گر پڑیں گے الہ دین ڈر گیا اور بھاگنے کا ارادہ

کرلیا۔ افریقی جادوگر نے اس کو سمجھایا کہ ڈرو نہیں۔ لیکن الہ دین خوفزدہ ہوگیا۔

وہ واپس چلا تو اس کے جعلی چچا نے غصہ میں اسے ایک چپت رسید کی۔ جس سے الہ دین اوندھے منہ جا گرا اس عرصہ میں زلزلہ بھی موقوف ہوگیا۔ اور جہاں یہ لوگ بیٹھے تھے اسی جگہ ایک پتھر کی سل نمودار ہوگئی افریقی جادوگر الہ دین کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لایا اور کہنے لگا۔ بیوقوف لڑکے میں تمہارا چچا ہوں۔ اور تمہارے ہی فائدے کا کام کررہا ہوں۔ اب پتھر سرکاؤ۔ اندر بہت سا خزانہ ہے۔ جب وہ تمہیں مل جائے گا تو تم پیکن کے امیر ترین بن جاؤ گے اور خوب عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنا۔ اس کے بعد اس نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتاری اور الہ دین کو پہنادی اور پیار کر کے کہا۔ کہ بیٹا! اب پتھر کو سرکاؤ۔ الہ دین بولا کہ اتنا بڑا پتھر میں کس طرح اٹھاؤں گا۔ اس کا جعلی چچا بولا کہ تم گھبراؤ نہیں ایک دفعہ اس کو ہاتھ لگا کر دیکھو۔ الہ دین نے مارے خوف کے پتھر کو اٹھایا۔ تو وہ واقعی نہایت آسانی سے سرک گیا۔ اور اس کے نیچے سے ایک تہہ خانے کا دہانہ نظر آیا۔ جادوگر نے کہا کہ اب تم سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اتر جاؤ۔ پہلے تمہیں تین برآمدے ملیں گے۔ ان میں سے گزر جاؤ۔ اس کے بعد ایک باغ آئے گا۔ جس میں ایک شہ نشین بنا ہوا ہے اور اس کے طاق میں ایک چراغ جل رہا ہے۔ اس کو لے کر جیب میں ڈال لو۔ لیکن جاتے ہوئے آتے ہوئے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا ہوگا۔ بلکہ اپنے کپڑوں کو بھی دیواروں سے بچانا ورنہ ایک پیسہ بھی تمہیں نہیں ملے گا جب چراغ لے کر واپس آؤ تو باغ میں سے کچھ پھل چاہو تو لے سکتے ہو۔

الہ دین چچا کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر تہہ خانے میں اتر گیا۔ اور تینوں برآمدوں سے گزرتا ہوا جہاں بے شمار چاندی سونا پڑا تھا۔ باغ میں شہ نشین کے پاس پہنچا۔ اور طاق میں سے چراغ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور واپسی کے ارادے سے چلا تو باغ میں رنگا رنگ پھل دیکھ کر اس کا جی للچایا۔ اگرچہ وہ بہت خوفزدہ تھا۔ لیکن پھر جلدی جلدی اس نے بہت سے پھل توڑ کر اپنی جیب میں بھر لیے اور جب جیبوں میں گنجائش نہ رہی تو اس نے دامن میں باندھ لیے اور تہہ خانے کے دروازے پر آیا۔ افریقی جادوگر اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ بیٹا تم نے میدان مار لیا۔ اب تم پیکن کے سب سے بڑے امیر و رئیس بن جاؤ گے۔ چراغ مجھے دے دو۔ پھر میں تمہیں باہر کھینچ لوں گا۔ الہ دین نے کہا۔ چچا چراغ تو بہت نیچے جیب میں دبا ہوا ہے پہلے تم مجھے نکال لو۔ باہر آ کر چراغ تمہیں دے دوں گا۔

الہ دین اور جادوئی چراغ

جادوگر بولا کہ نہیں اپنے پھل نکال کر پہلے چراغ دے دو۔ اس کے بعد میں تمہیں نکالوں گا۔ الہ دین کہنے لگا بھلا میں نے اتنی محنت کی ہے آپ کا چراغ لایا۔ اور اپنے لیے صرف چند پھل لایا۔ تو وہ بھی پھینک دوں اور چراغ نکال کر آپ کو دے دوں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ پہلے آپ مجھے باہر نکالیے پھر میں چراغ آپ کو دے دوں گا۔ افریقی جادوگر الہ دین کی فطرت سے واقف نہیں تھا۔ کہ یہ ضدی لڑکا جس وقت اپنی ضد میں آ جاتا ہے تو پھر چاہے مار مار کر اس کی کھال ادھیڑ دو۔ یہ ہرگز نہیں مانتا۔

چنانچہ جوں جوں چراغ لینے پر اصرار کرتا رہا الہ دین کی ضد بڑھتی گئی۔ آخر اس نے کہہ دیا کہ چچا اگر سارا دن بھی اسی طرح کھڑے رہو گے تو میں تمہیں چراغ نہیں دوں گا۔ افریقی جادوگر کی طبیعت بھی جنونی تھی۔ غصہ میں اس نے جادو کا پتھر تہہ خانے کے منہ پر سرکا دیا۔ اور وہاں سے واپس چل دیا۔ جب چند قدم پر چل کر اس کو اپنی حماقت کا احساس ہوا تو بہت پریشان ہوا۔ لیکن اب کیا کر سکتا تھا۔ اول تو پتھر ہٹانا اس کی طاقت سے باہر تھا اس ناکامی اور مایوسی کی وجہ سے افریقی جادوگر اتنا دل برداشتہ ہوا کہ چین میں بھی نہیں ٹھہرا اور کسی دوسری طرف روانہ ہو گیا۔

غار کا منہ بند ہوتے ہی چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا۔ تو الہ دین گھبرایا اور زور زور سے چلانے لگا کہ چچا چراغ تم لے لو اور مجھے یہاں سے نکال لو۔ لیکن تہہ خانہ بند ہونے کی وجہ سے آواز باہر نہیں آئی تھی اس لیے افریقی جادوگر نے اس کی آواز نہیں سنی۔ جب الہ دین کو باہر سے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے اندر باغ میں جانے کا ارادہ کیا مگر وہ راستہ بھی نظر نہ آیا تھا۔ اس وقت مایوسی کی حالت میں الہ دین دیوانہ وار چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ کہ شاید کسی طرف سے پتھر سرک جائے۔ اتفاقاً اسی کوشش میں جادوگر کی دی ہوئی انگوٹھی کو کسی سخت چیز سے رگڑ لگ گئی۔ اس انگوٹھی کا موکل بھی ایک جن تھا۔ وہ فوراً حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں اس انگوٹھی کا تابع ہوں۔ جو حکم دو گے تعمیل کروں گا۔

الہ دین اس کو دیکھ کر ڈر گیا لیکن اس وقت اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ اپنے خوف پر

غالب آ گیا۔ اور جن سے بولا کہ مجھے میرے گھر پہنچا دے۔ آنکھ جھپکتے ہی الہ دین نے اپنے آپ کو اپنے گھر کے سامنے پایا خود پریشانی سے اس کے حواس خراب ہو رہے تھے۔ گرتا پڑتا گھر پہنچا۔ اور خاموشی سے لیٹ گیا۔ کچھ دیر کے بعد جب اس کی طبیعت ٹھکانے آئی تو اس نے ماں سے کھانا مانگا اور روٹی کھا کر سو گیا۔ جب دیر کے بعد بیدار ہوا تو اس نے سب واقعہ ماں کو سنایا اور چچا کی بدسلوکی پر اس کو برا بھلا کہتا رہا۔ شام کو اس نے جب کھانے کو پوچھا تو ماں کہنے لگی کہ بیٹا اس وقت گھر میں کچھ نہیں ہے۔ کہو تو کوئی برتن وغیرہ بیچ کر روٹی لا دوں۔ الہ دین نے کہا کہ تم وہ چراغ فروخت کر دو۔ جو میں تہہ خانے سے لایا ہوں۔ وہ چاندی کا معلوم ہوتا ہے۔ الہ دین کی ماں چراغ فروخت کرنے چلی۔ تو اس کو خیال آیا کہ اس کو دھو کر صاف کر لوں۔ اس طرح شاید کچھ زیادہ قیمت مل جائے۔ چولہے کے پاس راکھ لینے گئی۔ تو دیکھا کہ جو پھل الہ دین لایا تھا۔ وہ اس طرح روشن ہیں جیسے چراغ۔ اس نے الہ دین کو لا کر دکھایا تو الہ دین ان کو پتھر سمجھا تھا۔ لیکن یہ تو روشنی دیتے ہیں الہ دین متعجب ہوا کہ تم ان کو احتیاط سے رکھ دو۔ صبح کو ان کا حال معلوم کروں گا۔

الہ دین کی ماں نے راکھ لے کر جونہی چراغ کو رگڑا۔ ایک عجیب و غریب ہیبت ناک بہت بڑا جن سامنے آ کھڑا ہوا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔ کہ میں اس چراغ کا موکل ہوں۔ جو حکم ہو گا۔ تعمیل کروں گا۔ الہ دین کی ماں تو اس کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئی لیکن الہ دین چونکہ انگوٹھی والا جن دیکھ چکا تھا۔ اس لیے نہیں ڈرا اور جن سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میرے لیے عمدہ قسم کا کھانا لاؤ۔ یہ سن کر جن غائب ہو گیا اور ذرا سی دیر میں تھالیاں کھانے سے بھری ہوئی لا کر رکھ دیں۔ اور پھر واپس چلا گیا۔

الہ دین نے پھر انگوٹھی کے جن کو طلب کیا۔ وہ آیا تو اس نے پوچھا کہ میرا چچا کون تھا۔ جن نے کہا کہ وہ تمہارا چچا نہیں بلکہ افریقہ کا ایک جادوگر ہے۔ وہ تم سے چراغ نکلوانا چاہتا تھا۔ اس چراغ کا موکل بھی جن ہے وہ بہت طاقتور ہے اور ہر کام کر سکتا ہے۔ پھر الہ دین ان پھل پتھروں کی بابت معلوم کی تو جن نے کہا کہ وہ نایاب جواہرات ہیں اور ان کی قیمت کروڑوں اشرفیوں کے برابر ہے۔ اس کے بعد الہ دین نے جن کو واپس کر دیا اور ماں کو ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگا جب اس کی والدہ ہوش میں آئی۔ تو اس نے کہا کہ تو خوف نہ کر۔ اسی جن نے مجھے دہشتناک غار سے نکال کر یہاں تک پہنچایا۔ اور وہی اب

ہمارے لیے کھانا لے کر حاضر ہوا ہے۔ الہ دین کی ماں کھانے اور برتن دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ جنوں کی دوستی ہمیں پسند نہیں۔ اس چراغ کو پھینک دو الہ دین نے کہا۔ اماں جان یہ چراغ اور انگوٹھی ہمیں بہت کام دیں گے۔ اور میں نے انگوٹھی کے موکل سے سارا واقعہ سنا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک اجنبی شخص ہے۔ تمہارا چچا نہیں۔ بلکہ افریقہ کا ایک جادوگر ہے اور افریقہ سے چین صرف اس چراغ کے حصول کے لیے آیا تھا جو خوش قسمتی سے مجھے مل گیا۔

اگلے دن الہ دین نے ان برتنوں میں سے جن میں جن کھانا لایا تھا ایک طشتری کو جو کہ چاندی کی تھی بازار میں فروخت کیا۔ وہ یہودی دوکاندار بڑا مکار اور دغاباز تھا۔ وہ اس طشتری کی قیمت سے بخوبی واقف تھا۔

الہ دین کو اس کی قدر و قیمت معلوم نہ تھی۔ اس لیے وہ ایک اشرفی لے کر چلا گیا۔ اور اسی طرح تمام برتن وقتاً فوقتاً بیچ ڈالے۔ آخری مرتبہ وہ سب سے بڑا تھال لے کر اس یہودی کی دکان پر پہنچا اور دس اشرفی میں دے دیا۔ جب اچھا کھا اور نے پہننے کو ملنے لگا تو اس کی قدرتی ذہانت بھی چمک اٹھی۔

الہ دین کا طشتری بیچنا

بازار میں ہر چیز کا نرخ دریافت کرتا۔ بھلی بری ہر چیز کی تمیز ہونے لگی تھی۔ وہ جوہری بازار میں جاتا۔ اور جواہرات کی چمک دمک دیکھتا قیمتیں سنتا۔ اب اسے معلوم ہونے لگا تھا۔ وہ بڑے بڑے یاقوت والماس جو میرے پاس پڑے ہیں۔ وہ کتنے نایاب اور قیمتی چیز ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا۔ کہ آئندہ اگر کھانے کے برتن فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ تو کسی دوکاندار کو بھی دکھاؤں گا۔ جب سب اشرفیاں ختم ہوگئیں۔ تو ایک روز تنہائی میں الہ دین نے پھر چراغ رگڑا۔ جن فی الفور حاضر ہوگیا۔ الہ دین نے اس سے کہا کہ میرے واسطے کھانا لاؤ۔ جن چلا گیا اور بدستور کئی تھال کھانے کے لے آیا۔ الہ دین نے کھانا کھایا۔

دوسرے روز ایک بڑی طشتری لے کر بازار روانہ ہوگیا۔ تو یہودی کے یہاں جانے سے پہلے ایک سنار کو دکھائی۔ وہ سنار بہت نیک اور ایماندار تھا اس نے جانچ پڑتال کی

اور بہتر اشرفیاں الہ دین کے سامنے رکھ دیں اور کہا میرے اندازے کے موافق اس کی یہ ہی قیمت تھی۔ میں نے اس سے پہلے بھی آپ کو اسی قسم کے برتن بدمعاش یہودی کے یہاں لے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ وہ مکار اور دھوکہ باز ہے۔ کسی وقت نقصان پہنچا دے گا۔ الہ دین بہتر اشرفیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور سوچنے لگا کہ کم بخت یہودی نے ایک ایک اشرفی میں یہی برتن خرید کر مجھے لوٹ لیا۔ آئندہ سب برتن اسی سنار کو دوں گا۔ آہستہ آہستہ اس نے سب طشتریاں اسی سنار کو فروخت کیں۔ اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے اپنی زندگی گزارنے لگا۔ ادھر اس کی طبعی ذہانت بھی بیدار ہوگئی تھی۔ اس لیے سوچا کہ اس طرح برتن منگانا اور فروخت کرنا غلط ہے نقد روپیہ حاصل کرنا چاہیے اور برتن استعمال کے لیے رکھنے چاہئیں۔

اب الہ دین اچھے سے اچھا کھاتا اور پیتا تھا۔ دوسرا عمدہ قسم کا مکان رہائش کے لیے لے لیا اور عیش وآرام کے ساتھ رہنے لگا۔

ایک روز بازار گیا تو دیکھا کہ بادشاہ کی طرف سے منادی ہو رہی ہے کہ شہزادی بدر کل حمام کے لیے جائیں گی اس لیے کل بازار بند رہیں گے۔ اور کسی شخص کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہ منادی سن کے تو الہ دین کا نوجوان دل بے تاب ہوگیا۔ کہ شہزادی کو کسی ترکیب سے ضرور دیکھنا چاہیے۔ اس نے تلاش کر کے ایک بالاخانہ حمام کے قریب کرایہ پر لیا۔ اور وقت سے پہلے وہاں جا کر چھپ کر بیٹھ گیا۔ کہ جب شہزادی کی سواری یہاں سے گزرے گی تو اس کو ایک نظر دیکھ لوں گا۔ دوسرے روز شہزادی کی سواری بڑے تزک واحتشام سے آئی۔ اور اسی بالاخانے کے نیچے سے گزری جونہی اس پر الہ دین کی نظر پڑی۔ تیر عشق دل سے پار ہوگیا۔ شہزادی کا حسن بے مثال اس کی نگاہوں میں گھوم گیا اور اس نے ارادہ کرلیا کہ اس شہزادی سے شادی کروں گا۔

جب شہزادی کی سواری واپس چلی گئی تو الہ دین گھر آیا اور ماں سے کہنے لگا۔ کہ آج اتفاقاً میں نے شہزادی بدر کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اسی وقت سے میرا دل قابو میں نہیں ہے۔ ماں اگر تم میری زندگی چاہتی ہو تو کسی طرح میری شادی اس سے کرادو۔ ورنہ میرا جینا مشکل ہے۔ ماں نے حیران ہو کر اس کی صورت دیکھی اور سمجھی کہ شاید یہ پاگل ہوگیا ہے پھر سمجھاتے ہوئے کہنے لگی۔ کہ بیٹا تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو۔

الہ دین کا چھپ کر شہزادی کو دیکھنا

کہاں شاہ چین کی لڑکی اور کہاں تو ایک معمولی درزی کا لڑکا۔ آخر ایسا خیال تیرے دل میں کیوں آیا ہے۔ الہ دین نے کہا۔ کہ یہ تو صحیح ہے کہ میرے اور اس کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن میں دل کو کیا کروں یہ تو کسی طرح نہیں مانتا۔ جب سے شہزادی کو دیکھا ہے میری طبیعت بہت مضطرب ہے۔

ماں بولی کہ چند روز اطمینان رکھ کر طبیعت کا شوق سرد پڑ جائے گا۔ تو میں کہیں اچھی جگہ تیری شادی کر دوں گی۔ بدر کے عشق سے باز آ۔ وہ تیری دسترس سے بہت بلند ہے۔ اس کے رہنے کے لیے محل چاہیے خدمت کو بے شمار کنیزیں اور غلام، پہننے کو قیمتی لباس اور زیورات۔ تو یہ سب چیزیں کہاں سے فراہم کرے گا۔ الہ دین نے کہا۔ یہ چیزیں تو میں ایک ساعت میں اکٹھی کر دوں گا۔ اگر بادشاہ چین چاہے گا تو جتنا اس کا کل خزانہ ہے اس سے دوگنا زر و جواہر دے دوں گا۔ وہی جواہرات جو تہہ خانے سے لایا ہوں ان میں سے ایک ایک کی قیمت شاہ چین کی مملکت سے زیادہ ہے۔ جس وقت وہ ان کو دیکھے گا عقل حیران رہ جائے گی۔ پھر میرے پاس چراغ اور انگوٹھی ہے۔ اگر ضرورت پڑے گی تو اس سے لاتعداد ہیرے یاقوت منگا سکتا ہوں۔ تم میرا پیغام شادی لے کر جاؤ۔ اگر بادشاہ مان گیا تو بہتر ہے ورنہ میں زبردستی شہزادی کو اٹھا لوں گا۔ اب الہ دین صرف مصطفےٰ درزی کا بیٹا نہیں۔ موکلات کا مالک ہے جو اپنے تابع جنوں سے کام لے سکتا ہے۔ الہ دین کی یہ گفتگو سن کر اس کی ماں نے سوچا کہ یہ سچ کہتا ہے۔ اس وقت یہ ایسی طاقت کا مالک ہے کہ بادشاہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ شادی کا پیغام لے کر جانے کو تیار ہوگئی۔

دوسرے روز الہ دین نے ایک سونے چاندی کی گنگا جمنی تھالی میں جواہرات سجا کر ماں کو دیئے اور کہا کہ یہ بادشاہ کے سامنے پیش کرنا اور پھر رشتہ مانگنا۔ الہ دین کی ماں دربار پہنچی اور ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ لیکن اس کی ہمت نہ ہوئی۔ کہ بادشاہ سے اپنا مدعا بیان کرے۔ جب دربار ختم ہوگیا اور بادشاہ محل میں چلا گیا۔ تو بے مراد واپس آ گئی۔ اور الہ دین

سے کہہ دیا۔ کہ آج میری ہمت نہیں ہوئی۔ دوسرے دن پھر گئی اور کھڑی رہ کر لوٹ آئی۔ الہ دین نے ماں کو سمجھایا کہ تم ڈرو نہیں بادشاہ سے اپنا مقصد عرض کرو۔ تیسرے روز پھر گئی۔ لیکن آج بھی بادشاہ نے کچھ نہ پوچھا۔ اور نہ وہ کچھ بولی۔ چوتھے روز پھر گئی۔ اس روز بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ ایک بڑھیا تین روز سے برابر دربار میں آ رہی ہے۔ لیکن کچھ کہتی نہیں۔ معلوم کرو کہ وہ کیوں آتی ہے۔ اور کیا کہنا چاہتی ہے۔ جس وقت الہ دین کی والدہ گئی۔ تو وزیر نے اس کو دیکھا اور قریب آ کر کہا کہ دربار برخاست ہونے کے بعد ٹھہر جانا۔ بادشاہ تم سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں جب دربار برخاست ہوگیا تو وزیر نے بڑھیا کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم روز آتی ہو۔ اور بغیر کچھ کہے سنے واپس چلی جاتی ہو۔ تمہارا کیا مقصد ہے۔ بیان کر۔ الہ دین کی والدہ نے دست بستہ عرض کیا۔ کہ جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ بادشاہ نے کہا میں امان دیتا ہوں۔

وہ بولی آپ تنہائی میں میری عرض سنیئے۔ بادشاہ نے وزیر کے سوا سب کو ہٹا دیا۔ اس وقت الہ دین کی ماں نے جواہرات کی تھالی پیش کر کے عرض کیا کہ میرا بیٹا حضور کی فرزندی میں آنا چاہتا ہے۔ آپ اس کا رشتہ منظور کر لیں۔

الہ دین کی ماں بادشاہ کے لیے جواہرات لائی

بادشاہ یہ سن کر چپ ہوگیا پھر وزیر سے الگ گفتگو کی کہ یہ کون ہے۔ ایسے نادر و نایاب جواہرات کہاں سے لائی ہے۔ جن میں سے ایک ایک کی قیمت میری ساری سلطنت سے زیادہ ہے۔ وزیر نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ بہر حال یہ جواہرات رکھ لیجئے اور اس کو بہانے سے ٹال دیجئے۔ آئندہ جیسا موقعہ ہوگا کریں گے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون ہے اور کس حیثیت کی ہے۔

بادشاہ نے الہ دین کی والدہ سے کہا کہ میں تمہارا رشتہ منظور کر لیتا ہوں۔ مگر ابھی تین چار ماہ انتظار کرو پھر شادی کا انتظام ممکن ہوگا۔ الہ دین کی ماں بادشاہ سلامت کو سلام کر کے خوش خوش گھر لوٹ آئی۔

الہ دین رشتہ کی منظوری کی خبر سن کر بہت خوش ہوا۔ ماہ دو ماہ کی مدت بڑی مشکل سے گزری اور ابھی ایک مہینہ بھی باقی تھا کہ ایک روز الہ دین کی ماں بازار میں گئی تو دیکھا کہ بازار اور شاہی محل سج رہے ہیں اس نے لوگوں سے پوچھا تو لوگ کہنے لگے تعجب ہے۔ تجھے معلوم نہیں شہزادی کی شادی وزیر اعظم کے لڑکے سے ہو رہی ہے۔ آج بارات جائے گی۔ الہ دین کی ماں یہ سن کر الٹے پاؤں گھر واپس آئی۔ اور بیٹے کو آگاہ کیا کہ بادشاہ اپنے اقرار سے پھر گیا ہے۔ اور اب شہزادی کی شادی وزیر اعظم کے لڑکے سے ہو رہی ہے۔ الہ دین یہ سن کر بہت رنجیدہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ بادشاہ ہو کر اس نے قول و اقرار کی وقعت نہیں سمجھی اور میرے جواہرات بھی رکھ لیے۔ لیکن یہ شادی کامیاب نہیں ہو سکتی اور میں جانتا ہوں یہ سب شرارت وزیر کی ہے۔ پھر اس نے ماں کو دوسرے کمرے میں بھیج کر اس چراغ کو رگڑ کے جن کو طلب کیا۔ جن سامنے آ کھڑا ہوا۔ الہ دین نے کہا کہ آج بادشاہ کی لڑکی کی شادی وزیر کے لڑکے سے ہو رہی ہے۔ جس وقت وزیرزادہ شہزادی کے خلوت خانے میں جائے قبل اس کے کہ وہ اس کو چھو بھی سکے۔ میرے پاس حاضر کرو۔ جن نے کہا بہتر ہے تعمیل حکم ہو گی۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔

شام کو وزیر اعظم بڑے اہتمام سے بارات لے کر پہنچا بڑی دھوم دھام سے نکاح ہوا۔ پرتکلف دعوت دی گئی۔ تمام وزراء اور عمائدین شہر اس میں شریک ہوئے وزیرزادہ خوش تھا کہ ایسی خوبصورت دلہن ملی۔ اور چونکہ وہ والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس لیے اس کو یقین تھا کہ اب بادشاہت بھی میری ہے رات کو حجلۂ عروسی آراستہ ہوا۔ اور شہزادی بدر اس میں پہنچی کچھ مراسم کی ادائیگی کے بعد وزیرزادہ خوش جذبات میں مخمور دلہن کے پاس آیا۔ ابھی بیٹھنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ چراغ کا موکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کو دیکھ کر وزیرزادہ شدت خوف سے بے ہوش ہو گیا۔ شہزادی کو بھی غش آ گیا۔ جن نے ان دونوں کو اٹھا لیا اور الہ دین کے گھر پہنچا دیا۔ الہ دین نے جن سے کہا کہ اس وزیرزادے کو کسی بدبودار کمرے میں صبح تک بند رکھو۔ اور جس قت میں تمہیں بلاؤں۔ اس کو بھی لیتے آؤ۔ جن اس کو لے کر غائب ہو گیا شہزادی کو جب ہوش آیا تو الہ نے اس کو تسلی دی۔ کہ تم بالکل خوف نہ کرو۔ بات یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دوسرا آدمی تمہیں ہاتھ تک لگائے۔ ہرگز ہرگز تمہیں ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ جب تک تم مجھ پر حلال نہ ہو جاؤ۔ باقی رہا تمہارا

شوہر تو وہ تم تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ جس وقت تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے پاس جانے کا ارادہ کرے گا۔ وہی جن آ پکڑے گا۔ کچھ اس کے علاوہ اور بھی معاملات ہیں لیکن وہ ایک مہینے سے پہلے ظاہر نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد الہ دین نے شہزادی کے اور اپنے درمیان ننگی تلوار رکھ لی اور سو گیا۔ صبح سویرے اٹھ کر اس نے جن کو بلایا جن وزیرزادے کو لے کر حاضر ہوا۔ جس کا رنگ خوف کے مارے زرد ہو رہا تھا۔ اور تمام لباس گندگی میں خراب ہو گیا تھا۔

الہ دین نے جن سے کہا کہ ان دونوں کو جہاں سے لائے تھے وہیں پہنچا دو۔ جن نے دونوں کو اٹھایا اور حجلۂ عروسی میں لا کر چھوڑ دیا۔ وزیرزادہ تو اسی وقت اٹھ کر بھاگا تا کہ لباس تبدیل کرے شہزادی پریشان خوفزدہ بیٹھی تھی کہ بادشاہ آیا اور بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تم اتنی دہشت زدہ کیوں ہو رہی ہو۔ بدر نے سر جھکا لیا۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ ملکہ نے بادشاہ کو الگ لے جا کر سمجھایا کہ تم نہ پوچھو۔ نئی دلہن ہے شرما رہی ہے۔ میں اپنے طور پر معلوم کر لوں گی کہ اس کی پریشانی کی کیا وجہ ہے۔ اس کے بعد ماں نے آ کر بیٹی کو پیار کیا اور گلے لگا کر حال پوچھا۔

شہزادی نے سارا ماجرا سنا دیا۔ ماں بہت حیران ہوئی۔ لیکن یہ خیال کیا کہ شاید اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ وہم نہ کرو کل تک ٹھیک ہو جاؤ گی۔

شہزادی نے کہا، خواب کیسا۔ آپ وزیرزادے سے دریافت کر لیجئے۔ معلوم ہو جائے گا۔ ملکہ نے اس کو بلایا اور پوچھا۔ کہ رات کیا کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا۔ وزیرزادے نے سوچا کہ اگر اصل حال کہتا ہوں تو بدنامی ہو گی اس لیے بات بنا کر بولا۔ کچھ نہیں رات بڑے آرام و سکون سے سوئے۔ شاید انہیں کوئی ڈراؤنا خواب نظر آیا ہے۔ شہزادی خاموش ہو گئی۔ اور دل میں کہا کہ آج رات کو انہیں خواب اور حقیقت کا پتہ اچھی طرح چل جائے گا۔ کیونکہ اس وقت فضول بات بڑھانے کی کیا ضرورت؟

رات کو وزیرزادہ حجلۂ عروسی میں آیا۔ لیکن لرزاں و ترساں۔ ابھی وہ پلنگ کے قریب پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ وہی جن نمودار ہوا۔ اور دونوں کو اٹھا کر الہ دین کے پاس لے آیا اور الہ دین نے وزیرزادے کو پھر پاخانے میں قید کرا دیا۔ جہاں بو کی شدت سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ لیکن مجبور تھا۔ جن نے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو بری طرح

پیش آؤں گا۔شہزادی سے الہ دین اپنے عشق ومحبت کی باتیں کرتا رہا۔لیکن اس کے بعد اسی طرح تلوار درمیان میں رکھ کر سو گیا۔

صبح کو جن حاضر ہوا۔اور دونوں کو اٹھا کر حجلۂ عروسی میں چھوڑ گیا۔اگلے روز بادشاہ نے پھر شہزادی کو پریشان دیکھا تو ملکہ کو سختی سے تاکید کی کہ آخر کیا بات ہے؟ اور بدر کیوں اس قدر خوفزدہ اور پریشان ہے ملکہ نے کل واقعہ سنایا۔پھر بادشاہ نے شہزادی سے دونوں راتوں کی روداد سنی تو حیران ہو گیا۔باہر جا کر اس نے وزیر اعظم اور اس کے لڑکے کو بلا کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔وزیر زادے نے ہاتھ باندھ کر سب واقعہ سنا دیا اور کہا حضور دو رات مجھے گندی جگہ میں بند ہوئے گزرے ہیں۔پھر جن کا خوف الگ۔میری روح تک کانپ رہی ہے۔آپ مجھے آزاد فرما دیجئے۔شہزادی کے ساتھ میری کسی طرح گزر نہیں ہو سکتی۔وزیر اعظم بھی بیٹے کی مصیبت سن کر بہت پریشان ہوا۔آخر کار غور خوض کے بعد فسخ نکاح کا اعلان کر دیا گیا۔سارا شہر حیران رہ گیا کہ دو دن ہوئے اس قدر دھوم دھام سے شادی ہوئی تھی۔اور آج جدائی بھی ہو گئی۔صرف الہ دین اس راز کو جانتا تھا۔کہ کیا معاملہ کیا ہے۔اس روز اس نے جن کو بلا کر تاکید کر دی۔کہ تم نگرانی ضرور کرنا کہ کہیں مجھے دھوکہ دینے کے لیے اعلان نہ کیا گیا ہو۔چند روز میں جب الہ دین کو اطمینان ہو گیا۔کہ اب شہزادی کی عصمت محفوظ ہے تو اس نے جن سے کام لینا بند کر دیا۔اس عرصہ میں شہزادی اور وزیر زادہ بھی اپنے گھر میں اطمینان سے رہے اور کوئی ایسا ویسا واقعہ پیش نہ آیا۔یونہی باتوں باتوں میں ایک مہینہ گزر گیا۔تو الہ دین نے اپنی ماں سے کہا کہ تم بادشاہ کے سامنے جاؤ۔اور اس کو یاد دلاؤ۔کہ ایفائے عہد کا وقت آ گیا ہے۔اب آپ شادی کر دیجئے۔الہ دین کی ماں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔اس وقت اتفاق سے وزیر بھی موجود تھا بادشاہ نے اس کو پہچان لیا۔چنانچہ الہ دین کی ماں کو ایک طرف بٹھا کر خود وزیر سے مشورہ کرنے لگا۔وزیر نے کہا کہ آپ اس کو کہہ دیں کہ شادی تو کر دی جائے گی۔لیکن شہزادی کے مہر میں چالیس حسین غلام جن کے سروں پر سونے کی تھالیاں ہوں اور ان تھالیوں میں جواہرات لا کر پیش کرنے پڑیں گے۔نہ یہ عورت اس شرط کو پورا کر سکے گی۔اور نہ آپ ایک گمنام شخص سے شہزادی کی شادی کرنے پر مجبور ہوں گے۔یہ تجویز بادشاہ کو بہت پسند آئی۔

چنانچہ اس نے الہ دین کی ماں سے کہا کہ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔اور اس کا پابند بھی

ہوں۔لیکن تم غور کرو کہ ایک شہزادی کی شادی کسی گمنام حیثیت کے شخص سے تو نہیں کی جا سکتی۔اگر تمہیں یہ رشتہ منظور ہے تو بطور حق مہر چالیس حسین وجمیل ایسے غلام لاؤ جن کے سروں پر سونے کی تھالیاں ہوں۔اور ان تھالیوں میں جواہرات بھرے ہوں۔غلاموں کا لباس ایسا ہو کہ شہر میں مشہور ہو جائے کہ کسی والیے ملک کے یہاں سے شہزادی کی رسم شادی آئی ہے۔

الہ دین کی ماں واپس آئی اور بیٹے سے کہنے لگی۔کہ میں نے تجھے پہلے سمجھایا تھا کہ غریبوں اور بادشاہوں کا کیا جوڑ لیکن تو نہ مانا۔اب بادشاہ نے ایسی شرط لگائی ہے کہ ہماری تو ہزار پشتوں سے بھی پوری نہیں ہوں گی۔الہ دین نے کہا۔بتاؤ تو سہی کیا شرط ہے۔ماں نے وہ سب گفتگو سنائی جو بادشاہ سے ہوئی تھی ساری بات سن کر الہ دین مسکرایا۔اور کہنے لگا تم ذرا نہا دھو کر کپڑے بدل لو۔میں اتنی دیر میں کچھ کام کر لوں۔چنانچہ الہ دین کی ماں نہانے چلی گئی۔الہ دین نے چراغ رگڑا اسی وقت جن حاضر ہو گیا۔اس نے جن کو بتایا کہ مجھے ایسے چالیس غلاموں کی معہ سامان ضرورت ہے جن غائب ہو گیا اور تھوڑی سی دیر میں معہ چالیس حسین وزرق برق پوشاک میں ملبوس غلاموں کے حاضر ہو گیا۔الہ دین نے جن کو رخصت کر دیا۔اور جب ماں کپڑے تبدیل کر کے آئی تو ان غلاموں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔الہ دین نے کہا۔کہ تم ابھی لے کر بادشاہ کے پاس جاؤ۔اور عرض کرو۔کہ آپ کی یہ شرط بھی پوری ہو گئی۔اب تو آپ کو کوئی عذر نہیں۔الہ دین کی ماں غلاموں کو اس طرح لے کر چلی کہ تمام اہل شہر اس عجیب جلوس کو دیکھ رہے تھے۔غلاموں کا لباس اس قدر شاندار تھا کہ لوگ حیران تھے کہ آج کسی امیر یا والیئے سلطنت کے یہاں سے شادی کا سامان آیا ہے۔اس قدر نایاب چیزیں دیکھنا تو کجا سنی بھی نہیں تھی جس وقت الہ دین کی ماں غلاموں کے ساتھ قصر شاہی میں پہنچی۔بادشاہ کو اطلاع ہوئی۔کہ ایک بڑھیا بہت حسین مزین غلاموں کے سر پر سونے کے تھال لے کر حاضر ہوئی ہے۔تو بادشاہ اور ملکہ نے بھی جھانک کر دیکھا اور انگشت بدنداں رہ گئے بادشاہ باہر نکل کر دربار میں آیا۔اور الہ دین کی ماں کو اندر بلایا۔جس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔کہ حسب الحکم شہزادی کا حق مہر حاضر ہے اور ایفائے عہد کی امیدوار ہوں۔باشاہ نے اس کو عزت واحترام سے بٹھایا۔اور اسی وقت وزیر اعظم کو طلب کیا۔بدنصیب وزیر نے آ کر جب یہ ٹھاٹھ دیکھا تو جل گیا۔بادشاہ ے کہا کہ الہ دین نے میری اتنی سخت

شرط بھی ہاتھوں ہاتھ پوری کردی اور تمام شہر میں شہرت بھی ہوگئی۔ کہ نہایت شاندار پیمانے پر شہزادی بدر کا رشتہ آیا ہے۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے۔ کیونکہ قطع نظر تمام شرط کے جو شخص ایسے لاجواب تحائف پیش کرسکتا ہے جو میری سلطنت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ وہ شہزادی کے لیے بھی یقیناً ہر طرح موزوں ہے اگر لوگ اس کو نہیں جانتے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس امارت و ثروت کو دیکھ کر چند ہی روز میں سب واقف ہوجائیں گے مجھے یقین ہے کہ یہ شخص کسی بہت بڑی مملکت کا مالک ہے۔ اور یہاں خفیہ طور پر آیا ہوا۔ وزیر نے اپنی ذلت کے پیش نظر بہت کوشش کی بادشاہ کو انکار کرنے پر تیار کرے۔ لیکن وہ نہ مانا اور الہ دین کی ماں سے کہہ دیا کہ اب مجھے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم اپنے لڑکے کو بھیج دو۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں الہ دین کی والدہ خوشی خوشی گھر آئی۔ اور بیٹے کو بتایا کہ بادشاہ نے منظور کرلیا ہے۔ اور تمہیں ملنے کے لیے بلاتا ہے الہ دین خوش و مسرت سے اچھل پڑا اور ماں سے کہنے لگا۔ کہ تم نیچے مکان میں بیٹھو میں ذرا بادشاہ کے یہاں جانے کی تیاری کرتا ہوں۔ ماں نیچے چلی گئی۔ تو الہ دین نے چراغ کو رگڑ کر جن کو بلایا اور اس سے کہا کہ مجھے کسی بہترین حمام میں لے چلو۔ میں غسل کرنا چاہتا ہوں۔ جن نے پلک جھپکنے میں اس کو نہایت نفیس گرم ترکی حمام میں پہنچا دیا۔ اور جب نہانے دھونے سے فارغ ہوگیا۔ تو پیکن واپس لے آیا۔ اس کے بعد جن سے۔ الہ دین نے کہا کہ میرے لیے اعلیٰ قسم کا لباس لاؤ۔ ایک گھوڑا معہ ساز ایسا حاضر کرو جس کی نظیر دنیا میں کم ہو۔ چالیس نہایت حسین غلام لاؤ۔ جو پہلے غلاموں سے بھی عمدہ لباس میں ہوں۔ اور ان کے ہاتھوں میں اشرفیوں کی تھیلیاں ہوں جس کو راہ میں لٹاتے چلیں۔ لیکن ان میں کسی وقت کمی نہ آئے جن چلا گیا۔ اور ذرا سی دیر میں کل سامان لا کر حاضر کردیا۔ جسے دیکھ کر خود الہ دین بھی محو حیرت ہوگیا۔ جن کو رخصت کر کے الہ دین نے شاہانہ لباس پہنا پری زاد گھوڑے پر جلوس میں چالیس غلام جن کے لباس اکثر بادشاہوں سے زیادہ قیمتی تھے۔ اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر ساتھ ہوئے۔

جس وقت الہ دین کی سواری بازار سے گزری غلاموں نے مٹھیاں بھر بھر کر اشرفیاں الہ دین کے سر پر سے نثار کرنی شروع کیں۔ چاروں طرف لوگ کھڑے ہوئے حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ اس شان و شوکت کا بادشاہ دیکھنا تو درکنار سنا بھی نہ تھا عوام اس کی دریا دلی دیکھ دیکھ کر عش عش کر رہے تھے غربا اشرفیاں لوٹ رہے تھے اور الہ دین کو دعائیں دے رہے تھے۔

الہ دین اور بادشاہ کی ملاقات

جس وقت الہ دین شاہی محل میں پہنچا تو ہزاروں آدمی اس کی سواری دیکھنے اور اشرفیاں لوٹنے کو جمع ہوگئے۔ اس عرصہ میں کچھ لوگوں نے بادشاہ سے بھی جا کر کہا کہ بڑھیا کا لڑکا عجیب شان و شوکت سے آرہا ہے۔ بادشاہ نے امراء وزراء کو حکم دیا کہ استقبال کر کے اندر لائیں۔

چنانچہ سب لوگ آگے بڑھے اور بڑے احترام و عزت کے ساتھ الہ دین کو بادشاہ کے پاس اندر لے گئے۔ بادشاہ نے اٹھ کر الہ دین کو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی میں نے حسب وعدہ آج ہی تمہارے نکاح کا انتظام کردیا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم شہزادی کے ساتھ یہیں شہر پیکن میں رہو۔ الہ دین نے کہا کہ مجھے آپ کا حکم بسر و چشم منظور ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہزادی کی شادی کا اعلان کردیا جائے اور تمام مملکت میں جشن مسرت منایا جائے۔ چنانچہ اسی وقت حکم کی تعمیل کردی گئی۔ ہر طرف محفل رقص و سرور کے انتظام شروع ہوگئے تمام محل میں چراغاں کیا گیا رات کو جب دستر خوان بچھا تو سب امراء وزراء حسب مراتب حاضر تھے۔ کھانے میں شریک ہوئے الہ دین سب لوگوں سے بڑے حسن اخلاق سے ملا اور اپنا گرویدہ بنالیا۔ پہر رات گئے رسم نکاح ادا ہوئی اس کے بعد الہ دین نے عوام کو اشرفیاں لٹائیں۔ درباری امراء و روسائے شہر کو حسب حیثیت جواہرات کے تحفے پیش کیے۔ اور لوگ اس کی یہ دولت و ثروت دیکھ کر حیران تھے کہ اس قدر لاتعداد دولت اس کو کہاں سے مل گئی۔ غرض اسی ایک رات میں کیا امیر کیا غریب سب الہ دین کے پرستار بن گئے۔ نکاح کے بعد الہ دین نے بادشاہ سے رخصت طلب کی اور عرض کیا کہ کل صبح میں شہزادی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس وقت مجھے ان کی بلند مرتبت شخصیت کے مطابق کچھ انتظامات کرنے ہیں۔ بادشاہ نے کہا تمہاری مرضی اب بدر تمہاری کنیز ہے جیسا جی چاہے اس کے ساتھ سلوک کرو۔ الہ دین بادشاہ کے یہاں سے رخصت ہو کر اپنے گھر آیا۔ محلات شاہی کے سامنے ایک بڑا قطعہ

اراضی پڑا تھا۔ الہ دین نے اس کو اپنے محل کے لیے منتخب کیا پھر چراغ رگڑ کر جن کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ صبح ہونے سے پہلے ایک نہایت عالی شان محل تیار کیا جائے جس کی بناوٹ ایسی ہو کہ اگر بادشاہ اپنی سلطنت کے کل جواہرات بھی خرچ کر ڈالے تو مقابلہ نہ کر سکے۔ کل سامان آرائش فرش فروش، قالین، مسندیں، باغات، جھاڑ فانوس اصطبل گھوڑے، غلام، کنیزیں، ہر قسم کے بہترین سامان، لباس برتن وغیرہ غرض کوئی چیز جو ضرورت میں شامل ہے باقی نہ رہے اور ایک قالین عمدہ قسم کا اتنا بڑا حاضر کیا جائے جو محل سے لے کر شاہی محل تک بچھ سکے۔ محل میں ایک بارہ دری ایسی خوبصورت ہو کہ بادشاہ دیکھے تو تصویر حیرت بن جائے۔ بادشاہ کے کل غلاموں کنیزوں، امراء کے لیے حسب مراتب جوڑے تھے تھیلیوں میں سجے ہوئے لا کر رکھ دیئے جائیں۔ ہر قسم کا زر و جواہر کمروں میں رکھ دیا جائے۔ بالائی منزل میں تمام کمرے مرصع اور جواہر کار ہوں۔ صرف ایک کمرہ خالی چھوڑ دیا جائے۔ اس پر کسی قسم کی صنعت کاری نہ ہو جن نے کہا صبح سے پہلے تعمیل ارشاد ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا اور الہ دین بھی آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

ابھی سفیدہ سحر نمودار ہی ہوا تھا کہ جن نے آ کر الہ دین کو اطلاع دی کہ محل تیار ہے الہ دین نے اٹھ کر دیکھا تو اس کے خیال سے زیادہ حسین عمارت کھڑی تھی اس کی صنعت کاری دیکھ کر وہ مبہوت ہو گیا اور اسی وقت جا کر سارے محل کا معائنہ کیا ہر چیز قرینے سے سجی ہوئی تھی۔ غلام و کنیزیں زرق برق لباس میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ باغ میں پانی کی چھوٹی چھوٹی حسین نہریں بہہ رہی تھیں۔ وسط میں آب مرصع میں بھرا ہوا حوض تھا جس کے وسط میں ایک نادر روزگار فوارہ چل رہا تھا۔ محل سے لے کر بادشاہ کے مختلف رومی قالین بچھا ہوا تھا یہ سب چیزیں دیکھ کر الہ دین بہت خوش ہوا۔ وہ اس کے بعد جن کو رخصت کر کے اپنے مکان پر واپس آیا۔ اور ماں سے کہا کہ تم بادشاہ کے یہاں جاؤ۔ اور شہزادی کو رخصت کرا لاؤ۔ نیز بادشاہ سے عرض کرو۔ کہ آپ بھی میرے مکان پر تشریف آوری فرمائیں اور اپنے ساتھ دلہن کا جوڑا اور تمام شاہی غلاموں اور کنیزوں امراء وزرائے کے جوڑے بھی لے جاؤ۔

الہ دین کی ماں غلاموں اور کنیزوں کے سروں پر جوڑے لے کر روانہ ہوئی۔ ادھر بادشاہ بیدار ہوا تو اپنے محل کے سامنے نیا محل دیکھ کر حیران رہ گیا۔ محل بھی ایسا مزین اور مرصع

کہ آج تک اس کے وہم و گمان بھی نہیں آیا تھا۔ وزیر اور دیگر لوگوں سے پوچھا کہ رات ہی رات میں یہ عالی شان محل کہاں سے آیا۔ وزیر نے عرض کیا کہ میرے خیال میں الہ دین نے تیار کیا ہے۔ اور یہ سب جادو کا اثر ہے آج تک جو بھی کام اس کی طرف سے ہوئے ہیں محیر العقول ہیں اور کسی انسان کی مجال نہیں کہ ایسے ایسے نوادرات آناً فاناً فراہم کر دے۔ بادشاہ دل میں خوفزدہ ہوا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ بولا حتیٰ کہ الہ دین کی ماں سامان عروسی لے کر پہنچ گئی۔

شہزادی کا لباس اور دوسروں کے جوڑے دیکھ کر سب عش عش کر اٹھے۔ اسی وقت دلہن کو آراستہ کیا گیا اور نغمہ سراؤں کی دل کش تانوں کے درمیان دلہن اپنے سسرال کو روانہ ہوئی۔ دونوں محل چونکہ آمنے سامنے تھے پھر شہزادی رخصت کے وقت ماں سے گلے مل کر بہت روئی ماں نے تشفی دی کہ بیٹی تم کہیں دور نہیں جا رہی ہو۔ ہم ہر روز تم کو ملتے رہیں گے پھر دیکھو تمہارے شوہر نے کیا کیا بے نظیر سامان عیش تمہارے لیے فراہم کیا ہے۔ کہ اگر ہفت ولایت کا بادشاہ بھی کوشش کرتا تو ممکن نہیں ہوتا۔ غرض دلہن الہ دین کے محل میں آئی۔ الہ دین نے دروازہ پر استقبال کیا اور بڑی محبت اور عزت سے لا کر بٹھایا۔ جب شہزادی نے بے نقاب ہو کر دیکھا تو اسے پہچان کر محو حیرت ہو گئی۔ کہ یہ تو وہی شخص ہے۔ جس نے دو رات مجھے ایک جن کی معرفت اٹھوا لیا تھا۔ اور دل میں سمجھ گئی کہ یہ سب شان و شوکت اسی جن کی بدولت اس کو حاصل ہوئی ہے۔ بہر حال اس نے دل میں فخر محسوس کیا کہ میرا شوہر جنوں تک کا حاکم ہے۔

آج جب بدر نے بہترین لباس میں ملبوس الہ دین کو دیکھا تو خود بھی اس پر مائل ہو گئی۔ پہلی جن دو راتوں میں وہ اس کے پاس آئی تھی شہزادی کے دل میں تو اسی وقت سے الہ دین کے لیے جگہ ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ اس کا باقاعدہ شوہر ہو گیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ تھوڑی دیر میں الہ دین نے دستر خوان چننے کا حکم دیا جس کی فوراً تعمیل ہوئی۔ بدر اور الہ دین نے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اور اس کے بعد سب آرام کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے گئے۔ الہ دین اور شہزادی بھی حجلۂ عروسی میں آئے اور دیر تک پیار و محبت کی باتیں کرتے رہے، الہ دین خوبصورت نرم و نازک اور حسین شہزادی کو اپنے پہلو میں دیکھ کر اپنی قسمت پر ناز کر رہا تھا آج اس کی امیدوں کی قسمت کھلنے والی تھی۔ جب رات زیادہ آ گئی تھی تو دونوں

نے ایک چھپر کھٹ پر آرام کیا۔ اور دونوں کے درمیان زندگی کے عہد و پیماں ہوئے۔ صبح سویرے دونوں اٹھے تو ایک دوسرے سے مسرور تھے۔ غسل وغیرہ سے فراغت کی۔ اور لباس تبدیل کر کے باہر آئے۔ ہر طرف کنیزوں نے مبارکباد کا ترانہ گایا۔ اور انعام واکرام حاصل کیا۔ اس کے بعد الہ دین بادشاہ کو سلام کرنے گیا۔ بادشاہ نے اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ اور بڑی محبت سے گلے لگا کر خیر و عافیت پوچھی۔ الہ دین نے دست بستہ عرض کیا کہ آج آپ اور تمام امراء وزراء اور اہل شہر میرے غریب خانہ پر کھانا تناول فرما کر میری عزت افزائی فرمائیں۔ بادشاہ نے اس کی دعوت قبول فرمائی اور اسی وقت تمام شہر پیکن میں اعلان کر دیا کہ تمام امیر و غریب بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت کی دعوت شہزادے الہ دین کے یہاں ہے۔ سب لوگ محل میں آ کر کھانا کھائیں۔ بادشاہ خود معہ داعیان حکومت الہ دین کے محل کی سمت میں روانہ ہوا۔ تمام راستے میں قالین بچھا ہوا تھا۔ جب اس پر قدم رکھتے تھے تو ٹخنوں تک قالین کے ریشمی روئیں میں اترتے جاتے تھے جس وقت بادشاہ الہ دین کے محل میں پہنچا تو تمام خدام استقبال کے لیے دروازے پر موجود تھے کنیزوں کے حسن تاب کا یہ عالم تھا کہ بہت سے امراء ان کے حسن کی تعریف میں بے چین ہوئے۔

الہ دین نے بادشاہ کو تمام اندرونی مناظر دکھائے۔ حاضرین حیرت واستعجاب سے مثل تصویر خاموش مبہوت تھے۔ زرو جواہر کی ہ افراط تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں۔ بارہ دری کی سجاوٹ کا یہ عالم تھا کہ نظر نہیں ٹھہرتی عقل حیران تھی سامنے وہ باغ تھا۔ جس پر جنت شداد کا دھوکہ ہوتا تھا۔

ہر طرف سبزے مخملیں۔ خوشنما اور رنگ رنگ کے پھول کھلے ہوئے جگہ بجگہ کمر محبوب کی طرح بل کھاتی نہریں چشم معشوق کی طرف مصفیٰ و منزہ حوض وسط میں فوارہ اس طرح چل رہا تھا۔ گویا باغ سنائی و زیبائی پر گوہر نایاب لٹا رہا ہے۔

وزیر نے بادشاہ کے کان میں کہا کہ حضور یہ انسانی کام نہیں ہے مجھے تو جادو کا کارخانہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا انجام بخیر کرے۔ بادشاہ شہزادی سے سب حال دریافت کر چکا تھا۔ کہ الہ دین کے قبضے میں جن ہے۔ وہ ایک باکمال شخص ہے۔ اس لیے اس نے وزیر کو جھڑک دیا۔ کہ تم فضول بکواس کرتے ہو۔

سارا محل دیکھنے کے بعد بادشاہ نے پوچھا کہ کل عمارت مکمل و مرصع ہے۔ لیکن یہ ایک

کمرہ سادہ کیوں ہے الہ دین نے عرض کیا کہ یہ دانستہ چھوڑا گیا ہے تا کہ اسے آپ مکمل کرا دیں۔ اور اس طرح آپ کے مبارک ہاتھوں کی بدولت یہ قصر مکمل ہو جائے گا۔ بادشاہ الہ دین کی اس سعادت مندی سے خوش ہوا۔ اور اسی وقت حکم دیا کہ کل سامان اور کاریگر اکٹھے کیے جائیں تا کہ اس کمرے کو مکمل کریں۔ چنانچہ سب کاریگر جمع ہوئے۔ بادشاہ نے جواہرات فراہم کر دیئے ایک ماہ تک کام ہوتا رہا۔ لیکن سارے جواہرات ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ کمرہ مکمل نہ ہو سکا۔ بادشاہ بہت نادم ہوا کہ میں ایک کمرہ بھی اپنی ساری پونجی لگا کر مکمل نہ کر سکا۔ الہ دین نے وہ کل جواہرات اکھڑوا کر شاہی خزانے میں بھیج دیئے اور چراغ کے جن کو بلا کر کمرہ مکمل کرا لیا۔

الہ دین شہزادی ابدر کے ساتھ اپنے محل میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگا۔ کبھی سیر و شکار کو جاتا۔ کبھی اپنے محل میں محفلیں لگاتا۔ پیکن شہر میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کے ساتھ الہ دین نے فیاضیانہ سلوک نہ کیا ہو۔ ہر روز غریبوں کے گھر جاتا اور ان کی امداد کرتا مصیبت زدوں کے دکھ تکلیفوں میں کام آتا۔ شہر میں بہت سے شفاخانے مریضوں کے مفت علاج کے لیے کھول دیئے گئے۔ کئی جگہ لنگر جاری کیے ہر شخص سے محبت اور پیار سے ملتا۔ کسی شخص کا دل اس نے دکھنے نہ دیا۔ گو ظاہر میں وہ صرف بادشاہ کا داماد ہے بادشاہ نہیں لیکن عوام کے دلوں پر الہ دین ہی کی حکومت تھی۔ جب لوگ اس کا نام سنتے تو ان کے دل اس کی عظمت اور محبت سے لبریز ہو جاتے۔ سارے پیکن شہر میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو اس سے ذرا سی بھی دشمنی رکھتا ہو۔ اس کی فیاضی کا سلسلہ لامتناہی جاری رہا اور عوام اس کا وجود رحمت خداوندی سمجھتے تھے۔ انہی دنوں اتفاقاً ایک دشمن نے ملک پر حملہ کر دیا۔ الہ دین خود فوج کو لے کر بڑھا اور بظاہر فوج لیکن دراصل چراغ کی وجہ سے دشمن کو پامال کر کے نکال دیا۔ اب اس کی جرأت و بہادری کے بھی گن گائے جانے لگے۔ اس وقت یہ عالم تھا کہ اگر الہ دین یہ حکم دیتا تو لوگ آگ میں کودنے کو بھی تیار تھے۔

ادھر جب افریقی جادوگر ناکامی کے رنج اور الہ دین کی ضد کے غصہ میں واپس ہوا تو بہت دل شکستہ تھا چنانچہ وہ چین میں بھی نہیں رہا۔ بلکہ سیدھا افریقہ چلا آیا۔ کافی مدت گزرنے کے بعد ایک روز اسے اپنی ناکامی کا خیال آیا تو بڑی دیر تک۔ انہی خیالات میں پریشان رہا۔ اور دیر تک دل ہی دل میں الہ دین کو گالیاں دیتا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے علم

ونجوم سے حساب لگا کر دیکھا کہ اس کا کیا حشر ہوا۔ حساب سے معلوم ہوا کہ الہ دین زندہ ہے اور پیکن شہر میں شہزادی بدر سے شادی کر کے عیش کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ جادوگر افریقہ یہ حال جان کر حسد کے انگاروں پر لوٹنے لگا۔ کہ میں تو محنت و روپیہ خرچ کر کے ناکام رہا۔ اور الہ دین اس چراغ کی بدولت دنیا جہاں کے عیش و راحت مفت میں لوٹ رہا ہے اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ یا تو میں اپنی جان قربان کر دوں گا یا الہ دین کو ختم کر کے رہوں گا۔ سامان سفر درست کر کے افریقی جادوگر پیکن کی طرف روانہ ہوگیا اور مہینوں کے تھکا دینے والے سفر کے بعد منزل مقصود پر آ پہنچا۔ ایک سرائے میں ٹھہر کر چند روز آرام کیا۔ اس دوران میں اس نے الہ دین کے محل اور ریاست و امارات کے قصے سنے تو آتش قہر و غضب اور بھی مشتعل ہوگئی۔ جب تھکان سفر رفع ہوگیا تو ایک روز پھر اپنا حساب پھیلایا اور معلوم کیا کہ آج الہ دین محل میں نہیں ہے۔

نیز چراغ بھی اس کے پاس نہیں ہے۔ بلکہ گھر میں موجود ہے۔ کافی دیر غور خوض کے بعد اس نے تجویز کیا۔ اور خیال کیا کہ نئے چراغوں کے بدلے میں پرانے چراغ خریدنے کے بہانے اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ یقین ہے کہ اس نے چراغ کے راز کسی سے نہیں کہے ہوں گے۔ ممکن ہے قسمت دور ہو جائے۔ چنانچہ اٹھ کر بازار گیا اور بہت سے مختلف وضع کے دلفریب اور خوبصورت چراغ خریدے۔ اور سرائے میں آ کر لباس تبدیل کیا۔

پھر ایک ٹوکری میں نئے چراغ بھر کر الہ دین کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ محل کو دیکھ کر اس نے اندازہ لگا لیا کہ چراغ کے موکل کا بنایا ہوا ہے اور انسانی طاقت سے باہر کا کام ہے۔ چنانچہ اس نے محل کے چاروں طرف پھر کر آواز لگانی شروع کی۔ نئے چراغوں سے پرانے چراغ بدل لو۔ اس کی یہ عجیب و غریب صدا سن کر آس پاس کے لوگ ہنسنے لگے بچوں نے دیوانہ سمجھ کر اس کو پریشان کرنا شروع کیا۔ لیکن وہ اپنی دھن میں مگن پھرتا رہا۔ بہت سی عورتوں نے اپنے پرانے چراغ دے کر اس سے عمدہ قسم کے نئے چراغ لے لیے۔ اور اس کی حماقت پر خوب ہنسیں۔

تمام دن کی محنت کے باوجود محل سے کوئی چراغ بدلوانے نہ نکلا اور شام کو افریقی جادوگر بے مراد واپس آ گیا۔ لیکن وہ مایوس نہ ہوا۔ اس نے فیصلہ کر لیا ابھی قسمت آزمائی کرنی

چاہیے۔ شاید گوہر مقصود مل جائے دوسرے روز پھر چراغوں کی ٹوکری لے کر آواز لگاتا ہوا۔ الہ دین کے محل کے قریب آیا اس وقت اتفاق سے شہزادی بدر دریچہ سے جھانک رہی تھی۔ اس نے جو یہ عجیب بات سنی تو بہت حیران ہوئی۔ اور ایک کنیز کو بھیج کر دریافت کرایا کہ کیا معاملہ ہے۔ کنیز باہر گئی اور اسی سے پوچھ گچھ کر کے ہنستی ہوئی بدر کے پس آئی کہ کوئی نیم دیوانہ شخص ہے اور پرانے چراغوں کے بدلے نئے چراغ دیتا ہے۔ اگر حضور حکم دیں تو ہم بھی اپنا پرانا چراغ بدلوا لیں۔ حضور کو یاد ہوگا کہ فلاں کمرے میں ایک پرانا چراغ رکھا ہے۔ بدر نے کہا جاؤ اسے بدلوا لاؤ۔

کاش! اگر شہزادی بدر کو معلوم ہوتا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ تو مصیبت پیش نہ آتی جو آ رہی ہے۔ کنیز کمرے سے پرانا چراغ لائی اور باہر آ کر جادوگر افریقی کو دیا کہ ہمیں بھی نیا چراغ دے دو۔ اس نے چراغ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر ساری ٹوکری اس کے سامنے رکھ کر بولا۔ کہ جو پسند ہو چھانٹ کر لے لو۔ کنیز نے حیرت سے اس بیوقوف شخص کو دیکھا۔ جو پرانے چراغوں کے بدلے میں بہترین نئے چراغ دے رہا تھا۔ اور پھر ایک عمدہ سا چراغ پسند کر کے اٹھایا اور چلی گئی۔

افریقی جادوگر اپنا ٹوکرا لے کر خوشی خوشی چلا اور آبادی سے ایک طرف وہ ٹوکرا پھینک دیا اور خود

خوشی و مسرت سے ناچنے لگا۔ جب اس کا جوش کم ہوا تو آرام کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ اس وقت اس نے چراغ کو نکال کر رگڑا۔ جن فوراً حاضر ہوا۔ افریقی جادوگر نے حکم دیا کہ اس محل کو معہ مکینوں کے میرے ملک افریقہ کے فلاں شہر میں پہنچا دو۔ جن غائب ہوگیا اور ذرا سی دیر میں محل معہ جادوگر افریقہ میں اس جگہ رکھ دیا گیا جہاں اس نے کہا تھا۔

جن محل اٹھا کر لے گیا

افریقی جادوگر اپنی کامیابی پر بہت خوش ہوا اور محل میں جا کر شہزادی بدر کو اصل حال بتا دیا کہ کس طرح میں اس محل کو چین سے افریقہ لے آیا ہوں۔ اور زندگی بھر الہ دین ادھر نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ تم بھی اپنے مستقبل کے متعلق غور کر لو۔ اگر میرے ساتھ رہنا ہے۔ تو میں تمہیں اپنی بیگم بنا کر رکھ سکتا ہوں۔ شہزادی بدر ان حالات کو سن کر بہت روئی اور اتنی پریشان ہوئی کہ شاید خودکشی کر لیتی۔ لیکن اس کی چند کنیزوں نے سمجھایا۔ کہ حضور! چراغ بدلنے کی غلطی نادانی سے ہو گئی۔ اب صبر کیجئے۔ اور معاملہ خدا کے سپرد کر دیجئے وہ ضرور آپ کی حالت پر رحم کھائے گا۔ غصہ سے اس وقت بدر نے جادوگر کو کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن دل میں یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ اپنی جان دے دوں گی لیکن دوسرے مرد کا منہ نہ دیکھوں گی۔ جادوگر بھی یہ سمجھ کر خاموش ہو گیا کہ فی الحال نیا نیا صدمہ پہنچا ہے۔ اس لیے زیادہ متاثر ہے چند روز میں خود ہی صبر آ جائے گا۔ اور یہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے گی۔

شاہ چین جب دوسرے دن بیدار ہوا تو اتفاقاً اس کی نظر سامنے کی کھڑکی پر پڑی۔ جہاں سے الہ دین کا محل نظر آیا کرتا تھا۔ لیکن آج وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ بادشاہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور دریچہ میں آ کھڑا ہو گیا۔ لیکن محل نظر نہ آیا۔ صاف چٹیل میدان پڑا تھا۔ اس نے گھبرا کر ملکہ کو بلا کر دکھایا اور کہنے لگا دیکھو تو یہ کیا غضب ہو گیا۔ ملکہ نے بھی آ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ دوسرے لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ بھی وہاں جمع ہو گئے۔ سب لوگ حیران تھے کہ محل کہاں چلا گیا۔ الہ دین اس دن شکار کو گیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کر یہ حال دکھایا تو وہ کہنے لگا۔ کہ میں تو پہلے ہی عرض کر رہا تھا۔ کہ جادو کا کارخانہ ہے اور کسی نہ کسی روز گل ضرور کھلے گا بادشاہ کو سب سے زیادہ پریشانی اپنی بیٹی بدر کے متعلق تھی۔ کہ خدا جانے اس کا کیا حشر ہوا۔ ملکہ نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ تمام شہر میں ایک شور برپا تھا کہ الہ دین کا محل رات ہی رات میں کہیں غائب ہو گیا بادشاہ نے حکم دیا کہ الہ دین شکار کو گیا ہوا ہے۔ اس کو بھی گرفتار کر کے حاضر کرو وزیر تو دل سے پہلے ہی چاہتا تھا۔ کہ کوئی ایسا موقعہ ملے۔ اس نے

کوتوال شہر کو بلا کر حکم دیا۔ کہ الہ دین کو شکار گاہ سے بحکم بادشاہ گرفتار کر کے لاؤ کوتوال سپاہیوں کا دستہ لے کر شکار گاہ آیا۔ اور الہ دین کو حکم شاہی سے مطلع کیا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا۔ خیریت آخر میرا کیا قصور ثابت ہوا کوتوال کہنے لگا۔ سرکار یہ تو مجھے معلوم نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ آج صبح سے آپ کا محل موجود نہیں ہے۔

الہ دین یہ سن کر ہی سکتے میں آ گیا اور سمجھ گیا کہ شہزادی کی غلطی سے چراغ کسی کے ہاتھ لگ گیا۔ لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا اور کوتوال کے ساتھ شہر میں واپس آیا۔ جب وہ بازاروں سے گزرا تو لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ بادشاہ نے الہ دین کو گرفتار کر لیا ہے۔ اب وہ قتل کیا جائے گا۔

عوام اس کے گرویدہ و شیدائی تھے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ اکٹھے ہو کر محل شاہی کی طرف چلنے لگے۔ الہ دین بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے سخت غیض و غضب کے عالم میں دریافت کیا کہ تمہارا محل کہاں ہے اور میری بیٹی بدر کدھر غائب ہو گئی۔ الہ دین نے عرض کیا کہ اس وقت تو میں سپاہیوں شکار گاہ سے گرفتار ہو کر آ رہا ہوں۔ آپ مجھے مہلت دیں تا کہ اصل حال دریافت کر سکوں لیکن بادشاہ کو اتنا رنج و غصہ تھا کہ اس نے الہ دین کی معروضات پر کوئی توجہ نہ دی۔ اور اس کے قتل کا حکم دے دیا اتنی دیر میں سارا شہر محل کے صدر دروازہ پر جمع ہو گیا اور الہ دین کی واپسی کے نعرے بلند کرنے لگا۔ وزیر نے بادشاہ کو صورت حال سے مطلع کیا اور سمجھایا کہ وقت مناسب یہی ہے کہ الہ دین کو چھوڑ دیجئے۔ اور جتنی مہلت یہ مانگتا ہے دے دیجئے۔ ورنہ بغاوت ہو جائے گی۔ اور الہ دین نے اگر ذرا سا بھی اشارہ کر دیا تو عوام مجھے اور آپ کو بھی محفوظ نہیں رہنے دیں گے۔ لوگ اس کو بہت چاہتے ہیں حتیٰ کہ فوج اور پولیس میں بھی اس کا زیادہ اثر و رسوخ ہے۔

بادشاہ یہ سن کر خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے پھر الہ دین کو بلا کر کہا۔ کہ میں تجھے چالیس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصہ میں میری بیٹی کو کہیں سے ڈھونڈ کر لاؤ مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور کس طرح غائب بمعہ محل ہوئی۔

الہ دین بادشاہ سے رخصت ہو کر باہر آیا تو لوگوں نے نعرہ ہائے مسرت سے اس کا استقبال کیا۔ الہ دین نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور درخواست کی کہ آپ سب صاحبان اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ شہزادی اور اپنے محل کے غائب ہو جانے سے جو صدمہ مجھے ہوا

ہے اس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہوں۔ اور اب چند روز کے لیے اس کی تلاش میں جانا چاہا ہوں۔ میری ریاست کے کچھ آدمی حاسد تھے۔ یہ سب انہی کی سازش سے ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ چند ہی دنوں میں اپنی بیگم اور محل کے ساتھ آپ لوگوں میں آجاؤں گا۔

یہ سن کر سب نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور واپس چلے گئے۔ الہ دین وہاں سے سیدھا جنگل میں پہنچا۔ اور تنہائی میں بیٹھ کر اپنی قسمت پر بہت رویا۔

اس کی حالت دیوانوں جیسی ہوگئی۔ اسے بار بار خیال آتا کہ یہ سب کچھ میری غفلت کا نتیجہ ہے۔ نہ میں چراغ گھر میں چھوڑتا اور نہ آج یہ مصیبت اٹھاتا۔ کئی روز تک وہ دیوانہ وار پہاڑوں اور جنگلوں میں پریشان پھرتا رہا۔ اسے شہر میں جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جہاں کل تک وہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا تھا۔ آج وہاں اس کو سر چھپانے کی جگہ نظر نہیں آتی تھی۔ شہزادی کا خیال کسی وقت بھی دل سے محو نہیں ہوتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ معلوم نہیں اس غریب پر کیا گزری میری ذرا سی حماقت نے اس پر مصیبت کے پہاڑ توڑ دیئے ہوں گے۔ کاش! میں اسے چراغ کے حالات سے واقف کر دیتا۔ تو وہ کیوں۔ یہ نوبت آنے دیتی۔

ہجوم غم و ملال سے تنگ آکر الہ دین نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہیے۔ کیونکہ اب بغیر اس سامان ریاست اور شہزادی کے جینا بیکار ہیں چنانچہ اسی خیال کے زیر اثر وہ کسی دریا میں ڈوبنے کے ارادے سے چلا راستے میں ایک پہاڑی ٹیلے سے اتر رہا تھا کہ اس کا پیر پھسلا اور وہ بے اختیار نیچے کی جانب پھسلنے لگا۔ اسی حالت میں قدرتی طور پر، بچاؤ کے لیے ہاتھ پیر چلائے تو اس انگوٹھی کو رگڑ پہنچی۔ جو افریقی جادوگر نے اس کو دی تھی اور مصیبت کی حالت میں شدت مایوسی و صدمات کی وجہ سے وہ اس کو بھول ہی لیا تھا۔ رگڑ لگتے ہی انگوٹھی کا موکل حاضر ہوگیا اور بولا کہ کیا حکم ہے۔ الہ دین نے کہا مجھے سنبھالو۔ جن نے بڑی احتیاط سے اٹھا کر ایک ہموار چٹان پر بٹھا دیا۔ الہ دین کو اس وقت اپنی بیوقوفی پر ہنسی آگئی۔

انگوٹھی والا جن

کہ انگوٹھی میرے پاس موجود ہے اور میں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ پھر وہ جن سے مخاطب ہو کر بولا کہ میرے محل کا کیا ہوا۔ اور چراغ کس کے قبضے میں ہے۔ جن نے بتایا کہ افریقی جادوگر آیا تھا۔ وہ پرانے چراغوں کے بدلے میں نئے چراغ خریدنے کے بہانے کئی روز یہاں مقیم رہا۔ لاعلمی میں آپ کی ایک کنیز نے شہزادی کے حکم سے وہ طلسمی چراغ اس کو دے دیا اور اس طرح جادوگر محل کو افریقہ میں لے گیا ہے اور اسی کے پاس وہ چراغ ہے جس کو وہ ہر وقت اپنی جیب میں رکھتا ہے۔ الہ دین نے کہا اچھا تم مجھے اس کے محل کے قریب لے چلو۔ جن نے اس کو اٹھایا اور چشم زدن میں افریقہ میں لا کر محل کے قریب چھوڑ دیا اور خود غائب ہوگیا۔ الہ دین نے دور سے دیکھ کر اپنے محل کو پہچان لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اس وقت یہاں آنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ اس کے بعد اس نے احتیاط سے محل کے آس پاس پھرنا شروع کیا وہ چاہتا تھا کہ کوئی کنیز کسی ضرورت سے باہر نکلے تو میں شہزادی بدر کو اپنی آمد کی اطلاع دوں۔ ساتھ ہی یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں افریقی جادوگر مجھ کو نہ دیکھ لے۔

تمام دن گزر گیا۔ لیکن اس کو موقع نہ ملا کہ اپنی آمد کی خبر پہنچائے شام کی آمد دیکھ کر الہ دین پریشان ہو رہا تھا کہ اس ناواقف جگہ میں رات کہاں گزاروں گا اتفاق سے ایک کنیز نے الہ دین کو دیکھ کر پہچان لیا اور اندر جا کر شہزادی کو اطلاع دی۔ بدر کہنے لگی تو دیوانی ہے۔ وہ دس پانچ روز میں یہاں کس طرح آسکتے ہیں۔ کنیز نے عرض کیا۔ یہ تو کوئی اہم بات نہیں آپ دریچہ سے خود دیکھ لیجیے۔ چنانچہ شہزادی دریچہ میں آئی اور الہ دین کو دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئی۔ شہزادی نے کنیز کو دیکھا اور سمجھا دیا کہ چور دروازہ سے الہ دین کو اندر لانا۔ یہاں کئی غلام افریقی بھی ہیں۔

اگر انہوں نے دیکھ لیا اور اس مردود افریقی جادوگر سے کہہ دیا تو مصیبت کھڑی

ہو جائے گی۔ کنیز باہر آئی اور اشارے سے الہ دین کو بلایا جب الہ دین قریب آیا تو الہ دین
اور کنیز دونوں چور دروازے سے اندر داخل ہوئے جہاں شہزادی بدر کھڑی انتظار کر رہی تھی۔
الہ دین شہزادی کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ گیا۔ شہزادی بھی اس کے سینے سے لگ کر خوشی کے
آنسو بہاتی رہی۔ جب جذبات کا جوش ختم ہوا۔ تو الہ دین نے پوچھا کہ افریقی جادوگر نے تم
سے کیسا سلوک کیا۔ شہزادی بولی کہ میرے رونے دھونے کی وجہ سے وہ ابھی تک مجھ سے
الگ ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جب کچھ روز گزر جائیں گے اور مجھے صبر آ جائے گا اور میں
اس سے مانوس ہو جاؤں گی۔ لیکن میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر تم نہ آ سکے اور اس بدظن نے
میری عصمت پر بری نیت سے نظر ڈالی تو دریچہ سے کود کر اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گی۔ لیکن
خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے تمہیں بھیج دیا۔

الہ دین نے اس کو بہت تسلی دی اور کہا کہ انشاء اللہ اس مردود کا بھی انتظام کر لوں گا۔
کہ آئندہ کوئی کھٹکا ہی باقی نہ رہے۔ اس کے بعد اس نے ایک غلام کا لباس منگا کر پہن لیا
اور خوشی کے ساتھ محل سے باہر آیا۔ پھر اس نے انگوٹھی کے جن کو بلایا اور کہا کہ مجھے کسی شہر میں
ایسی دوکان پر لے چلو جہاں بہت تیز قسم کا زہر مل سکے۔ جن نے الہ دین کو اٹھایا اور افریقہ
کے شہر کی ایک دوکان کے سامنے لا کھڑا کیا۔ الہ دین دوکان میں گیا۔ اور مطلوبہ زہر حاصل
کر کے اسی جن کے ذریعہ پھر اپنے محل کے قریب آ گیا اور موقع دیکھ کر چور دروازے سے
اندر داخل ہو گیا۔ پھر اس نے ایک تنہا کمرے میں شہزادی کو بٹھا کر سمجھا دیا۔ کہ آج وہ افریقی
جادوگر آئے تو عمدہ لباس پہن کر اس سے ملو اور اشاروں اشاروں میں ظاہر کرو۔ گویا تم اس
پر مائل ہو گئی ہو۔ جب وہ تمہارے پاس بیٹھ کر بات چیت شروع کرے اور کسی بہانے سے
شراب کا اشتیاق ظاہر کرے تو موقع مناسب دیکھ کر یہ زہر اس شراب میں ملا کر اپنے ہاتھ
سے اس کو پلا دو۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح ہم ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن تمہیں
پوری جرأت اور دلیری سے کام کرنا پڑے گا۔ بہت ہوشیاری کے ساتھ اس کو اپنی طرف مائل
کرنا آگے کا کام کچھ مشکل نہیں۔ کیونکہ امید وصال میں وہ خبیث ہر احتیاط بھول جائے گا۔
الہ دین نے ساری تجویز شہزادی کو بتا کر وہ زہر کی شیشی اس کے حوالے کی۔ جو وہ لایا تھا۔
شہزادی نے وعدہ کیا کہ سب کام میں ہوشیاری سے کروں گی۔ تمہارے آ جانے سے میرے
دل کو اتنی قوت حاصل ہوئی ہے کہ اب مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے اس کے بعد الہ دین کو بہت

احتیاط سے چھپا دیا۔ اور خود غسل کر کے بہترین لباس زیب تن کیا۔ مختلف قسم کی خوشبوئیں
لگائیں ضروری زیورات آراستہ کیئے اور بالکل عروس نو بن کر تیار ہو کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر
تک جادوگر آیا اور سیدھا شہزادی کے پاس پہنچا۔

لیکن اس کی سجاوٹ دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ اور دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ چاہے
کچھ بھی ہو آج اس عروس دل بہار کا وصال ضرور ہونا چاہیے۔ شہزادی نے جیسے ہی اس کو
دیکھا تعظیم کے لیے اٹھی اور ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس کے بعد ناز و انداز سے کہنے
لگی۔ کہ میں اپنے عزیزوں کے رنج و غم میں بہت ہی بدحواس ہو رہی تھی۔ اس لیے آپ کی
عنایت کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکی۔ آج میں نے تنہائی میں غور کیا تو سمجھ میں آ گیا کہ اب آپ
کے سوا میرا کون ہے۔ ساری زندگی آپ ہی کے ساتھ گزارنی ہے پھر فضول رنج و ملال سے
کیا حاصل بہرحال میں آپ کی کنیز ہوں۔ اور امید ہے کہ آپ مجھے اپنے قدموں سے جدا
نہیں کریں گے۔ شہزادی کی یہ باتیں سن کر افریقی جادوگر دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا شہزادی
آپ کیسی باتیں کرتی ہیں؟

میں آپ کا بے دام غلام ہوں۔ اگر آپ مجھے عزت سے سرفراز فرما دیں گی۔ تو کبھی
حکم سے سرتابی نہیں کروں گا شہزادی نے لگاوٹ کے ساتھ کہا۔ کہ میں رات کو تنہا کمرے
میں ڈرتی ہوں۔ بیوقوف افریقی جادوگر شہزادی کا مطلب سمجھ کر بے خود ہو گیا اور کہنے لگا کہ
آئندہ آپ کو تکلیف نہیں ہو گی۔ میں آپ کی خدمت میں رہوں گا۔

بدر نے ایک جمائی لیتے ہوئے کہا۔ آج تو یہ جی چاہتا ہے کہ خوب شراب پیوں۔
یہاں تک کہ نشہ میں چور ہو جاؤں۔ اور پیروں میں چلنے کی سکت نہ رہے اور مجھے کوئی گود میں
اٹھا کر خواب گاہ تک پہنچا دے۔

شہزادی کے میٹھے میٹھے نشتر نما بول جادوگر کے رگ و پے میں اتر گئے۔ شدت جذبات
سے ہاتھ پیر قابو میں معلوم نہیں ہوتے تھے۔ جلدی سے اٹھا کہ میں ابھی بہترین شراب لاتا
ہوں۔ شہزادی نے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ تم جا کر شراب لے آؤ میں جام کے
لیے گلاس چنتی ہوں۔ افریقی جادوگر جلدی سے اٹھ کر شراب لینے گیا۔ اور بدر نے ادھر ادھر
دیکھ کر ایک گلاس میں زہر چھڑک دیا اور اطمینان سے بیٹھ گئی۔ تھوڑی سی دیر میں خبیث
جادوگر شراب لے کر آیا اور شہزادی کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے پہلے زہر والا جام بھرا اور

دست مبارک پر رکھ اس کو پیش کیا کہ یہ میرا جام محبت ہے پیجیے۔ ہمارے ملک کا دستور ہے کہ
پہلے عورت جام محبت پلاتی ہے اس کے بعد آپ مجھے اپنا جام محبت دیجیے گا۔

افریقی جادوگر اس کا یہ تکلف دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور جام لے کر بلا فکر جام پی
گیا۔ الہ دین ایسا زہر قاتل لایا تھا کہ ابھی جادوگر بدنصیب نے جام اچھی طرح نیچے نہیں رکھا
تھا۔ کہ پیچھے کو گر گیا صرف دو یا تین ہچکیاں آئیں اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ الہ دین
دوسرے کمرے میں چھپا ساری کارروائی دیکھ دیکھ کر شہزادی کی دانائی پر عش عش کر رہا تھا
جونہی جادوگر نے دم توڑا۔ وہ جلدی سے باہر آیا۔ اور بدر کو سینے سے لگا کر کئی بار چوما اور کہنے
لگا کہ آج تم نے کمال کر دیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس قدر چالاک ہو گی۔ اس نے جادوگر
کی جیبیں ٹٹول کر چراغ نکال لیا۔ اور شہزادی سے کہا کہ تم دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔
میں چلنے کا انتظام کرتا ہوں۔ شہزادی چلی گئی۔ تو الہ دین نے کواڑ بند کر کے چراغ کو رگڑا اسی
وقت جن حاضر ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ یہ محل اسی جگہ لے جا کر رکھ دو جہاں سے اٹھا کر
لائے تھے۔

یعنی جہاں تم نے اول مرتبہ محل تعمیر کرایا تھا۔ یہ حکم سن کر جن غائب ہو گیا۔ ذرا سی دیر
میں محل پیکن شہر میں اسی جگہ قائم ہو گیا۔ جہاں بنا تھا۔

الہ دین کمرے سے نکل کر شہزادی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے ہم اپنے
وطن آ گئے ہیں پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر دریچہ کے پاس لے گیا۔ کواڑ کھول کر دیکھا تو سامنے
حسب سابق شاہ چین کے محلات تھے۔ شہزادی اپنے باپ کے محلات دیکھ کر بہت خوش ہوئی
اور یہ طے پایا کہ کل دن میں سب سے ملاقات کریں گے۔ پھر دونوں سونے کے کمرے
میں چلے گئے وہ شراب نایاب جو بدنصیب افریقی جادوگر اپنے لیے لایا تھا۔ ان دونوں نے
سیر ہو کر پی اور ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ کر آرام سے سو گئے۔

بادشاہ چینی بیٹی کے غائب ہونے کے باعث اکثر مغموم و بے چین رہتا تھا۔ اور
روزانہ بیدار ہوتے ہی جہاں الہ دین کا محل تھا اس طرف حسرت سے دیکھتا تھا۔ حسب
معمول اس روز بھی صبح کو شاہ چین نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا کہ محل اپنی جگہ پر
موجود تھا۔

حالت اضطراب میں بادشاہ الہ دین کے محل کی طرف روانہ ہوا یہ دیکھنے کے لیے کہ

شہزادی بدر آ گئی ہے یا نہیں۔ الہ دین نے جب بادشاہ کو آتے دیکھا تو کھڑا ہو کر آداب
شاہی بجا لایا۔ اور شہزادی کے کمرے میں لے گیا۔ شاہ چین الہ دین اور شہزادی سے مل کر
بہت خوش ہوا۔ اور محل کے غائب ہونے کی وجہ پوچھی۔

بیٹی نے جواب دیا کہ ابا جان اس میں الہ دین کا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب کچھ مصیبت
میری اپنی غلطی کی وجہ سے پیش آئی۔ بادشاہ یہ سن کر الہ دین کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس کو
سینے سے لگا کر گزشتہ زیادتی کی معافی مانگی۔ الہ دین نے کہا کہ آپ میرے بزرگ اور والد
کی جگہ ہیں۔ اگر کسی وجہ سے مجھ پر ناراض ہوئے تو اس کی وجہ ہے۔ اکثر بڑے چھوٹوں کو ان
کی غلطیوں پر تنبیہہ کرتے ہیں بادشاہ بیٹی اور داماد کے آ جانے سے بے حد خوش ہوا اور دونوں
کو دعا درازی عمر دے کر شہزادی کے ساتھ اپنے محل میں آ گیا۔ اور شہر میں جشن و مسرت کے
انعقاد کا اعلان کر دیا۔ الہ دین نے تقریب میں جی کھول کر غربا کو زر و مال لٹایا۔

عوام جو پہلے ہی اس کو محبوب رکھتے تھے اور بھی زیادہ گرویدہ و شیدا ہو گئے۔ اس کے
بعد الہ دین نے خوب عیش و عشرت کی زندگی گزارنی شروع کی۔ اس کا دل بڑا وسیع تھا۔ عام
لوگ اس کی دولت سے مستفید ہوئے۔

جادوگر کا ایک بھائی اور بھی تھا۔ ایک روز اس کو اپنے بھائی سے ملنے اور حال معلوم
کرنے کا شوق ہوا تو اس نے اپنے بھائی کا زائچہ کھینچ کر حالات معلوم کیے تو یہ دیکھ کر کہ اس کو
الہ دین نامی ایک شخص نے زہر سے قتل کر دیا۔ اپنا سر پیٹ لیا۔ اسی وقت وہ اس سے انتقام
لینے کے لیے چین کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور ایک مدت بعد طویل سفر کر کے چین پہنچا۔

یہاں آ کر اس نے ایک سرائے میں قیام کیا اور خفیہ طور پر الہ دین کی نگرانی کرنے
لگا۔ تاکہ موقع ملنے پر وہ اس سے انتقام لے سکے۔ ایک دن وہ قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوا چائے
پی رہا تھا کہ لوگوں سے فاطمہ نامی ایک نیک و خدا رسیدہ عورت کا ذکر سنا۔

جس کے متعلق مشہور تھا کہ صرف ہاتھ لگا کر سر درد دور کر دیتی ہے۔ افریقی جادوگر کے
بھائی نے اسی وقت ایک تجویز مرتب کر لی۔ اور قہوہ خانہ سے اٹھ کر سرائے چلا آیا۔ کچھ رات
گئے اپنے کپڑوں میں خنجر چھپا کر فاطمہ کے مکان پر پہنچا۔ آواز دے کر دروازہ کھلوایا۔ وہ
نیک بی بی بے وقت ایک اجنبی کو دیکھ کر بہت متعجب ہوئی لیکن جادوگر نے یہ کہہ کر مطمئن
کر دیا کہ اماں میرے سر میں درد ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ سر درد اچھا کر دیتی ہیں اس

لیے اپنا علاج کرانے آیا ہوں میں ایک مسافر ہوں۔ اگر کوئی غلطی مجھ سے ہوئی ہو تو آپ
معاف فرمائیں۔ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی جادوگر دروازے میں داخل ہو گیا۔
فاطمہ نے تکلیف سمجھ کر کوئی تعرض نہ کیا بڑی بی نے کہا کہ تم بیٹھو میں کوشش کرتی ہوں شفاء
اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جادوگر نے یہ اطمینان کر کے کہ گھر میں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے۔
غریب فاطمہ کی گردن پکڑ کر اس قدر دبائی کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد خنجر سے اس کو
شہید کر دیا۔ جب رات گہری ہوئی تو اس کی نعش ایک چادر میں لپیٹ کر دریا میں ڈال آیا۔
اور خود بزرگ فاطمہ کا لباس پہن کر اس کی صورت اپنا کر بیٹھ گیا۔

فاطمہ عادتاً گھر سے نہ نکلتی تھی لیکن اگر کبھی باہر آتی تو لوگ اس کو چاروں طرف سے
گھیر لیتے تھے اور دست بوسی کر کے برکت حاصل کرتے اور اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔
دوسرے روز جادوگر فاطمہ کے روپ میں لکڑی لے کر آہستہ آہستہ الہ دین کے محل کی طرف
روانہ ہوا۔ محل کے قریب مردوں، عورتیں نے اس کو گھیر کر کے دست بوسی کرنے لگے۔ اتفاقاً
شہزادی بدر بھی کھڑکی میں سیر کر رہی تھی۔

اس نے جو فاطمہ اور لوگوں کو دیکھا تو خیال آیا کہ اس خدا رسیدہ عورت کو چند روز اپنے
یہاں رکھا جائے تو بڑی خیر و برکت کا باعث ہو گا۔ چنانچہ اس نے اپنی کنیزوں کو بھیجا کہ اماں
فاطمہ سے عرض کرو۔ کہ اگر میرے غریب خانے کو عزت و احترام بخشیں تو عین نوازش ہو گی۔

کنیزوں نے آ کر جعلی فاطمہ سے شہزادی کی خواہش کا ذکر کیا وہ کم بخت تو اسی تاک
میں تھا کہ کسی طرح الہ دین کے محل میں رسائی ہو جائے۔ تو موقعہ پا کر اپنے بھائی کا انتقام
لوں۔ چنانچہ دعا دے کر کہا کہ میں ان کے یہاں ضرور چلوں گا۔ ان کے شوہر اور وہ خود بہت
نیک ہیں لاکھوں آدمی ان کے فیض سے پرورش پاتے ہیں۔ ان کے پاس جانا میری عین
سعادت ہے۔

لوگ الہ دین سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ اس لیے فوراً جعلی فاطمہ کو راستہ دے دیا۔
اور وہ مردود جادوگر نیک فاطمہ کے بھیس میں لکڑی کا سہارا لیتا ہوا الہ دین کے محل میں آیا اور
شہزادی بدر نے استقبال کیا اور اس کے ہاتھ چوم کر عزت سے صدر مقام پر بٹھایا۔ پھر
شہزادی نے عرض کیا کہ مدت سے آپ کے دیدار کی تمنا تھی۔

آج وہ خوش قسمتی سے پوری ہو گئی میں چاہتی ہوں کہ اب آپ چند روز میرے

یہاں قیام فرمائیں۔ جعلی فاطمہ نے پہلے تو دنیا کی بے توجہی پر تقریر کی۔ پھر اپنی عبادت
اور تنہائیوں کا ذکر کر کے کہا کہ بیٹی کسی کونے میں سب سے الگ میرے لیے چارپائی
ڈلوا دو۔ تاکہ میں یاد الٰہی میں مشغول رہوں۔ اور چونکہ تم نے میرا بہت احترام کیا لہٰذا میں
تمہاری دل شکنی نہیں کر سکتی۔

جادوگر کا محل میں آنا

شہزادی نے اس کو تمام محل دکھایا۔ جادوگر نے بہت احتیاط سے الہ دین کی خواب گاہ
کے قریب کمرہ پسند کیا اور کل سامان آرائش ہٹوا کر صرف ایک بوریا بچھوا دیا۔ اور اس میں
رہائش اختیار کر لی تمام دن جعلی فاطمہ شہزادی سے باتیں کرتی رہی۔ اور جب الہ دین کے
آنے کا وقت ہوا تو کمرے میں جا کر دکھاوے کیلئے عبادت میں مشغول ہو گئی۔ اسی طرح دو
تین روز گزر گئے۔ جعلی فاطمہ نے شہزادی سے ایسی گھل مل کر گفتگو کی کہ وہ پروانہ وار نثار
ہونے لگی۔

ایک روز الہ دین شکار کو گیا ہوا تھا۔ اور جعلی فاطمہ شہزادی کے ساتھ سیر کر رہی تھی۔ کہ
بارہ دری میں آ کر فاطمہ نے شہزادی بدر سے کہا۔ کہ آپ کا محل تو بے نظیر ہے لیکن ایک کمی
اس میں ضرور ہے۔ بدر نے پوچھا وہ کیا۔ جعلی فاطمہ نے کہا۔ کہ اگر اس بارہ دری میں سیمرغ
کا انڈا لٹکا دیا جائے تو اس کے حسن و زیبائش میں سو گنا اضافہ ہو جائے۔ بدر نے کہا کہ
سیمرغ کا انڈا کیا ہوتا ہے۔ خبیث بڑھیا نے کہا کہ وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا
ہے۔ آکاش پہاڑ پر ایک جانور رخ ہوتا ہے۔ اس کا انڈا ہے جن لوگوں نے یہ محل تیار کیا ہے
وہ اس کو جانتے ہیں۔ اور وہی لا سکتے ہیں۔ اس کے بعد جعلی فاطمہ نے بات کا رخ پھیر لیا۔
اور دوسری گفتگو شروع ہو گئی۔ شام کو جب الہ دین آیا تو شہزادی بدر نے تنہائی میں اس سے
کہا کہ ہمارے محل میں سب چیزیں موجود ہیں۔ لیکن رخ کا انڈا نہیں ہے۔

کاش وہ مل جائے تو پھر اس کا نظیر پوری دنیا میں نہیں۔ لیکن سنا ہے کہ وہ بہت مشکل
سے دستیاب ہوتا ہے۔ الہ دین نے ہنس کر کہا کہ فکر نہ کرو۔ میں اس کا انتظام کر دوں گا۔

اس کے بعد شہزادی کسی ضرورت سے باہر چلی گئی۔ الہ دین نے دروازہ بند کر کے چراغ کو رگڑا جن حاضر ہو گیا۔ الہ دین نے اس سے کہا کہ آج شہزادی سے کسی نے کہا ہے۔ کہ جب تک اس محل میں سیمرغ کا انڈا نہ ہو یہ محل نامکمل ہے۔

لہٰذا سیمرغ کا انڈا لاؤ۔ یہ سنتے ہی جن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور شکل اتنی ہیبت ناک ہو گئی کہ الہ دین خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے بعد جن نے کہا کہ میں اتنی مدت سے تمہاری خدمت کر رہا ہوں۔ آج تک تعمیل حکم میں ثانیہ بھی دیر نہیں کی اس کا یہ صلہ ہے کہ تم مجھ سے میرے معبود کا انڈا مانگتے ہو۔ میں قسم کھاتا۔ ہوں رخ اعظم کی۔ اگر تمہاری یہ فرمائش ہوتی۔ تو میں تم کو تمہارے متعلقین سمیت ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ تجھے دھوکا دیا گیا ہے۔

تم اپنے جعلی چچا افریقی جادوگر کو تو نہ بھولے ہو گے اس کا ایک بھائی تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ تم نے اس کے بھائی کو مار ڈالا ہے۔ تو وہ انتقام لینے کی قسم کھا کر وہاں سے چلا۔ اور آج کل اصلی نیک فاطمہ کو قتل کر کے اس کے بھیس میں تمہارے محل میں مقیم ہے۔ اور اس فکر میں ہے کہ تمہیں قتل کر دے۔ اس بدبخت نے تمہاری بیوی کو یہ اشتیاق دلایا کہ وہ تم سے ایسی چیز کا مطالبہ کرے اور جب تم اس کے متعلق کہو تو میں غصہ میں تم کو برباد کر دوں۔ لیکن چونکہ تم نے آج تک میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ اس لیے تمہارا حکم سن کر میں نے تامل کیا کہ اصلی تمہیں حالات معلوم ہو گئے۔ ورنہ بالکل ممکن تھا کہ سوال سنتے ہی میں تم کو قتل کر دیتا۔ اب میں جاتا ہوں آئندہ احتیاط رکھنا جن چلا گیا۔ تو الہ دین نے خدا کا شکر ادا کیا۔ جس نے اس وقت اس کو بچایا۔ پھر اس نے شہزادی کو بلایا اور پوچھا کہ اماں فاطمہ تمہارے پاس ہے۔ بدر نے کہا۔ ہاں وہ کئی روز سے میرے پاس ٹھہری ہوئی ہیں۔ ایسی نیک خاتون کا گھر میں رہنا بڑی خیر و برکت کا سبب ہے۔ الہ دین اس وقت تو خاموش ہو گیا۔ رات کو کھانے کے بعد اس نے بدر سے کہا کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ اماں کو بلاؤ وہ ہاتھ رکھ دیں گی۔ شہزادی نے جعلی فاطمہ کو بلایا اور کہا کہ اماں میرے شوہر کے سر میں درد ہے اپنا دست شفا پھیر دیجئے۔

الہ دین کے ہاتھوں جادوگر کا قتل

بدباطن جادوگر نے سوچا کہ بس یہی موقعہ ہے آج خنجر الہ دین کے سینے میں اتار دینا چاہیے چنانچہ زبان سے کچھ پڑھتا ہوا۔ اور ہاتھ میں خنجر کو مضبوطی سے تھام کر الہ دین کے قریب آیا ادھر یہ بھی تیار بیٹھا تھا جب اسے جعلی فاطمہ نظر آئی۔ تو الہ دین نے تلوار کا ایسا جچا ہوا ہاتھ مارا جس سے جادوگر کا سر کٹ گیا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

شہزادی بدر یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کہ بدرالدین نے اس غریب بڑھیا کو قتل کیوں کر دیا۔ چنانچہ اس نے الہ دین سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ اس نیک عورت نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔ الہ دین نے مقتول کا لباس الگ کر کے شہزادی کو دکھایا۔ تو وہ چونک پڑی۔ کیونکہ وہ جس کو فاطمہ سمجھے ہوئے تھی وہ ایک مرد تھا پھر الہ دین نے اس کو بتایا کہ یہ اسی افریقی جادوگر کا بھائی ہے۔ جو دھوکے سے چراغ حاصل کر کے ہمیں تباہ و برباد کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ جب اس کے مرنے کا اس کو علم ہوا تھا۔ تو یہ یہاں آیا۔ اور اصلی نیک فاطمہ کو قتل کر کے اس کے بھیس میں تم تک رسائی حاصل کی تاکہ موقعہ مل جائے تو مجھے قتل کر دے۔ مجھے چراغ کے موکل نے آج ہی اس کا سارا حال بتایا تھا کہ شہزادی نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس بدبخت کی لاش پھینکوا دی۔ جب بادشاہ کو حالات معلوم ہوئے تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور صدقات دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد الہ دین نے اپنی بقیہ زندگی امن و چین سے بسر کی۔ چین کے بادشاہ کی وفات کے بعد الہ دین تخت حکومت پر بیٹھا۔ اور پورے عدل و انصاف سے حکومت کر کے اپنی طبعی موت مرا۔

جس وقت شہرزاد نے یہ کہانی ختم کی۔ تو دینازاد اور بادشاہ دونوں نے بہت تعریف کی۔ شہرزاد نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ کل میں ایک کہانی شروع کروں گی۔

بادشاہ نے اس روز بھی کوئی حکم نہیں دیا۔ اور منتظر رہا کہ دیکھیں شہرزاد نئی کہانی کیسی سناتی ہے۔

عبداللہ نابینا اور ہارون الرشید

دوسری شب کوشہرزاد نے حسب دستور کہانی شروع کی۔ایک روز خلیفہ ہارون الرشید کی طبیعت اداس تھی اور وہ خود بخود گہرے خیالات میں الجھا ہوا تھا۔کہ خواجہ سرا جعفر نے حاضر ہونے کی اطلاع دی۔خلیفہ نے سر کے اشارے سے اجازت دے دی۔جعفر اندر آیا۔اور معمول کے مطابق سلام کیا۔لیکن ہارون الرشید نے صرف گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے خیالات میں غرق ہو گیا۔جعفر نے عرض کیا۔آج نصیب دشمنان طبیعت کیسی ہے؟

خلیفہ نے ایک آہ سرد بھر کر کہا۔جعفر! بعض اوقات میرے خیالات کی رو، ایسے دور دراز قصوں تک چلی جاتی ہے کہ پریشان ہو جاتا ہوں۔یہ تخت خلافت اور امارت سب کچھ ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے اور دل برداشتہ ہو کر کہنے لگتا ہوں۔کہ کہیں ایسی جگہ نکل جاؤں۔جہاں روح کو سکون حاصل ہو جائے مجھے خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ سکون کس چیز سے ملے گا۔

جعفر نے کہا یہ ہماری فطرت کا تقاضا ہے کہ ہمیں بعض اوقات نامعلوم کی تلاش ہوا کرتی ہے لیکن آج فلسفہ گفتگو کے بجائے یہ یاد دہانی حضور کو کرانے آیا ہوں۔کہ آپ نے آج لباس تبدیل کرا کر یعنی نیا لباس زیب جسم کر کے مضافات شہر کی حالت دیکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔میرے خیال میں اگر آپ تشریف لے چلیں تو طبیعت بہل جائے گی۔

خلیفہ نے کہا چلو۔ٹھیک ہے۔اسی وقت مسرور خواجہ سرا کو طلب کر کے خلیفہ نے لباس تبدیل کیا اور تینوں چور راستہ سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے پھرتے پھراتے انہیں راستہ میں ایک گداگر ملا جو نابینا تھا اس نے خدا کے نام پر سوال کیا۔خلیفہ نے ایک دینار دے دیا۔گداگر نے دامن پکڑ کر کہا۔کہ اب میرے منہ پر ایک چپت بھی مارتے جاؤ۔

خلیفہ نے تعجب سے پوچھا کیوں؟ اندھا فقیر کہنے لگا۔بابا کوئی وجہ ہو گی۔اگر تمہیں خیرات دینی ہے تو چپت بھی مارو ورنہ یہ اپنا دینار واپس لے لو۔بادشاہ نے ایک ہلکا سا چپت مار دیا اور مسرور سے کہا۔صبح کو اسے دربار میں حاضر کرنا۔مسرور نے اس کا پتہ دریافت کر لیا۔اس کے بعد آگے روانہ ہو گئے۔تھوڑی دور چل کر دیکھا کہ ایک نوجوان گھوڑی پر

سوار ہے۔اور اسے بے تحاشا میدان میں دوڑا رہا ہے۔اور بے ضرورت مارتا بھی جاتا ہے۔اور یہ کہتا بھی جا رہا ہے۔کہ بدنصیب اپنی بداعمالیوں کی سزا دیکھ لے۔خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ اس کو بھی کل دربار میں حاضر کرو۔اس سے زیادتیوں کی وجہ دریافت کی جائے گی۔جعفر نے اس نوجوان کو اشارے سے ٹھہرایا۔اور بتایا کہ کل تمہیں خلیفہ نے دربار میں طلب کیا ہے۔اگر تعمیل حکم سے گریز کیا۔تو نتیجہ کے ذمہ دار تم ہو گے۔

پھر وہاں سے دوسری طرف روانہ ہوئے۔اور گھومتے ہوئے ایک عالی شان مکان کے سامنے کھڑے ہو کر خلیفہ نے کہا کہ دریافت کرو کہ یہ کس کا مکان ہے۔اور مالک کے متعلق اہل محلہ کی کیا رائے ہے۔

مسرور نے چند لوگوں سے حالات معلوم کر کے عرض کیا۔کہ یہ مکان حسن صبا کا ہے۔چند روز پہلے تک وہ غریب آدمی تھا۔اور رسیاں بٹ کر اپنی گزر اوقات کرتا تھا۔اس کے بعد دفعتاً مالدار ہو گیا اور محل تعمیر کرا لیا۔اب تک اس کے یہاں رسی بنانے کا کام ہوتا ہے۔اہل محلہ کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتا ہے ان کے دکھ درد کا شریک ہے۔غریب بیواؤں کی امداد کرتا ہے۔خلیفہ نے حکم دیا کہ صبح کو اسے بھی دربار میں حاضر کیا جائے۔

اب رات کافی ہو چکی تھی۔اس لیے سب محل سرائے کو واپس ہوئے۔خلیفہ نے بھی آرام فرمایا صبح کو حسب معمول ہارون الرشید کی طبیعت بشاش تھی۔اور ملکی و مالی امور سے فراغت کے بعد جب صرف خاص آدمی رہ گئے۔تو اس نے رات والے آدمیوں کو طلب کیا۔جعفر نے تینوں کو بلا کر بٹھا رکھا تھا۔چنانچہ خلیفہ کے سامنے پیش کر دیئے۔

سب سے پہلے خلیفہ نے اندھے فقیر سے پوچھا کہ تم خیرات کے بعد چپت مارنے پر کیوں اصرار کرتے رہے؟ حالات صحیح بیان کرنا۔ورنہ تمہیں قتل کرا دوں گا۔اندھا آگے بڑھا اور دعا اور درازی عمر کی دعا دے کر کہنے لگا۔

اندھے بھکاری کی آپ بیتی

یا امیر المومنین۔ میرا نام عبداللہ ہے۔ اور میں یہیں بغداد کا رہنے والا ہوں۔ باپ کے مرنے کے بعد بری صحبت میں پڑ کر میں نے اپنا کل اثاثہ برباد کردیا۔ جب تنگی زیادہ ہوئی تو میں نے اپنی بیوی کے مشورے سے دو اونٹ خرید کر بار برداری کا کام شروع کر دیا۔ خدا نے بھی کرم فرمایا اور مجھے اس میں معقول منافع ہونے لگا یہاں تک کہ میرے پاس نوے اونٹ ہو گئے اور میں کافی آسودگی سے زندگی بسر کرنے لگا۔

ایک روز میں کسی سوداگر کا مال بغداد سے بصرہ پہنچا کر واپس بغداد آ رہا تھا۔ گرمی کی شدت سے پریشان ہو کر ایک درخت کے نیچے دم لینے کو بیٹھ گیا۔ اور اونٹوں کو بھی رسی سے باندھ کر کھانے، پینے کے لیے چھوڑ دیا مجھے بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ کہ ایک درویش مرد ادھر سے گزرا اور مجھے بیٹھا ہوا دیکھ کر خود بھی میرے پاس چلا آیا۔

سلام دعا کے بعد ہم باتیں کرنے لگے۔ پھر کھانا کھایا۔ اسی اثناء میں درویش کہنے لگا۔ کہ یہاں سے قریب ہی اتنا بڑا خزانہ ہے۔ اگر تم اپنے تمام اونٹوں پر لا دلو۔ پھر بھی اس میں کوئی کمی نظر نہ آئے میں نے کہا کہ اگر آپ مجھے خزانے تک لے چلیں۔ تو میں بھی زروجواہر بھرلوں۔ اور آپ کو ایک اونٹ دے دوں گا درویش نے کہا کہ اگر تم آدھے اونٹ مجھے دے دو تو بے شک وہ خزانہ میں بتا سکتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس وقت اسی اونٹ میرے ساتھ ہیں۔ چالیس اونٹوں پر لدا ہوا سیم وزر تیری سات پشت کو کافی ہوگا۔ یہ سوچ کر میں نے آدھے اونٹ اسے دینے منظور کر لیے۔ درویش نے کہا اپنے اونٹ جمع کرلو۔ اور میرے ساتھ چلو میں نے اپنے اونٹوں کی مہار پکڑی اور درویش کے پاس آ گیا۔

آگے آگے درویش اور اس کے پیچھے اونٹوں کو لیے ہوئے میں چلنے لگا۔ ہم ایک درے کے قریب آئے یہ بہت تنگ راستہ تھا اونٹ ایک ایک قطار گزر سکتے تھے۔ اس میں ہمیں کافی وقت لگا۔ درے سے باہر نکل کر ہمیں ایک میدان ملا۔ جو چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر درویش نے کہا کہ اپنے اونٹوں کو بٹھا دو۔ میں نے اونٹوں کو بٹھا دیا اتنے میں درویش نے چند لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی۔

درویش اور عبداللہ

اب درویش نے کچھ پڑھنا شروع کیا۔ دفعتاً کچھ زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہوئی اور زمین پھٹ کر ایک خوبصورت دروازہ نمودار ہو گیا۔ اس کے بعد میں اور درویش اندر آ گئے۔ تو اس میں لاتعداد زروجواہر سونے کے انبار جمع تھے۔ میں نے مال اونٹوں پر لادنا شروع کر دیا اور جتنا زیادہ سے زیادہ بوجھ اونٹ اٹھا سکتا تھا۔ میں نے سب اونٹوں پر لاد لیا۔ فقیر نے وہیں ایک ڈبیہ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لی۔ پھر ہم باہر نکل آئے درویش نے کچھ پڑھا اور دروازہ اسی طرح غائب ہو کر زمین ہموار ہو گئی۔

ہم اونٹوں کو لے کر چلے اور درے سے باہر نکل کر شاہراہ پر آ گئے۔ میں نے چالیس اونٹ درویش کے حوالے کر دیئے۔ اور چالیس اونٹ خود لے کر چل دیا۔ چند قدم چل کر میرے دل میں لالچ آیا کہ چالیس اونٹ خزانہ سے بھرے ہوئے یہ درویش کیا کرے گا۔ چنانچہ واپس لوٹ کر میں نے اس سے کہا کہ آپ اتنے اونٹ کہاں لیے پھریں گے۔ ان میں کچھ مجھے اور دے دیجئے۔ درویش نے دس اونٹ میرے حوالے کر دیئے۔ اور باقی تیس اونٹ لے کر چلنے لگا۔ میری طبیعت میں پھر لالچ پیدا ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ درویش ہیں آپ کو سیم وزر کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کچھ اور اونٹ چھوڑ دیجئے۔ اس نے دس اونٹ پھر مجھے دے دیئے۔ الغرض میرا لالچ بڑھتا گیا۔ اور درویش سے میں برابر اونٹ مانگتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے سب اونٹ میرے حوالے کر دیئے اور کوئی حیل و حجت نہیں کی۔ اب جو اس کے پاس صرف ایک چاندی کی ڈبیہ رہ گئی۔ ضرور اس میں کوئی ایسا قیمتی الماس یا مروارید ہوگا جو اس سارے خزانے سے بھی قیمتی ہوگا۔ اس لیے وہ بھی لے لینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے درویش سے ڈبیہ بھی مانگ لی۔ وہ کہنے لگا کہ بابا تم نے سارا زرو جواہر لے لیا۔ میں نے انکار نہیں کیا۔ اب صرف ایک ڈبیہ میرے پاس رہ گئی ہے۔ لیکن حرص کے بس میں ہو کر وہ بھی مجھ سے مانگتے ہو۔ یہ اچھا نہیں لیکن حضور! مجھ پر تو لالچ کا بھوت سوار تھا۔ میں نے کہا ڈبیہ میں ضرور لوں گا اگر آپ نہیں دیں گے تو مجھے سختی کرنی پڑے گی۔ درویش نے ڈبیہ نکال کر میرے حوالے کی اور کہنے لگا۔ اس میں ایک سرمہ ہے۔ اگر

داہنی آنکھ میں لگاؤ گے تو تمام روئے زمین کے خزانے نظر آنے لگیں گے۔ اور اگر دوسری آنکھ میں لگایا۔ تو اندھے ہو جاؤ گے۔ میں نے کہا اچھا! تم پہلے میری دائیں آنکھ میں سرمہ لگا کر دکھاؤ۔ درویش نے ڈبیہ کھولی اور ایک سلائی سرمے کی داہنی آنکھ میں لگا دی۔ اس وقت مجھے کل خزانے نظر آنے لگے۔ میری خوشی کا یہ عالم تھا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ بائیں آنکھ میں سرمہ لگانے سے اور بھی عجائبات نظر آتے ہوں گے اور یہ درویش مجھ سے جھوٹ بولتا ہے میں نے اس سے کہا کہ تم میری بائیں آنکھ میں سرمہ لگا دو۔ درویش نے کہا کہ تم دیوانے ہوئے ہو۔ جو جان بوجھ کر اندھا ہونا چاہتے ہو۔ لیکن میں لالچ کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اس سے کہنے لگا تمہیں اس سے کیا۔ میں جو کہتا ہوں کر دو۔ درویش نے بہت منع کیا۔ لیکن میں نہ مانا۔ آخر اس نے سلائی بھری اور کہنے لگا۔ کہ دیکھو مجھ پر کوئی الزام نہیں لگانا۔ میں نے کہا بالکل نہیں۔ چنانچہ درویش نے وہ سلائی میری آنکھ میں لگا دی اور میں اسی وقت فوراً اندھا ہو گیا۔ جس وقت میری بینائی جاتی رہی میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

اور درویش کے آگے ہاتھ جوڑے کہ تم یہ سرمہ اور سارا مال و زر لے لو۔ لیکن میری آنکھیں اچھی کر دو تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہا اس کے بعد وہ یوں کہنے لگا۔ کہ بابا تمہاری بینائی واپس لانا۔ میرے اختیار میں نہیں ہے میں نے تمہیں بہت منع کیا۔ لیکن تم نہیں مانے۔ اب جاؤ اور زندگی بھر دھکے کھاتے پھرو۔ اب تمہارا صرف یہ کام ہے کہ بھیک مانگ کر پیٹ بھرو۔ اس کے بعد اس نے ڈبیہ میرے ہاتھ سے لی۔ اور اونٹوں کی مہار تھام کر چل دیا۔ میں پہاڑوں میں دھکے کھاتا رہا خدا جانے کس طرح کسی راہ گزر پر آ گیا وہاں سے کوئی قلندر گزر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ بغداد لے آیا۔ اس روز سے میں بھیک مانگتا پھرتا ہوں اگر کوئی مجھے خدا کے نام پر کچھ دیتا ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ میرے ایک تھپڑ مار دے۔ اور اسی طرح میں اپنے آپ کو لالچ کی سزا دیتا ہوں۔ جس کے نتیجہ میں اس حال کو پہنچا۔

خلیفہ نے اس کا قصہ سن کر کہا بے شک تیری داستان عجیب ہے خیر! آئندہ تم بھیک نہ مانگنا بیت المال سے تم کو اتنا مل جایا کرے گا کہ تمہاری گزر ہو جائے۔ بابا عبداللہ خلیفہ کا شکریہ ادا کر کے ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

اس کے بعد خلیفہ نے گھوڑے والے کو بلایا کہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ تم ہمیشہ

گھوڑی سے ظالمانہ سلوک کرتے ہو۔ اور اس قسم کے فقرے استعمال کرتے ہو۔ اس کی وجوہ بیان کرو۔ نوجوان سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ خلیفہ نے دوبارہ سوال کیا اور فرمایا کہ اگر اب بھی تم نے جواب نہیں دیا۔ تو اپنی گستاخی کی سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا۔ سوار نے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا اور ہاتھ باندھ کر بولا کہ حضور! میری رسوائی کی داستان کیا سر عام سننا چاہتے ہیں تو خیر! جیسا حکم ہو گا میں بسر و چشم تعمیل کروں گا۔

لقمان سوار کا قصہ

نوجوان نے یوں کہنا شروع کیا۔ کہ میرا نام لقمان ہے اور میں ایک کھاتے پیتے گھرانے کا لڑکا ہوں میرے والد کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ اپنی حیثیت اور ہمت کے مطابق انہوں نے میری تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کر دیا تھا۔ جب میں تعلیم سے فارغ ہوا تو والد میری شادی کر رہے تھے۔ وبائی بیماری میں میری والدہ اور والد انتقال فرما گئے اور میں گھر میں تنہا رہ گیا۔ کچھ روز تک مجھے بڑی وحشت رہی لیکن آخر کار صبر آ گیا اور میں اپنے کاروبار کی طرف متوجہ ہوا۔

سال ڈیڑھ سال کے بعد مجھے اپنی تنہائی اور خالی پن کا احساس ہوا۔ اس میں اتنی شدت ہوئی کہ مجبوراً میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ ملنے جلنے والوں کے ذریعہ رشتہ کی کوشش کرتا رہا۔ اور خود بھی تلاش میں لگا رہا۔ انہی ایام میں شہر بغداد میں ایک کنبہ کہیں باہر سے آ کر آباد ہو گیا۔ ان میں ایک نہایت حسین لڑکی تھی۔ جو مجھے پسند آئی۔ میں نے پیغام بھیج دیا۔ دو چار پھیروں کے بعد نکاح ہو گیا۔ میں خوش کہ امید سے بڑھ کر خوبرو اور حسین عورت مجھے مل گئی۔ شروع شروع میں تو میں نے کچھ محسوس نہ کیا لیکن چند روز میں مجھے معلوم ہوا کہ میری بیوی کھانا نہیں کھاتی۔ صرف کھانے کا نام کرتی ہے۔ میں غور کر کے دیکھتا رہا کہ دن بھر کی غذا اتنی ہوئی۔ جتنی چار سال کا بچہ ایک وقت میں کھا لیتا ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اور میں نے دل میں فیصلہ کر لیا اس کی وجہ دریافت کرنی چاہیے میں کئی روز سے اسی خیال اور فکر میں تھا کہ ایک دن سوتے ہوئے میں نے محسوس کیا۔ کہ میری بیوی اٹھ کر باہر جا رہی

ہے۔ میں نے اس کے نکلنے کا انتظار کیا جونہی وہ کپڑے پہن کر گھر سے نکلی۔ میں بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ یہاں تک ہم دونوں آگے پیچھے قبرستان تک آپہنچے میں حیران تھا کہ رات کو تنہا یہ یہاں کیا کرنے آئی ہے۔ بہر حال تمام حالات دیکھنے کے لیے میں ایک بڑے درخت کی آڑ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ اور میری بیوی آمین آگے چلتی رہی۔ تھوڑے فاصلے پر ہلکی سی روشنی ہو رہی تھی۔ اور وہاں ایک دیو صفت آدمی بیٹھا تھا۔ جس کو میں اپنے اندازے کے مطابق بدروح سمجھا۔ آمین اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اور دونوں آپس میں کچھ گفتگو کرنے لگے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں ان کی گفتگو نہیں سن سکا۔ لیکن نظر سب کچھ آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں آمین اس دیو ہیکل کی گود میں جا بیٹھی۔ اس وقت میری جو حالت ہوئی۔ آپ اندازہ فرما سکتے ہیں۔ قریب تھا کہ میں اپنی طاقت ضبط کھو بیٹھوں لیکن میں نے بڑی مشکل سے ضبط کیا اور سارے واقعات دیکھنے کے لیے تیار ہو گیا۔ حبشی روح کچھ دیر تک امین کو چھاتی سے لگا کر پیار کرتا۔ اس وقت اس کا نازک اور لطیف جسم اس کے گندے پہلو میں ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ گویا سفید دھلا ہوا کپڑا کیچڑ میں ڈال دیا گیا۔ بہر حال اختلاط کی مکروہ کیفیت کچھ دیر جاری اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ اس کو ناز و انداز دکھا رہی ہے تھوڑی دیر تک یہ تماشا بھی ہوتا رہا۔ اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ شاید میری بیوی انسانی نسل کے بجائے بدروح کی کوئی نسل ہے کچھ دیر کے بعد حبشی اٹھا اور امین لیٹی رہی۔ اس عرصہ میں اس مردنے ایک تازہ قبر کھود کر مردہ نکال لیا۔ اور امین کے قریب لا کر رکھ دیا وہ ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ اور دونوں نے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیا۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر عام حالات میں، میں شاید بے ہوش ہو جاتا۔ لیکن اس سے ذرا دیر پہلے والے واقعات نے میرے اندر اتنا جوش وغضب پیدا کر دیا تھا کہ میں اس منظر کو بخوبی برداشت کر سکا۔ جب یہ دونوں مردے کے جسم کا سب گوشت کھا چکے تو اس کی ہڈیوں کو واپس قبر میں رکھ دیا اور میں نے اندازے سے سمجھ لیا کہ اب یہ دونوں یہاں سے چلنے والے تھے اس لیے میں وہاں سے ہٹ کر تیزی سے گھر چلا آیا اور اپنے پلنگ پر لیٹ کر ایسا بن گیا گویا اٹھا ہی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد میری بیوی پلنگ پر واپس آ گئی اور غالباً اظہار محبت کے لیے میرے پاس ہی لیٹ گئی۔ اس وقت مجھے اتنی کراہت کا احساس ہوا جی چاہتا تھا کہ اس کو دھکہ دے دوں۔ لیکن میں نے معاملہ کو صبح پر ملتوی کر دیا۔ کہ اچھی طرح غور کر کے فیصلہ کروں گا۔

قبرستان میں امین کا مردے کا گوشت کھانا

صبح کو اٹھ کر غسل کیا اور اپنی دوکان پر چلا آیا اور برابر اس مسئلہ کے متعلق سوچتا رہا۔ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اگر خاموش ہوتا ہوں۔ تو اپنی بے عزتی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اگر قتل کرتا ہوں تو گرفتاری اور قصاص کا خوف ہوتا ہے۔ اسی الجھن میں دوپہر ہو گئی اور میں گھر واپس چلا آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے دسترخوان بچھوایا اور کھانے چن دیئے۔ جب میں کھانے کے بیٹھا تو معمول کے مطابق بطور نمائش وہ بھی شریک ہو گئی۔ لیکن کھانے کا یہ انداز کہ ایک ایک دانہ منہ میں ڈالتی تھی۔ اصل حالات آنکھوں سے دیکھ چکنے کے بعد آج مجھے ان حرکات پر غصہ آیا اور میں نے اس سے کہہ ہی دیا۔ کہ جان من! اگر تمہیں یہ چیزیں ناپسند ہیں تو اپنی مرضی کا کھانا پکایا کرو۔

آخر مردے کے گوشت سے اچھی چیز تو ہوتی ہوگی۔ یہ سنتے ہی وہ سمجھ گئی کہ میں راز سے واقف ہو گیا ہوں اس نے دسترخوان پر رکھا ہوا پانی کا برتن اٹھایا اور یہ کہہ کر پانی مجھ پر پھینک دیا کہ کم بخت کتا بن جا۔ اسی وقت میری ہیئت تبدیل ہوگئی اور میں کتے کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ پھر اس نے ایک لکڑی اٹھائی اور مجھے اتنا مارا کہ جا بجا خون بہنے لگا۔ بمشکل تمام میں گھر سے نکل کر بھاگا۔ تو محلے کے کتوں نے اجنبی سمجھ کر میرا پیچھا کیا۔ وہاں بھی نہ ٹھہر سکا۔ مجبوراً ایک قصاب کی دوکان میں گھس کر اس کی چوکی کے نیچے بیٹھ گیا۔ قصاب نے رحم کھا کر کتوں کو بھگایا۔ میں دیر تک وہیں پڑا۔ اپنی حالت کے متعلق غور کرتا رہا۔ اور ہر طرف مایوسی کا تاریک سایہ چھایا ہوا تھا۔ بہت دیر کے بعد میں وہاں سے نکلا۔ تو قصاب نے ایک گوشت کا ٹکڑا میرے آگے ڈال دیا میں دم ہلاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

تو معلوم نہیں اس نے کیا سمجھا اور مجھے ایک لکڑی بڑے زور سے ماری۔ میں وہاں سے بھاگا اور ایک نانبائی کی دکان میں پناہ لی۔ شام تک جب میں وہیں پڑا رہا تو اس نے روٹی کا ٹکڑا میرے آگے ڈال دیا جسے میں نے کھا لیا اور پھر وہیں بیٹھ گیا۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے اور نانبائی یا دوسرے لوگ بچا کھچا میرے آگے ڈال دیتے اور میں اس کو کھا کر

پانی پی لیتا۔ ایک روز عورت ایک روٹی لینے آئی اور جو درہم اس نے نانبائی کو دیئے ان میں ایک کھوٹا تھا جب عورت جانے لگی تو میں نے اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے ہر چند شور مچایا۔ لیکن میں نے نہیں چھوڑا۔ نانبائی خود اٹھا اور مجھے الگ کیا۔ میں نے آگے بڑھ کر کھوٹے درہم پر پیر رکھ دیا۔ اور اشارے سے نانبائی کو دکھایا۔ اب نانبائی نے غور کیا تو اسے معلوم ہوا کہ واقعی درہم کھوٹا ہے۔ اس نے وہ درہم تو عورت کو واپس کر دیا کہ اس کو بدلو لیکن وہ میری سمجھ کو دیکھ کر حیران رہ گیا اس نے بہت سے آدمیوں سے اس کا ذکر کیا اور ان کو یقین نہ آیا۔ چنانچہ بطور امتحان میرے سامنے کھرے اور کھوٹے درہم ملا کر ڈالے گئے۔ اب تو میری ہر جگہ شہرت ہوگئی کہ فلاں نانبائی کے پاس ایک کتا ہے جو کھوٹے کھرے درہم پہچان لیتا ہے۔ لوگ خواہ مخواہ مجھے دیکھنے آتے اور امتحان لیتے اس طرح نانبائی کی بکری بڑھ گئی۔ اور نانبائی میری بڑی خاطر کرنے لگا۔

ایک روز ایک عمر رسیدہ عورت روٹی لینے آئی اور اس نے چند خراب درہم ملا کر نانبائی کو دیئے اس نے پرکھنے کو میرے آگے ڈال دیئے میں نے کھوٹے سکے الگ کر دیئے عورت نے نانبائی کو تو اچھے درہم دے دیئے۔ لیکن جب چلنے لگی تو مجھے اشارے سے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ میں اس خیال سے اس کے پیچھے ہو لیا کہ شاید اسی کی بدولت میں اس مصیبت سے چھوٹ جاؤں نانبائی نے اس لیے روکنے کی کوشش نہ کی کہ وہ جانتا تھا کہ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ ادھر ادھر گھوم کر پھر میں اسی کی دکان پر لوٹ آؤں گا۔ جیسا کہ میں اکثر کرتا رہتا تھا۔ میں اس عورت کے ساتھ ایک مکان میں گیا وہاں ایک جوان اور بے حد خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی۔ بڑھیا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ بیٹی یہی وہ کتا ہے جو کھوٹے اور کھرے درہم شناخت کر دیتا ہے۔ اس نے پہلے غور سے میری طرف دیکھا پھر کہنے لگی کہ ابھی اصل راز ظاہر ہوا جاتا ہے۔ تم مجھے ذرا سا پانی دو۔ بڑھیا نے ایک گلاس میں پانی لا کر اس کے سامنے رکھا پھر اس جوان عورت نے اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اور یہ کہہ کر مجھ پر پھینک دیا۔ کہ تم کسی اور ہیت سے اس ہیت میں آئے ہو تو اپنی اصلی صورت میں لوٹ آؤ۔ پانی پڑتے ہی میں اپنی اصلی شکل میں آ گیا۔ اور دوڑ کر اس کے قدموں میں گر پڑا اس نے مجھے اٹھنے کو کہا۔ اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ واقعہ کس طرح پیش آیا۔ میں نے اپنی محسنہ کو ساری داستان اول سے آخر تک سنائی وہ دیر تک افسوس کرتی رہی۔ پھر بولی کہ تمہاری اس بدکردار بیوی کو

کچھ سزا ضرور ملنی چاہیے چنانچہ اس نے کچھ پانی پر پڑھ کر مجھے دیا۔ اور کہا اسے لے جاؤ اور اپنی بیوی پر ڈال کر جس جانور کا نام لوگے اس کی شکل بن جائے۔ میں نے اس کا بہت شکریہ ادا کیا اور پانی لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ خوش قسمتی سے جب میں گھر پہنچا تو میری بیوی امین کسی کام میں مصروف تھی۔

اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اور میں نے بر آہستگی پیچھے سے اس پر پانی پھینکا اور حکم دیا کہ گھوڑی بن جا۔ وہ فوراً گھوڑی کی شکل میں منتقل ہوگئی اس کے بعد ہنٹر لے کر میں نے اتنا مارا کہ میرے ہاتھ درد کرنے لگے پھر اس کو اصطبل میں باندھ لیا۔ کل حضور نے مجھے جس گھوڑی پر سوار اس کو پیٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ وہی ظالم گھوڑی ہے۔ اب میں اس کو روزانہ سزا دیتا ہوں کہ اسے احساس ہو۔ کہ جو بداعمالیاں وہ کرتی رہی ہے۔ وہ خود اس پر گزرے تو معلوم ہو۔ کہ یہ تکلیف کیا ہوتی ہے امید ہے کہ آپ میری مصیبت کے پیش نظر میرے خیال فعل کو درست فرمائیں گے لقمان اپنا قصہ سنا کر ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا خلیفہ نے کہا بے شک خیال تمہاری مصیبت دردناک ہے لیکن کیا اب تم اس کو اصلی صورت پر لا نہیں سکتے ممکن ہے اس کی اصلاح ہوگئی ہو۔ نوجوان نے عرض کی کہ حضور کا حکم سر آنکھوں پر لیکن اس بدبخت نے پھر میرے ساتھ برائی کی تو کیا کروں گا۔

خلیفہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور حسن خیال کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ پہلے تم نہایت مفلس تھے اور اس کے بعد دفعتاً تمہاری حالت بہت اچھی ہوگئی اس کے کیا اسباب تھے۔ بوڑھا ادب سے سلام کر کے آگے بڑھا اور اس طرح اپنا حال عرض کرنے لگا۔

خواجہ حسن خبال کا قصہ

حضور والا میرا نام حسن ہے۔ اور میں اسی شہر (بغداد) کا رہنے والا ہوں۔ میں بہت ہی غریب رسی فروش تھا بمشکل اتنے پیسے ملتے تھے کہ اپنا اور بچوں کا پیٹ پال سکوں۔ خدا کا شکر ہے کہ زندگی کا سارا دور میں نے دیانتداری سے گزارا بے ایمانی یا جھوٹ سے کچھ حاصل کرنا میرے نزدیک اتنا بڑا جرم تھا کہ قتل کو بھی اہمیت نہیں دیتا تھا میری زندگی کے انقلاب میں دو شخصوں نے بہت بڑا حصہ لیا ہے اور وہ دونوں خدا کے فضل سے اب بھی زندہ ہیں۔ اور میری داستان کے سچے شاہد ہیں۔ ان میں سے ایک نام سعد ہے۔ اور دوسرے کا نام سعدی۔

سعد اور سعدی بغداد ہی کے رہنے والے دوست ہیں۔ جن سے میرا دوستی کا رشتہ بچپن ہی سے میرے ساتھ قائم ہے۔ ایک روز ان میں بحث شروع ہوگئی۔ کہ انسان کی زندگی میں رنج وراحت افلاس دریاضت، تکلیف، صحت اس کی جدوجہد رکھاؤ سے پیش آئے ہیں یا تقدیری امور ہیں اور بغیر انسانی خواہش و کوشش کے خود بخود پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ سعدی جو رئیس اور صاحب ثروت ہے اس پر بضد تھا۔ کہ ان امور میں ہمارے فعل واختیار کو بھی دخل ہے۔ اور سعد جو متوسط الحال ہے۔ یہ کہتا تھا کہ سب چیزیں تقدیر سے ہوتی ہیں انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ بحث جب زیادہ طویل ہوگئی اور دونوں نے فیصلہ کیا کہ اس کا امتحان کرنا چاہیے۔ اور ایک نہایت غریب آدمی کو منتخب کر کے اس کی امداد کی جائے اور اس کو ہر قسم کی سہولت فراہم کی جائے۔ کہ وہ اپنی کوشش اور ہمارے روپیہ سے اپنی حالت سنوارے اس کے بعد انجام دیکھ کر اس مسئلہ پر آخر رائے قائم کی جائے۔ دونوں دوست ایسے آدمی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

دونوں دوستوں کا حسن خبال کے پاس آنا

یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کیوں۔ بہرحال ان کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور دوڑ کر میرے پاس آئے اور میرے حالات زندگی دریافت کئے۔ میں نے بخوشی پیشانی اپنی مختصر روداد زندگی ان کو سنادی۔ میری حالت معلوم کر کے انہوں نے یہی طے کیا کہ میری امداد کر کے اپنا امتحان شروع کیا جائے۔ سعدی تدبیر کی اہمیت کا قائل تھا۔ مجھ سے کہا کہ اگر میں تمہیں دو سو اشرفیاں کاروبار کرنے کے لیے دے دوں تو کیا تم ترقی کر کے آسودہ حال ہو سکتے ہو۔ میں نے کہا کہ دو سو اشرفیاں دفعتاً تو مجھے رئیس نہیں بنا سکتیں لیکن امید کرتا ہوں کہ رفتہ رفتہ حالت سنبھل سکتی ہے۔ سعدی نے دو سو اشرفیوں کی تھیلی مجھے دے کر کہا کہ یہ رقم میں تمہیں خدا کے لیے دیتا ہوں۔ تاکہ تم اپنا کاروبار اچھے طریقے سے چلا سکو۔ اور مجھے امید ہے کہ تم عیش میں اس کو ضائع نہیں کرو گے۔ اگر تمہیں کسی اور امداد کی ضرورت ہوئی تو میرے پاس چلے آنا میں تمہیں ہر قسم کی سہولت فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جب وہ چلے گئے تو میں اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ ساتھ ساتھ میں نے غور کرنا شروع کیا۔ کہ اس سرمائے سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیے۔ فوری طور پر میں نے یہ طے کیا کہ کافی مقدار میں سن خرید کر چند ملازم مال بنانے کے لیے رکھ لیے جائیں۔ اگر مال کی کھپت زیادہ ہوئی تو اس کام کو بڑھالیا جائے ورنہ پھر کسی دوسرے طریقے سے تجارت شروع کی جائے۔ یہ سوچ کر میں نے ایک سو نوے اشرفیاں تو اپنی پگڑی میں رکھ لیں اور دس اشرفیاں سن خریدنے کے لیے جیب میں ڈال کر مکان سے چل دیا۔ یہاں میں نے دیکھ بھال کر سن خریدا اور اس کو بار کرا کر گھر بھیج دیا۔ میں گوشت لینے کے لیے قصاب کی دوکان پر ٹھہر گیا۔ گوشت لے کر میں چلا ہی تھا کہ ایک چیل نے جھپٹا مارا کہ گوشت تو بچ گیا مگر میری پگڑی اس کے پنجوں میں پھنس گئی اور چیل پگڑی اور اشرفیاں لے کر اڑ گئی میں نے پیچھا بھی کیا۔ لیکن چند ہی قدموں کے بعد میری نظر سے اوجھل ہوگئی۔ اور میں اشرفیوں کے ساتھ پگڑی بھی کھو کر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ گو مجھے اتنی بڑی رقم کے جانے کا بہت رنج تھا لیکن سب سے زیادہ اس بات کی پریشانی تھی کہ اگر سعدی نے آ کر دریافت کیا کہ تم نے کیا کام شروع کیا

ہے تو اس کو کیا جواب دوں گا۔ اگر صحیح حال بھی کہہ دیا تو کیا اس کو یقین آ جائے گا۔ وہ ضرور یہی سمجھا گے کہ حسن خبال نے سب روپیہ عیش و آرام میں غارت کر دیا اور اب بہانے بناتا ہے جب میں گھر پہنچا تو بہت افسردہ خاطر تھا۔ میری بیوی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو میں نے اسے سب حال سنایا وہ غریب رونے لگی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ یہ سب تقدیر کی باتیں ہیں۔ ہماری قسمت میں غریبی لکھی ہے تو ہزاروں مل کر بھی ہمیں امیر نہیں بنا سکتے اس لیے صبر کے سوا چارہ نہیں۔ چند روز طبیعت کو ملال رہا آہستہ آہستہ وہ بھی کم ہو گیا۔ اور میں حسب سابق رسیاں بٹ بٹ کر اپنی گزر کرنے لگا۔

ایک مدت کے بعد وہی دونوں دوست میری دوکان پر آئے۔ اور میری تباہ حالی دیکھ کر دریافت کیا۔ میں نے بڑی شرمندگی کے ساتھ سارا واقعہ ان کو سنایا۔ سعدی نے اس کو بناوٹ پر محمول کیا اور کہنے لگا کہ آج تک کبھی کسی نے سنا بھی ہے۔ کہ چیل اشرفیوں سمیت پگڑی لے جائے لیکن سعد نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ دوست! قسمت اسی کا نام ہے میں حسن کو جانتا ہوں یہ اب بھی سچ بول رہا ہے۔ سعدی نے کہا کہ اول تو مجھے اس بات کا یقین نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ سچ بھی ہو تو نقصان اور اتفاقات زندگی کا ضروری جز ہیں ہم اپنی لاعلمی یا کم علمی سے اکثر ایسے نقصان اٹھا لیتے ہیں جس کی اصل وجہ اس وقت سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن تجربہ کے بعد پھر اس غلطی کو نہیں دہراتے تو نقصان سے بھی بچ جاتے ہیں اس لیے میں یہ نہیں مانتا کہ تقدیر کا اثر خود بخود ہوتا رہتا ہے اور تدبیر کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اصل شے تدبیر ہے۔ اور جب ہم محنت سے جی چراتے ہیں تو تقدیر کی پناہ پکڑ لیتے ہیں۔

اس کے بعد سعدی نے پھر مجھے دو سو اشرفیاں دیں اور تاکید کر کے دیں کہ اب کی بار غفلت نہ کرنا اور اچھی طرح استعمال کرو۔ اگر تم نے ضروری محنت کی اور کوشش سے کام لیا تو مجھے امید واثق ہے کہ تم آسودہ حال ہو جاؤ گے۔ میں نے اشرفیاں لے کر رکھ لیں۔ اور دونوں دوست ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باتیں کرتے ہوئے چلے گئے۔ کچھ دیر میں دوکان پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد اشرفیاں لے کر گھر آیا۔ اسی روز اتفاقاً میری بیوی اپنے ایک عزیز کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ میں نے ایک سو نوے اشرفیاں گن کر ایک بھوسے کے گھڑے میں رکھ دیں۔ اور اوپر سے اس کا منہ ڈھانک دیا۔ دس اشرفوں سے میں نے سن خریدا اور اپنی دوکان پر کام کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ منڈی میں دو چار روز میں نیا سن آنے والا ہے۔ اس کو خرید

لوں گا اور دوکان پر چلا آیا۔ اتفاقاً دوپہر کو ایک مٹی فروخت کرنے والا آ گیا۔ میری بیوی کو سر دھونے کے لیے مٹی کی ضرورت تھی اس نے وہی گھڑا دے کر جس میں اشرفیاں تھیں مٹی خرید لی۔ شام کو میں گھر آیا تو اپنی بیوی کو بتایا کہ وہ دونوں دوست پھر آئے تھے اور دو سو اشرفیاں پھر دے گئے ہیں۔ میں نے کہا وہ اشرفیاں فلاں گھڑے میں رکھ دی ہیں۔ وہ یہ سن کر سر پیٹنے لگی۔ کہ تم نے صبح مجھ سے کیوں ذکر نہ کیا۔ میں نے تو وہ گھڑا مع بھوسی دانے مٹی والے کو دے دیا۔ میری اس وقت کی حالت کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا تھا کہ کیا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں یا اپنا گلا گھونٹ کر مر جاؤں۔ دیر تک میں خود بھی روتا رہا۔ مجھے روپیہ کے ضائع ہونے سے اس کا زیادہ فکر تھا کہ سعدی مجھے جھوٹا۔ بدمعاش آوارہ اور خدا جانے کیا کیا سمجھے گا۔ میں اس کو کس طرح منہ دکھاؤں گا اس فکر میں گھل گھل میں بہت نحیف اور بیمار ہو گیا۔ میں اب بھی روزانہ اپنی دوکان پر جاتا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ تھوڑی تھوڑی دیر میں چاروں طرف دیکھ لیتا کہ کہیں سعد اور سعدی تو نہیں آ رہے ہیں۔

چور نہ ہوتے ہوئے میری حالت چوروں سے بھی بدتر تھی۔ آخرکار ایک روز دونوں کو آتے دیکھا جی چاہا کہ کہیں بھاگ جاؤں۔ لیکن وہ مجھے دیکھ چکے تھے۔ اپنی جگہ سے اٹھنا محال تھا۔ دوکان پر آ کر دونوں نے سلام کیا اور میری حالت دریافت کی۔ شدت رنج و شرم سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں انہیں کوئی جواب نہ دے سکا۔ بڑی مشکل سے میں نے انہیں کل واقعہ سنایا۔ لیکن اس طرح روتے روتے میری داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ سعدی گو مایوس تھا لیکن اس نے مجھے تشفی دی۔ کہ تم اس قدر کیوں پریشان ہوتے ہو۔ بہر حال وہ روپیہ قرض نہیں تھا۔ میں نے خدا کے نام پر دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مجھے تمہاری کم عقلی پر افسوس ضرور ہے۔

اس کے بعد دونوں دوست رخصت ہونے لگے تو سعد نے جیب سے ایک پیسہ نکال کر مجھے دیا کہ اس کو اپنے پاس رکھو۔ اگر تمہاری تقدیر میں اچھے دیکھنے لکھے ہیں تو کیا عجب ہے کہ اسی پیسے سے حالت بدلنی شروع ہو جائے۔ سعدی اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا کہ جس شخص کو چار سو اشرفیاں آسودہ حال نہ بنا سکیں۔ اس کو ایک پیسہ کیا امداد دے گا۔ سعد نے کہا کہ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ اگر اس نے تدبیر سے کام لیا تو یہ پیسہ اس کو امیر بنا سکتا

ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اس کی قسمت میں امیری ہے۔ تو ممکن ہے یہ پیسہ ہی اس کے ظہور کا سبب بن جائے۔ میں نے وہ پیسہ لے لیا۔ اور وہ دونوں دوست اسی طرح بحث کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

شام کو جب میں گھر پہنچا اور اپنی صدری اتاری۔ تو اتفاقاً وہ پیسہ جو سعد نے دیا تھا نیچے گر گیا۔ میں نے اٹھا کر لاپرواہی سے طاق میں ڈال دیا۔ اور خود اپنے گھر میں مصروف ہوگیا۔ ابھی میں نے روٹی بھی نہیں کھائی تھی کہ محلّہ کے ماہی گیر کی بیوی آئی اور کہنے لگی کہ بہن مجھے ایک پیسہ کی ضرورت ہے آج در در پھری ہوں کہیں سے ایک پیسہ نہیں ملا۔ ہمارا جال ٹوٹ گیا ہے۔ میرا شوہر سوت لا کر اس کی مرمت کرنا چاہتا ہے اگر جال درست نہ ہوا تو کل ہمیں کھانے کا ٹکڑا بھی میسر نہیں آئے گا۔ میں نے افسردگی کے ساتھ وہی پیسہ طاق سے اٹھا کر ماہی گیر کو دے دیا۔ وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔

دوسرے روز ماہی گیر کی بیوی ایک مچھلی لے کر آئی اور کہنے لگی۔ کہ میرے شوہر نے یہ عہد کیا تھا کہ پہلے جال میں جو کچھ آئے گا وہ آپ کو پیش کر دے گا۔ چنانچہ یہ مچھلی آئی ہے۔ اور ہماری خواہش ہے کہ تم اسے لے لو۔ میری بیوی نے انکار بھی کیا۔ لیکن وہ نہ مانی۔ اور مچھلی رکھ کر چلی گئی۔ میری بیوی مچھلی صاف کرنے لگی۔ تو اس کے پیٹ سے ایک بڑا شیشے کا ٹکڑا نکلا۔ جو اس نے بچوں کو کھیلنے کے لیے دے دیا۔ وہ دن بھر اس سے کھیلتے رہے۔ رات کو جس وقت ہم تمام کھانا کھانے بیٹھے تو بڑے لڑکے نے وہ شیشے کا ٹکڑا بھائیوں سے چھپا کر دسترخوان کے تاریک حصہ پر رکھ دیا۔ لیکن اس کی چمک دوسرے بچے نے دیکھ لی۔ اور جھپٹ کر اٹھا لیا۔ اور چراغ کی روشنی میں اسے دیکھنے لگا۔ جہاں اس کی چمک دمک بڑی خوشنما معلوم ہوتی تھی۔ اتنے میں بڑے لڑکے نے اپنے چھوٹے بھائی سے چھین لیا۔ اور بھاگ کر اندھیری کوٹھڑی میں چلا گیا لیکن وہاں ایسی روشنی ہوگئی۔ جیسے چراغ جل رہا ہے۔ اس روشنی کو دیکھ کر دوسرے بچے بھی شور مچاتے ہوئے اندر چلے گئے۔ میں اس خیال سے اٹھا کر ان کو شور غل سے روکوں لیکن اندر گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بغیر چراغ کے کوٹھڑی روشن ہے۔ میں نے اس کانچ کے ٹکڑے کو ہاتھ میں لے کر دیکھا تو خیال کیا کہ چلو سعد کے پیسے سے فائدہ تو ہوا۔ کہ تیل کے پیسے بچ جائیں گے۔ اس کے بعد میں نے وہ شیشے کا ٹکڑا بچوں کو دیتے ہوئے تاکید کر دی۔ کہ اس کو کھو نہیں دینا۔ ہم اس سے چراغ کا کام لیں گے۔

صبح کو حسب معمول دوکان پر گیا۔ میری عدم موجودگی میں پڑوسی یہودی نے جوہری کی بیوی کچھ لینے ہمارے گھر آئی۔ تو اس نے بچے کے ہاتھ میں شیشے کا وہ ٹکڑا دیکھا۔ اور حیران ہو کر پوچھا کہ یہ شیشہ کہاں سے لائے میری بیوی نے بتایا کہ مچھلی صاف کرتے ہوئے اس کے پیٹ سے نکلا تھا۔ اور رات کو ایسا چمکتا ہے جیسے چراغ اب ہم چراغ کے بجائے اس کو رکھ لیا کریں گے۔ یہودن اس وقت واپس چلی گئی۔ اور اپنے شوہر سے ذکر کیا۔ کہ پڑوسی حسن خیال کے یہاں مچھلی کے پیٹ سے ایسا نادر و نایاب ہیرا نکلا ہے اور وہ اس کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہے۔ بچے اس سے کھیلتے پھرتے ہیں یہودی اسی وقت اپنی بیوی کو دوبارہ بھیجا اور کہا کہ کسی نہ کسی طرح فروخت پر آمادہ کر کے جو کچھ مانگیں دے کر لے لو یہودن پھر ہمارے گھر آئی اور کہنے لگی تمہارے لیے تو یہ شیشہ بیکار شے ہے میرے شوہر کو اس کے خریدنے کا شوق ہے اگر تم پسند کرو تو میں اس کی قیمت بیس اشرفیاں دے سکتی ہوں۔ اس وقت اتفاقاً ایک ضروری کام سے گھر میں گیا۔ میری بیوی نے مجھ سے ذکر کیا۔ بیس اشرفیوں کا نام سن کر مجھے خیال آیا کہ یہ اتنے کانچ کے ٹکڑے کی اتنی بڑی قیمت دے رہی ہے۔ ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ پھر مجھے سعد کے الفاظ یاد آ گئے کہ تقدیر میں ہوا تو اس پیسے کی بدولت رئیس بن سکتے ہو۔ میں ان خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا۔ لیکن یہودن سمجھی کہ کم قیمت ہونے کی وجہ سے میں چپ ہوں۔ چنانچہ وہ کہنے لگی کہ پچاس اشرفیاں لے لو۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ قیمتی چیز ہے۔ جو ایک دم اس نے بیس سے پچاس اشرفی دینے کا ارادہ کر لیا۔ میں پھر بھی خاموش رہا تو وہ کہنے لگی کہ چلو سو اشرفیاں لے لو یہ سن کر میں نے سمجھ لیا کہ سعد نے جو کچھ کہا تھا شاید اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ میں نے ٹالنے کے خیال سے کہا کہ میں تو ایک لاکھ اشرفیوں میں بھی دینے کو تیار نہیں۔ یہودن کہنے لگی۔ کہ یہ تو بہت قیمت ہے۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو تو میں پچھتر ہزار اشرفیاں دے سکتی ہوں۔ اتنی بڑی رقم یا دام سن کر میں نقش حیرت بن گیا۔ کچھ دیر بعد اوسان بحال کر کے میں نے اس کو جواب دیا کہ تم اپنے شوہر کو بھیج دینا۔ میں ان سے بات کر لوں گا۔ یہودن چلی گئی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اپنے شوہر کو لے آ گئی۔ جوہری نے وہ ہیرا لے کر دیکھا۔ پھر مجھ سے کہنے لگا۔ کہ آپ اس کا کیا مانگتے ہیں میں نے اس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ اشرفیاں بتائیں آخر بڑی بحث کے بعد سوا لاکھ اشرفیوں پر فیصلہ ہو گیا۔ یہودی نے اسی وقت اشرفیوں کی

تھیلیاں میرے حوالے کیں اور خود ہیرا لے کر چلا گیا۔

میری خوشی اور مسرت کی یہ حالت تھی کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ صحیح ہے جب میرے اعصاب قابو میں آئے تو میں نے آئندہ کا پروگرام بنایا۔ سب سے پہلے ایک عمدہ سی جگہ لے کر ایک بہت بڑا مکان بنانا شروع کیا۔ جیسا کہ حضور نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ اور رسی بنانے کے لیے کئی بڑے بڑے کارخانے کھول دیئے۔ کچھ روپیہ دوسرے کاروبار میں بھی لگوا دیا اور بڑے عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے لگا اس عرصہ میں ان دونوں کو نہیں بھولا تھا۔ لیکن کچھ تو اپنی مصروفیات کچھ ان کا پتہ نہ ہونے سے میں ملاقات نہ کر سکا۔ اس عرصہ میں کارخانوں سے بھی مجھے بڑا معقول منافع ہونے لگا۔ اور کچھ ہی مہینوں میں سارے خرچ نکال کر دو تین لاکھ اشرفیاں میرے پاس پس انداز ہو گئیں۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد وہ دونوں دوست میرا حال دیکھنے پھر آئے اور مجھے دوکان پر نہ پا کر آس پاس کے دوکانداروں سے دریافت کیا کہ حسن خبال کہاں ہے وہ کہنے لگے۔ صاحب خدا جانے کہاں سے اس پر دولت پھوٹ پڑی ہے۔ اب وہ حسن سے حسن خبال، ملک التجاء بغداد بن گیا۔ اور ایک بہت بڑا محل فلاں جگہ تعمیر کرایا ہے۔ وہ دونوں دوست بحث کرتے ہوئے میرے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ سعدی کہتا تھا کہ ثروت امارت اس نے میری اشرفیوں سے حاصل کی ہے۔ اور شروع میں اصل حال چھپاتا رہا۔ سعد کہتا تھا۔ نہیں یہ سب قسمت کا کرشمہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ میرے پیسے کی بدولت ہی اس کے حالات بدلے ہوں گے۔

جب وہ میرے مکان پر آئے تو ملازم کے ذریعہ اطلاع کرائی۔ میں ان کا نام سن کر خود باہر آیا اور پورے عزت واحترام سے لا کر قالین پر بٹھایا۔ میری آسودہ حالت دیکھ کر وہ دونوں بہت خوش ہوئے اور مجھے مبارکباد دی اور حالات دریافت کیے میں نے انہیں من وعن سارے حالات سنا دیئے۔ دونوں دوستوں میں پھر بحث شروع ہو گئی اور دیر تک باہم جھگڑتے رہے۔ سعدی کو کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ مچھلی کے پیٹ سے ایسا قیمتی ہیرا نکلا ہو گا۔

آخر میں اس نے خیال سے کہ کسی طرح اس بحث کا خاتمہ ہو ان کو اپنے باغ میں چلنے کی دعوت دی وہ دونوں راضی ہو گئے اور ہم باغ میں چلے گئے وہاں آ کر میں نے دیکھا کہ

ملازم کسی جاہلانہ عقیدت کے زیر اثر ایک بہت بڑے درخت پر سے چیل کا گھونسلہ اتار رہے ہیں۔ ہم ان کی ضعیف الاعتقادی پر گفتگو کرتے ہوئے اس درخت کے نیچے جا کھڑے ہوئے اوپر چڑھے ہوئے آدمی نے گھونسلہ کھینچ کر نیچے پھینکا تو اس میں سے وہی پگڑی نکل آئی۔ جس میں سے سعدی کی دی ہوئی ایک سو نوے اشرفیاں بندھی ہوئی تھیں۔ میں نے پگڑی کو دیکھتے ہی دوڑ کر اٹھا لیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ دیکھئے خدا نے مجھے آپ کے سامنے سرخرو فرما دیا۔ یہ میری وہ پگڑی ہے جس میں آپ کی دی ہوئی اشرفیاں بندھی تھیں۔ میں نے اس کو کھول کر دکھایا تو پوری ایک سو نوے اشرفیاں جوں کی توں اس میں موجود تھیں۔

اس کے بعد ہم گفتگو کرتے ہوئے گھر کی طرف لوٹے تو راستے میں گھوڑوں کے لیے اصطبل میں چلے گئے۔ اور ملازم کہنے لگا۔ کہ حضور آج کام میں دیر ہو گئی ہے۔ اور گھوڑوں کے لیے گھاس نہیں لگی میں نے اس سے کہا کہ ان بے زبانوں کو بھوکا رکھنا ظلم ہے تم بھوسہ یا آٹے کا بورا خرید لاؤ۔ کم از کم کچھ تو منہ ماریں گے۔ ملازم پڑوس میں بورا تلاش کرنے چلا گیا اور میں اپنے دوستوں کو گھوڑے دکھانے لگا تھوڑی دیر میں ملازم بھوسے کے کئی مٹکے اٹھوا لایا۔ اور کہنے لگا کہ حضور اس وقت تو صرف یہی ملے ہیں میں نے کہا چلو کچھ بھی سہی تم ابھی ان کے آگے ڈال دو۔ کہ اتفاقاً میری نظر مٹکوں پر پڑی میں نے وہ مٹکا پہچان لیا۔ جس میں سعدی کی دی ہوئی ایک سو نوے اشرفیاں رکھی تھیں۔ اس کا منہ اچھی طرح بند تھا جیسا میں نے کیا تھا۔

چنانچہ سعدی کو متوجہ کرتے ہوئے میں نے اس کو بتایا کہ دوسری مرتبہ اشرفیاں اس مٹکے میں رکھی تھیں جسے غلطی سے میری بیوی نے فروخت کر دیا تھا چنانچہ ان کے سامنے میں نے اس کو کھلوایا تو بھوسے میں دبی ہوئی پوری ایک سو نوے اشرفیاں موجود تھیں۔ سعدی اپنی بدگمانی پر نادم ہوا۔ اور مجھ سے معافی مانگنے لگا۔ میں نے اس سے کہا بھائی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں حالات ہی ایسے تھے۔ کہ ہر شخص کو بدگمانی ہوتی تھی۔ لیکن خدا کا بڑا احسان ہے۔ کہ آپ کے سامنے مجھے سچا کر دیا۔ اس کے بعد سعدی نے سعد سے کہا کہ واقعی اب مجھے یقین آ گیا۔ تقدیر ہی ہر چیز پر غالب ہے اور دبیر بھی اسی وقت بنتی ہے جب تقدیر موافق ہو۔

حضور والا اس کے بعد کھانا کھا کر وہ دونوں دوست چلے گئے۔ اور میں آپ کے زیر سایہ آرام و اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ حسن خیال اپنا حال بیان کر کے خاموش ہوگیا۔ خلیفہ نے فرمایا کہ تمہاری حالت بدلنے والا وہ ہیرا میرے خزانے میں ہے۔ مگر ہمارا قصہ لکھوا کر اس کے ساتھ رکھوں گا۔ تاکہ آئندہ نسلیں ہیرے کی تاریخ سے واقف ہوں۔ پھر خلیفہ نے سب کو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔

شہرزاد یہ قصہ بیان کر کے خاموش ہوگئی۔ شہریار نے ہنس کر فرمایا کہ ہماری بیگم کو تو بہت عجیب و غریب قصے یاد ہیں ہمیں یقین ہے کہ کل اس سے بھی عمدہ کہانی سنیں گے۔ شہرزاد نے جھک کر سلام کیا اور عرض کی کہ کل انشاء اللہ علی بابا اور چالیس چوروں کی کہانی سناؤں گی۔ اب شہرزاد اور دوسرے لوگوں کو یقین ہوگیا کہ بادشاہ وہ ظالمانہ رویہ چھوڑ دے گا۔ جو مدت سے اس نے شروع کر رکھا تھا۔

علی بابا اور چالیس چور

دوسرے روز حسب معمول شہرزاد نے کہانی شروع کی۔ پہلے زمانہ میں شہر بغداد میں ایک امیر سوداگر رہتا تھا۔ جس کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام قاسم اور دوسرے کا نام علی بابا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد چہلم سے فارغ ہو کر قاسم نے جائیداد تقسیم کرالی کیونکہ علی بابا فضول خرچ اور عیاش طبع تھا۔ قاسم کو خطرہ تھا کہ یہ ساری جائیداد غارت کر دے گا۔ مال و املاک کی تقسیم کے بعد دونوں بھائی الگ الگ رہنے لگے۔ قاسم نہایت محنتی اور منتظم تھا۔ اس نے چند ہی روز میں اپنی حیثیت بڑھالی اور ایک مالدار تاجر کی لڑکی سے شادی کر کے آرام کی زندگی گزارنے لگا۔ قاسم کا سسر بھی تھوڑے دنوں بعد مر گیا چونکہ اس کے یہاں ایک لڑکی کے علاوہ دوسری اولاد نہ تھی اس لیے اس کی تمام جائیداد بھی قاسم ہی کے قبضہ میں آگئی۔ اب قاسم بغداد کے بلند مرتبت تاجروں میں شمار ہونے لگا۔

علی بابا اپنی سستی اور فضول خرچی کی بدولت خالی ہاتھ رہ گیا۔ اس کی شادی بھی ایک غریب گھرانے میں ہوئی تھی۔ اس لیے وہاں سے بھی کسی مدد کی توقع نہ تھی۔ [illegible] حالات

زیادہ ہی نازک ہوگئے۔ تو علی بابا نے لکڑیاں فروخت کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اس کے پاس چند گدھے تھے۔ جنہیں وہ روزانہ جنگل لے جاتا اور لکڑیاں اکٹھی کر کے گدھوں پر لاد کر شہر میں فروخت کر دیتا اسی طرح پیٹ بھرنے کے لیے اسے پیسے مل جاتے۔

کھل جا سم سم

ایک روز علی بابا لکڑیوں کی تلاش میں زیادہ دور نکل گیا۔ یہاں ایک طرف گھنا جنگل تھا اور دوسری طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی۔ علی بابا لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اسے سامنے سے کچھ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ علی بابا کو شبہ ہوا کہ کہیں ڈاکو نہ ہوں۔ اور میرے گدھے چھین کر نہ لے جائیں۔ چنانچہ اس نے گدھوں کو گھیر کر پہاڑی کے قریب ایک نشیب میں پہنچا دیا۔ جہاں وہ آسانی سے چھپ سکتے تھے اور خود ایک بڑے درخت پر چڑھ کر پتوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ اتنے میں وہ سوار اسی درخت کے نیچے پہنچ گئے۔ جہاں علی بابا چھپا بیٹھا تھا اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ آنے والے سوار مسلح ڈاکو تھے جو کہیں سے لوٹ مار کر کے بہت سا مال لیے ہوئے آ رہے تھے جب علی بابا نے اسی درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے دیکھا تو خوف کے مارے کانپنے لگا۔ ڈاکو وہاں آ کر گھوڑے سے اتر گئے۔ اور تمام مال جمع کر کے اسی درخت کے قریب ایک غار میں اترے۔ پھر ان میں سے ایک ڈاکو نے کہا کھل جا سم سم۔ چنانچہ غار فوراً کھل گیا۔ اور وہ ڈاکو ایک ایک کر کے سب اندر چلے گئے۔ اس کے بعد دروازہ بند ہوگیا۔ علی بابا حیران بیٹھا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا۔ اور وہ ڈاکو غار سے باہر نکل کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اور جس طرف سے آئے تھے۔ اسی طرف چلے گئے۔ جب تک وہ نظر آتے رہے علی بابا اسی درخت پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد یہ اطمینان کر کے کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ درخت سے نیچے اترا اور اپنے گدھوں کو ہانک کر دہیں لے آیا۔ پہلے تو اس نے ارادہ کیا کہ جلد یہاں سے بھاگ جائے۔ لیکن پھر لالچ آیا کہ ڈاکوؤں کا خزانہ ضرور دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ غار میں اتر گیا اور وہاں جا کر اس نے بھی کہا "کھل جا سم سم" دروازہ فوراً کھل گیا۔ اور علی بابا ادھر ادھر جھانک کر اندر داخل ہوا۔ وہاں

بے شمار مختلف قسم کے اسباب کے علاوہ بہت سے درہم و دینار کی تھیلیاں بھی رکھی ہوئی تھیں
اس نے جلدی جلدی کچھ اشرفیوں کی تھیلیاں لیں اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا اسی طرح چند
بار آ جا کر اس نے اپنے گدھوں پر کافی اشرفیاں لاد لیں۔

اور دروازہ بند کر کے گدھوں پر دکھلاوے کے لکڑیاں رکھ لیں۔ اور گھر چلا آیا۔ گھر میں
داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا اور لکڑیاں ایک طرف ڈال کر اشرفیوں کی تھیلیاں
بیوی کے سامنے رکھ دیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوئی۔ اور جلدی گننے لگی۔

علی بابا گدھوں پر اشرفیاں لایا

علی بابا نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس طرح کب تک گنتی رہو گی۔ اس وقت تم ان کو
زمین میں دبا دو۔ بیوی نے کہا میں اندازہ ضرور کروں گی کہ یہ کتنی اشرفیاں ہیں۔ اگر تمہیں
ایسی ہی جلدی ہے تو تول کر دفن کیے دیتا ہوں۔ علی بابا نے کہا لیکن یہ بات کسی کے علم میں
نہیں آنی چاہیے۔ بیوی اٹھ کر بھاگتی ہوئی قاسم کے گھر پہنچی اور قاسم کی بیوی سے کہنے لگی
بہن اپنا ترازو دے دو۔ قاسم کی بیوی کو تعجب ہوا کہ کھانے کو تو انہیں میسر نہیں ترازو کیا کریں
گے پھر اس خیال سے پلڑے کے نیچے موم لگا دی کہ جو کچھ تولیں گے۔ کچھ نہ کچھ موم سے
چپک جائے گا۔ اور معلوم ہو گا کہ کیا تولا گیا ہے۔ پھر ترازو علی بابا کی بیوی کو دے دی۔ وہ
ترازو لے کر گھر آئی اور جلدی سے اشرفیوں کو تول کر دفن کر دیا۔ اور ترازو اٹھا کر قاسم کے گھر
دے آئی۔ قاسم کی بیوی نے ترازو الٹ کر دیکھا تو موم سے ایک اشرفی چپٹی ہوئی تھی۔ وہ
حیران رہ گئی۔ ان کے پاس اس قدر دولت کہاں سے آئی جسے یہ تول کر رکھنے لگے۔ حسد کی
تیز آگ اس کے سینے میں بھڑک اٹھی اور شام تک اسی فکر میں رہی جب قاسم گھر آیا تو وہ
اس سے کہنے لگی۔ کہ تم اپنے آپ کو بڑا امیر سمجھتے ہو۔ لیکن تمہارا بھائی علی بابا تو تم سے بھی بڑا
مالدار ہے کہ اشرفیاں تول کر رکھتا ہے۔ قاسم نے ہنس کر کہا کہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی
ہو۔ اس غریب کو تو کھانے کو میسر نہیں ہے۔ اشرفیاں کہاں سے لائے گا۔ قاسم کی بیوی نے
ترازو کا سارا قصہ بیان کر کے ترازو کا وہ پلڑا دکھایا جس پر موم کے ساتھ اشرفی لگی ہوئی تھی یہ

دیکھ کر قاسم بہت متعجب ہوا اور دل میں خیال کیا کہ یہ اشرفی بہت پرانے سکہ کی ہے۔ غالباً
علی بابا کو کوئی دفینہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ اور باوجود اپنی خوشحالی کے قاسم بھی لالچ میں مبتلا ہو گیا۔
اور صبح ہوتے ہی علی بابا کے گھر آ کر اس سے سب حال کہا۔ اور اصرار کیا کہ تم مجھے بھی خزانہ
کا پتا بتاؤ نہیں تو ابھی کوتوال شہر کو اطلاع دوں گا۔ اور اس دولت کے علاوہ تمہارا گھر بھی ضبط
کرا دوں گا۔ ممکن ہے کہ چوری کے الزام میں تمہارا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے۔ علی بابا نے ڈر
کر سارا قصہ بھائی سے کہہ دیا۔ اور دروازہ کھولنے کا طلسم بھی بتا دیا قاسم گھر آیا اور اسی وقت
چند خچر لے کر اشرفیاں لادنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

علی بابا کے بیان کے مطابق وہ سیدھا غار پر پہنچا۔ اور ”کھل جا سم سم“ کے لفظ کہے۔
دروازہ کھل گیا۔ قاسم نے اندر جا کر دروازے کے قریب اشرفیوں کی تھیلیاں اکٹھی کرنی
شروع کریں۔ تا کہ آسانی سے باہر لائی جا سکیں۔ جب وہ اپنی باربرداری کے موافق
اشرفیاں اکٹھی کر چکا تو دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بدقسمتی سے وہ ”کھل جا سم سم“ کے
لفظ بھول گیا۔ ہر چند کوشش کی۔ لیکن وہ لفظ یاد نہ آئے۔ آخر مجبور ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔
اور دل میں سوچنے لگا۔ کہ اب یہاں سے زندہ بچ نکلنا مشکل ہے۔ وہ اس وقت پر لعنت
بھیجنے لگا جب اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا۔ اور یہاں آیا تھوڑی دیر کے بعد اسے گھوڑوں
کے ٹاپوں اور آدمیوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔ جس سے اس نے اندازہ کر لیا کہ
غالباً ڈاکو آئے ہیں۔ اس وقت شدت خوف سے اس کی یہ حالت تھی۔ کہ بچاؤ کے لیے ایک
قدم بھی سرکنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پایا۔ اتنے میں باہر ”کھل جا سم سم“ لفظ کسی نے کہے
اور دروازہ کھل گیا۔ ڈاکو اندر داخل ہوئے۔ اور دروازے کے پاس اشرفیوں کی تھیلیوں کا
ڈھیر دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ یہاں کس طرح آ گئیں۔ ساتھ ہی انہیں ان خچروں کا
خیال آیا جو باہر بندھے ہوئے تھے۔ اب ان کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ ان کی عدم
موجودگی میں کوئی یہاں ضرور آیا ہے انہوں نے دروازہ میں رک کر اندر تلاش شروع
کی۔ قاسم کے لیے وہاں کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ آخر پکڑا گیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے تلوار
سے اس کی گردن الگ کر دی اور اس کی لاش کے چار ٹکڑے کر کے دروازے کے چاروں
کونوں پر لٹکا دیئے۔ اور اشرفیوں کی تھیلیاں وہیں لے جا کر رکھ دیں جہاں سے وہ اٹھوائی
تھیں۔ اس کے بعد ڈاکو واپس چلے گئے قاسم نے جاتے ہوئے اپنی بیوی سے کہہ دیا تھا کہ

میں دو پہر تک واپس آ جاؤں گا۔ لیکن جب ظہر کا وقت بھی گزر گیا اور قاسم نہ لوٹا تو اس کی بیوی کو تشویش ہوئی اور علی بابا کے پاس آ کر کہنے لگی۔ کہ تمہارے بھائی اب تک واپس نہیں آئے۔ علی بابا نے کہا کہ دور جگہ ہے ممکن ہے آنے میں دیر ہوگئی ہو۔ ابھی کچھ دیر اور انتظار کرو۔ یہاں تک کہ عشاء کا وقت ہو گیا عشاء کے بعد پھر قاسم کی بیوی آئی اور علی بابا سے کہنے لگی کہ اب بھی نہیں آئے۔ علی بابا نے سمجھ لیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے لیکن اس کی بیوی سے صرف اتنا ہی کہا کہ مجھے بھی حیرت ہے۔ وہ کیوں نہیں لوٹا۔ یہ شبہ ہے کہ راستہ میں کہیں سپاہیوں نے اس کو روک نہ لیا ہو۔ بہر حال اس وقت تو کچھ بھی معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ صبح کو دیکھ بھال کروں گا۔ قاسم کی بیوی نے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ لیکن قاسم نے نہ آنا تھا نہ آیا۔

علی الصبح علی بابا بھاوج کو تسلی دے کر اپنے گدھوں کے ساتھ جنگل کی سمت روانہ ہوا۔ جب وہ غار کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ قاسم کی لاش کے ٹکڑے لٹک رہے ہیں وہ صورت حال کو سمجھ گیا۔ اور لاش کے ٹکڑے گدھے پر لاد لیئے۔ اس کے بعد خزانہ کا دروازہ کھول کر جس قدر مال و دولت گدھوں پر لاد سکتا تھا لاد کر کے جنگل میں آیا۔ اور اوپر تھوڑی لکڑیاں لاد کر واپس چلا آیا۔ اور اشرفیاں لادے ہوئے گدھے اپنے گھر چھوڑ کر قاسم کی لاش والا گدھا اس کے گھر لے گیا۔ اور لاش اتار کر قاسم کی بیوی کو سب واقعہ بتایا۔ اور اس کو تسلی دی کہ جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں زندگی بھر تمہاری خبر گیری کرتا رہوں گا فی الحال کسی طرح اس کے دفن کفن کا انتظام ہونا چاہیے اگر یہ راز افشا ہو گیا تو ہم سب پر مصیبت آ جائے گی۔ مرحوم قاسم کی ایک کنیز تھی جس کا نام مرجینا تھا۔ مرجینا نے لاش کو چارپائی پر ایک چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کے بعد خود بازار آ گئی اور ایک دوا فروش سے اس قسم کی دوائیں خریدیں جو قریب المرگ بیماروں کو دی جاتی ہیں اور رو رو کر کہنے لگی کہ میرا آقا بہت ہی بیمار ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ بچ سکے گا یا نہیں وہاں سے گھر آئی اور چند گھنٹوں کے بعد اسی قسم کی دوا خرید کر لائی۔ اسی طرح دو دن تک وہ دوائیں لاتی رہی اور علی بابا بھی اپنے ملنے والوں سے یہی کہتا رہا کہ میرا بھائی قاسم سخت بیمار ہے۔

دوسرے روز مرجینا بوڑھے مصطفےٰ درزی کے پاس گئی۔ اس کو چار اشرفیاں پیش کر کے کہنے لگی۔ مجھے ایک کفن سلوانا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ گھر تک تمہاری آنکھوں پر پٹی

باندھ کر لے جاؤں گی۔ پہلے تو مصطفےٰ کا ارادہ تھا کہ انکار کر دے۔ لیکن چار اشرفیوں کا لالچ کم نہ تھا۔

وہ راضی ہو گیا۔ مرجینا اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر گھر لائی۔ اور قاسم کی لاش دکھا کر کہنے لگی کہ ایک جامہ ایسا تیار کرو جس میں یہ ٹکڑے بالکل صحیح آ جائیں۔ اور ایک معمولی کفن سی دو۔ اگر کام میری حسب پسند ہوا تو جس قدر اشرفیاں دے چکی ہوں۔ اتنی ہی اور دوں گی۔

مصطفےٰ مقتول کا کفن ایسی پراسرار حالت میں سیتا ہوا گھبرایا تو بہت لیکن لالچ اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس نے جلدی جلدی پہلے ایک جامہ تھیلی نما سیا۔ اور اس میں اتارتے ہوئے یہ احساس ہوا کہ نعش کٹی ہوئی ہے اس کے بعد معمولی کفن تیار کر کے نصف شب کے قریب مصطفےٰ نے اپنا کام ختم کر لیا۔ اور مرجینا اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کے گھر پہنچا آئی۔ جب انتظامات مکمل ہو چکے تو قاسم کے گھر سے رونے پیٹنے کی صدا بلند ہوئی۔

علی بابا منتظر بیٹھا تھا۔ خود بھی روتا ہوا بھائی کے گھر آیا صبح تک یہ کھیل کھیلا جاتا رہا۔ دو چار آدمی محلہ کے بطور ہمدردی آئے اور تشفی دے کر چلے گئے۔ کیونکہ کفن دفن کا کام صبح سے پہلے نہیں ہو سکتا تھا۔ علی بابا اور مرجینا نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر مراسم غسل اپنے طور پر ادا کر دیئے۔ اور صبح کر لوگوں کے جمع ہونے سے پہلے قاسم کی نعش کو کفنا کر مکمل کر لیا۔ صبح کو لوگ جمع ہوئے۔ علی بابا کو صبر کی تلقین کی اور دوپہر سے پہلے قبرستان لے جا کر دفن کر دیا۔ دو تین روز تعزیت والوں کی آمد و رفت رہی۔ اس کے بعد زندگی معمول پر آ گئی۔ علی بابا نے مرحوم بھائی کی بیوی کو اشارتاً بتا دیا کہ اگر تم پسند کرو گی تو بعد عدت میں تم سے نکاح کر لوں گا۔

قاسم چونکہ لاولد مر گیا تھا اس کی بیوہ نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ تنہا رہنے اور کاروبار چلانے میں بہت سے خطرات ہیں۔ اس لیے اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا ابھی قاسم کا انتقال ہوئے دس روز بھی نہیں ہوئے تھے کہ علی بابا کی بیوی مکان کی چھت سے گر کر ہلاک ہو گئی۔ اس اتفاقی حادثہ سے جو تھوڑی بہت رکاوٹ تھی وہ بھی دور ہو گئی۔ اور مرحوم قاسم کی بیوی نے علی بابا کو بلا کر کہہ دیا کہ کل کام تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ علی بابا نے بھائی کی دوکان پر اپنے

بیٹے عبداللہ کو بٹھا دیا۔ اور دوسری جائیداد کی نگرانی خود کرنے لگا۔ پانچ سال کے بعد ڈاکو پھر اپنی پناہ گاہ اور خزانے میں آئے تو لاش کے ٹکڑے نہ دیکھ کر سوچنے لگے کہ یہاں تک ضرور کوئی اور شخص بھی آیا ہے۔ اس کے بعد وہ ''کھل جا سم سم'' کہہ کر اندر گئے اور اپنی دولت کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس میں سے لاتعداد روپیہ نکالا جا چکا ہے۔ وہ بہت پریشان ہوئے اور اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی یہ تو اطمینان تھا کہ ساتھیوں میں سے کسی نے غداری نہیں کی۔ کیونکہ وہ سب اکٹھے رہے تھے اور کوئی شخص ان میں سے ایک دن کے لیے بھی الگ نہیں ہوا۔ ڈاکوؤں کا سردار کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یہ بڑی خطرناک صورت حال ہے۔ ہم نے اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال کر یہ دولت جمع کی تھی۔ اور کوئی بدمعاش آیا اور اطمینان کے ساتھ نکال کر لے گیا۔

اگر ہم نے اپنے اس چور کا پتہ نہ چلایا اور انتقام نہ لیا تو خود ہماری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس وقت پکڑ لیے جائیں اور ہمیں سولی دے دی جائے۔ آپ چالیس جوان اور مضبوط آدمی ہیں۔ یہ بتائیے کہ کون چور کی تلاش کی ذمہ داری لیتا ہے۔ ان میں ایک ڈاکو اٹھا اور کہنے لگا کہ میں جاتا ہوں اور جہاں تک ممکن ہوگا۔ اس خزانے تک آنے والے کا پتہ لگاؤں گا۔ سردار نے اس کو شاباش دی۔ اور وعدہ کیا اگر تم کامیاب ہوگئے تو ساتھیوں کی طرف سے معقول انعام دیا جائے گا۔

ڈاکو اپنی کمین گاہ سے نکلا۔ اور ایک عام شہری کے لباس میں شہر کے میں داخل ہوگیا۔ اس کا خیال تھا کہ روپیہ کے متعلق پتہ چلانا تو ناممکن ہے لیکن مقتول کی لاش کے ٹکروں کی بابت ممکن ہے۔ کچھ معلوم ہو جائے اور یہی ایسا سراغ تھا جس سے کامیابی کی امید رکھتا تھا۔ دو روز تک ڈاکو برابر شہر میں گھومتا رہا لیکن اس نے چار ٹکڑوں والی لاش کا کوئی ذکر نہیں سنا جس سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ ہمارا چور بہت ہوشیار اور دانا ہے۔ اسی تگ ودو میں ناکام رہ کر وہ تقریباً مایوس ہو چکا تھا۔ اور ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر ساتھیوں سے کہہ دیا جائے۔ بظاہر چور کی تلاش ممکن نظر نہیں آتی واپس جانے سے پہلے وہ صبح سویرے بازار میں آیا تو سوائے ایک درزی کے سب دوکانیں بند تھیں۔

ڈاکو وقت گزاری کا خیال سے دوکان میں چلا گیا۔ وہاں بوڑھا مصطفیٰ درزی معمولی چراغ کی روشنی میں کچھ سی رہا تھا۔ اس نے سلسلہ گفتگو شروع کرنے کے لحاظ سے ہنس کر کہا

کہ بابا ماشاءاللہ اس عمر میں بھی تمہاری نگاہ بہت تیز ہے۔

مصطفیٰ اپنی تعریف سن کر خوش ہوگیا۔ اور کہنے لگا۔ جی ہاں! میں اس سے بھی کم روشنی میں سلائی کر لیتا ہوں۔ ابھی چند روز پہلے بعض خاص حالات سے میں نے رات کو اتنی مدہم روشنی میں ایک کفن سیا تھا کہ دوسرا آدمی سوئی اور دھاگے کو بھی اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن صاحب وہاں انعام بھی خوب ملا۔ گو اس میں شک نہیں۔ کہ ایسی کٹی ہوئی۔ اتنا کہہ کر مصطفیٰ خاموش ہوگیا۔

پھر بولا کہ مجھے اس سے کیا کام تھا۔ کہ کیسا تھا۔ میں تو ذکر کر رہا تھا۔ کہ آٹھ اشرفی لے کر میں نے اندھیرے میں بھی کفن سی دیا تھا۔ ڈاکو کٹی ہوئی لاش کا ذکر سن کر چونکا اور دل میں خیال کرنے لگا۔ کہ ممکن ہے کہ جس شخص کی تلاش میں نکلا ہوں۔ اس کا سراغ اسی سے کچھ نکل آئے گا۔ چنانچہ اس نے دو اشرفیاں نکال کر مصطفیٰ کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ ہاں بابا! اس لاش کی کیا خاص بات ہے۔ مصطفیٰ نے اشرفیاں دیکھیں تو گفتگو پر آمادہ ہوگیا۔ اور بڑی پراسرار آواز میں کہنے لگا کہ وہ نعش جس کا ذکر میں کر رہا تھا۔ چار ٹکڑے کی ہوئی تھی۔ میں نے اس کو ایک تھیلہ میں اس طرح بند کر دیا تھا کہ اٹھانے میں یہ معلوم نہ ہو کہ کفن کے اندر لاش کے بجائے ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ ڈاکو سمجھ گیا۔ کہ میں منزل مقصود کے بالکل قریب پہنچ ہوں۔ اس نے مصطفیٰ سے کہا کہ تم مجھے وہ مکان دکھا سکتے ہو جہاں تم نے کفن سیا تھا؟ اگر تم ایسا کر سکو تو میں تمہیں ایک اور اشرفی دینے کو تیار ہوں۔ مصطفیٰ نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ افسوس میں تمہیں صحیح نشاندہی نہیں کر سکتا۔

کیونکہ مجھے وہاں آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا گیا تھا۔ اور یہ سوچ کر اگر میں اس مکان کو دکھا سکتا تو ایک اشرفی اور مجھے مل جاتی۔ مصطفیٰ کے منہ سے آہ نکل گئی۔ ڈاکو نے تجویز پیش کی کہ میں تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھے دیتا ہوں۔ تم اس اندازہ سے چلنے کی کوشش کرو۔ جس پر اس روز چلے تھے اور اس طرح اگر کچھ کامیابی کا امکان نظر آیا تو میں موجودہ اشرفی تمہیں دے دوں گا مصطفیٰ تیار ہوگیا۔

چنانچہ ڈاکو نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور سہارا دیتا ہوا ساتھ ساتھ ہوگیا۔ بوڑھے مصطفیٰ نے سوچ سوچ کر بڑی احتیاط سے بڑھنا شروع کیا۔ اور ڈاکو کو ساتھ لیے ہوئے ٹھیک قاسم کے مکان کے آگے جا کھڑا ہوا۔ اس کے بعد مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ کہ

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں اس سے آگے نہیں گیا تھا۔ ڈاکو نے احتیاطاً وہاں کے رہنے والوں سے دریافت کیا کہ کیا قریب زمانے میں یہاں کوئی موت ہوئی ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ ہاں ابھی چند روز ہوئے اس مکان کا مالک رات کے وقت فوت ہوگیا تھا اور صبح کو لوگوں نے دفن کیا تھا۔ ڈاکو کو اطمینان ہوگیا کہ میں نے سراغ لگا کر جائے مقصود پر آ گیا ہوں۔ اس نے قاسم کے مکان پر کھریا مٹی سے ایک معمولی سا نشان لگا دیا اور پھر مصطفےٰ کی آنکھوں سے پٹی کھول کر ایک اشرفی اس کے ہاتھ پر رکھی۔ اور سلام کر کے رخصت ہوگیا۔ ڈاکو سیدھا اپنی کمین گاہ پر پہنچا اور سردار سے کہنے لگا کہ میں نے اپنے دشمن کا مکان معلوم کرلیا ہے۔ سب ڈاکو خوش ہوئے اور یہ طے پایا کہ آج رات کو مکان پر حملہ کیا جائے۔

ڈاکو جس وقت مکان پر نشان لگا رہا تھا۔ مرجینا کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔ واپس آئی تو مکان کے دروازے پر سفید کھریا مٹی کا نشان دیکھ کر ٹھٹکی اور کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر گھر میں سے ایک کھریا مٹی کا ٹکڑا لا کر محلے کے سارے دروازوں پر اسی قسم کے نشان بنا دیئے اور اطمینان سے اپنے کام میں لگ گئی۔

رات کو حسب قرارداد سب ڈاکو لباس تبدیل کر کے شہر میں آئے اور جو شخص مکان پر نشان لگا گیا تھا۔ اسی کو لے کر محلہ میں آئے جہاں علی بابا رہتا تھا۔ لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ اس علاقے کے ہر گھر پر وہ نشان بنا ہوا ہے۔ جو اس نے شناخت کے لیے لگایا تھا۔ اپنی اس ناکامی پر ڈاکو بہت شرمندہ ہوا اور سردار سے کہنے لگا۔ کہ میں نے ایک درزی کی معرفت بڑی مشکل سے مکان دریافت کیا تھا۔ اس پر اس قسم کا نشان لگایا تھا۔ جیسا کہ آپ ہر دروازے پر دیکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہمارا چور بڑا ہوشیار ہے۔ اور ہماری ہر نقل وحرکت اس کے علم میں ہے۔

سب ڈاکو مایوس و ناکام واپس لوٹے تو بے حد چڑچڑے ہو رہے تھے۔ اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر سردار نے کہا۔ کہ اگر ہم لوگوں کی غفلت کا یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں ہے۔ جب کل سرمایہ برباد ہو جائے گا۔ اور ہم سر بازار سولی پر چڑھے ہوئے ہوں گے۔ تعجب کی بات ہے چالیس مشہور نامی ڈاکو مل کر ایک چور کو تلاش نہیں کر سکتے۔ سب حیران تھے کہ کیا کیا جائے۔ آخر ایک اٹھا اور کہنے لگا کہ میں جاتا ہوں جس طرح ممکن ہوا پتہ لگاؤں گا۔ پھر وہ

اپنے ساتھیوں سے رخصت ہو کر شہر میں آیا اور کپڑا سلوانے کے بہانے مصطفےٰ درزی سے تعلقات بڑھائے۔ اس کو ایک روز چند اشرفیاں دے کر آمادہ کرلیا۔ کہ وہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے مکان مطلوبہ تک پہنچا دے۔ مصطفےٰ اسی طرح اس ڈاکو کو قاسم کے گھر تک لے گیا۔ ڈاکو نے یہ اطمینان کر کے کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ دروازے کے ایک ایسے کونے پر جہاں بہت کم توجہ ہونے کی امید تھی۔ ایک سرخ نشان بنایا۔ اور مصطفےٰ کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کی دوکان پر لا چھوڑا۔ اور خود اپنے جتھے میں پہنچا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے مکان معلوم کرلیا ہے۔ آج رات اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیجئے۔ مرجینا نے جب سے مکان پر سفید نشان لگا ہوا دیکھا تھا۔ دل میں کھٹک گئی تھی اس لیے جب کبھی باہر جاتی آتی تو نہایت ہی احتیاط سے مکان اور دروازے کو دیکھ لیتی۔

کہ کوئی خلاف معمول چیز تو نہیں ہے۔ اس روز مرجینا گھر سے نکلی تو اس نے حسب عادت ہر حصے کو پورے غور خوض سے دیکھا۔ اتفاقاً اسے وہ سرخ نشان نظر آیا۔ جو ڈاکو لگا گیا تھا۔ اس نے اس قسم کے نشانات ہر دروازہ میں بنا دیئے اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

رات کو جب ڈاکو محلے میں پہنچے تو ہر مکان پر ایک ہی قسم کے نشانات دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ اور مجبوراً بے مراد واپس لوٹ گئے۔ اس ناکامی نے ان میں خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ اور وہ اپنے نامعلوم دشمن سے ڈرنے لگے۔

ٹھکانے میں واپس آ کر سب نے مشورہ کیا۔ لیکن ایسی کوئی ترکیب ان کی سمجھ میں نہ آئی اس وقت ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ میں خود جاتا ہوں۔ اور کوئی نہ کوئی انتظام کر کے آؤں گا۔ اس نے بھی مصطفےٰ درزی کو گانٹھا اور پہلی ترکیب کے مطابق قاسم کے مکان تک پہنچا۔ سردار نے آس پاس کے مکانوں کی وضع قطع وحیثیت ذہن نشین کرلی۔ اور جب اس کو یقین ہوگیا کہ اب میں اس مکان کو نہیں بھولوں گا۔ تو بغیر کسی قسم کا نشان لگائے ہوئے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں مکان کو دیکھ آیا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم سب کو لے کر پہنچ جاؤں گا اب میں جو ترکیب بتاتا ہوں وہ کرو۔

سب ڈاکو کہنے لگے کہ ہم ہمیشہ آپ کا حکم مانتے رہے ہیں۔ اس وقت بھی آپ جو کہیں گے اس کی حرف بحرف تعمیل ہوگی۔ سردار نے کہا ہم چالیس آدمی ہیں۔ بازار جا کر

انتالیس تیل کے اتنے بڑے کپے خرید لاؤ جن میں ایک ایک آدمی آسانی سے بیٹھ سکے اور ایک کپے میں تیل بھر لو اس کے ساتھ چالیس خچر کپے لادنے کے لیے لے آؤ۔ میں خود تیل کا سوداگر بنوں گا۔ اور تم سب کپوں میں بیٹھ جانا اس طرح ہم اپنے دشمن کے مکان پر پہنچ جائیں گے۔ اور میں کسی بہانے شب گزاری کی اجازت لے کر اس کے مکان پر لے جاؤں گا۔ اس کے بعد جب موقعہ ہوگا۔ ہم سب مل کر مالک کو قتل کر دیں گے۔ اور اپنا مال واپس لے آئیں گے۔ ڈاکوؤں نے تجویز کو بہت پسند کیا اور سردار کی دانائی کی بڑی تعریف کی۔ اس کے بعد یہ لوگ بازار گئے۔ اور مطلوبہ سامان فراہم کر لائے۔

شام کو سردار نے تمام ڈاکوؤں کو تیل کے کپوں میں بند کر دیا۔ اور کپوں کے منہ پر تیل لگا دیا۔ پھر خچروں پر لاد کر علی بابا کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں لوگوں سے مول تول کرتا ہوا علی بابا کے پاس اس وقت پہنچا جب کافی رات ہو چکی تھی۔ علی بابا مکان سے باہر ٹہل رہا تھا۔ سردار نے جا کر اس کو سلام کیا اور بڑی لجاجت سے درخواست کی۔ کہ میں دیہات کا رہنے والا تیل کا سوداگر ہوں۔ راستہ میں دیر ہو جانے کی وجہ سے رات گئے یہاں پہنچا ہوں۔ اگر آپ ایک شب اپنی حویلی میں ٹھہرنے کی اجازت دیں۔ تو بڑی نوازش ہوگی۔ علی بابا نے خوشی سے منظور کر لیا۔ اور ملازموں کو حکم دیا کہ ان کے ٹھہرنے کا مناسب انتظام کر دو۔ سردار نے علی بابا کے نوکروں کی مدد سے کپے منگوا کر ایک طرف رکھے۔ خچروں کو اصطبل میں باندھا اور ان کو گھاس ڈالنے کا انتظام کر کے علی بابا کے پاس آیا اور اس کا بے حد شکریہ ادا کیا۔

سوتے وقت علی بابا نے مرجینا کو ہدایت کی۔ کہ یہ ہمارے مہمان ہیں ان کی ضروریات کا خیال رکھنا۔ اور میں صبح سویرے غسل کروں گا۔ میرے لیے گرم پانی کپڑے اور شوربا تیار رکھنا مرجینا نے کہا بہتر ہے اور یہ کہہ کر واپس چلی گئی۔ اور علی بابا اپنی خواب گاہ میں جا کر لیٹ گیا۔ پھر ڈاکوؤں کا سردار خچروں کی دیکھ بھال کے بہانے کپوں کے پاس گیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو تاکید کر گیا۔ کہ جب تک میں آواز نہ دوں۔ ہرگز باہر نہ نکلنا۔ پھر وہ خود بھی جا کر لیٹ گیا۔

مرجینا اپنے سونے کے کمرے میں آئی تو خیال آیا کہ ممکن ہے صبح سویرے آنکھ نہ کھلے شوربا ابھی تیار کر کے رکھ دینا چاہیے۔ چنانچہ باورچی خانے میں گئی اور آگ جلا کر

شوربہ پکنے کے لیے رکھ دیا چراغ سے تیل ختم ہو گیا۔ مرجینا نے عبداللہ کو بلا کر کہا بازار سے تیل لے آؤ۔ چراغ گل ہو گیا ہے۔ اور مجھے مالک کے لیے شوربا تیار کرنا ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ اس وقت آدھی رات کو تیل کہاں سے ملے گا سب بازار بند ہوں گے۔ بقدر ضرورت تیل مہمان کے کپوں میں سے لے لو۔ صبح کو تیل کی قیمت دے دینا۔ مرجینا ''اچھا'' کہہ کر برتن لیے ہوئے تیل کے کپوں کے قریب آئی۔ اس کے پیروں کی آہٹ پا کر ڈاکو سمجھے کہ شاید سردار آیا ہے۔ اندر سے پوچھا کہ کیا کام کا وقت آ گیا۔

مرجینا آواز سن کر ایک دم رک گئی۔ لیکن فوراً اسے ان نشانوں کا خیال آیا جو دروازے پر دو مرتبہ دیکھ چکی تھی۔ اور سمجھ گئی۔ کہ یہ وہی ڈاکو ہیں جن کا خزانہ میرا مالک نکال لایا ہے۔ چنانچہ اس نے آواز بدل کر آہستہ سے کہا ''ابھی نہیں'' پھر امتحاناً ہر کپے کے پاس گئی تو سب میں سے آواز وہی آئی۔ کیا کام کا وقت آ گیا۔ اور ہر بار اس نے اسی طرح آہستگی سے جواب دیا کہ ابھی نہیں'' آخری کپے میں کوئی نہیں بولا۔ تو مرجینا نے اس کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ اس میں تیل تھا اس نے کچھ تیل اپنے برتن میں نکالا۔ اور واپس باورچی خانے میں آ کر چراغ روشن کیا۔ پھر شوربا کی دیگچی اتار کر ایک کڑاہ چولہے پر رکھ دیا۔ اور تیل والے کپے سے سارا تیل نکال کر کڑاہ میں ڈال دیا۔ اور آنچ تیز کر دی۔ جب تیل خوب کھولنے لگا تو ایک برتن میں لے کر نمبروار ہر کپے میں ڈالتی چلی گئی۔ اس طرح سارے ڈاکو تیل سے جل کر مر گئے اس کے بعد مرجینا علی بابا کے لیے شوربا گرم کرنے کو رکھ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور انتظار کرنے لگی۔ کہ دیکھو اب ڈاکوؤں کا سردار کیا کرتا ہے۔

ڈاکوؤں کے سردار کو جب یقین ہو گیا کہ سب گھر والے سو گئے ہیں۔ تو وہ اٹھا اور کپوں کے پاس جا کر آہستہ سے کہنے لگا۔ اٹھو کام کا وقت آ گیا۔ لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔ تو حیران ہو کر اس نے سب کپوں کو دیکھا۔ تو سارے کے سارے ڈاکو تیل سے جلے ہوئے مردہ پڑے تھے۔ یہ دیکھ کر سردار گھبرا گیا کہ میرا راز فاش ہو گیا ہے۔ مالک مکان نے سب کو ختم کر دیا۔ اب مجھے بھی نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ وہ دیوار پھاند کر بھاگ گیا۔

دیر تک انتظار کے باوجود جب مرجینا کو کوئی آواز نہ آئی۔ تو وہ اٹھی اور سب کمروں میں دیکھا۔ سردار کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو مردہ دیکھ کر بھاگ گیا ہے اس کے بعد مرجینا بھی اطمینان سے اپنے بستر پر لیٹ کر سو گئی۔

علی بابا صبح کو اٹھا اور غسل وتبدیلی لباس سے فارغ ہو کر شوربا پینے کے لیے باورچی خانے کی طرف گیا۔ تو دیکھا سب کپے رکھے ہیں۔ اس نے مرجینا سے کہا کہ شاید ہمارا مہمان ابھی سو کر نہیں اٹھا تم اس کے لیے ناشتہ تیار کرلو۔ تاکہ رخصت سے پہلے کچھ کھا پی لے۔ مرجینا نے عرض کیا کہ کیا سوداگران ڈاکوؤں کا سردار تھا۔ جن کی کمین گاہ میں آپ دو مرتبہ گئے۔ اور جہاں قاسم قتل کیا گیا تھا۔ آج وہ اپنے ساتھیوں کو کپوں میں بند کر کے ہمیں لوٹنے اور برباد کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس کے بعد اس نے رات کا کل واقعہ سنایا۔ کہ کس طرح تیل گرم کر کے میں نے سب کو کپوں کے اندر ہی ہلاک کر دیا۔ علی بابا نے کپوں کو جا کر دیکھا۔ تو واقعی ہر کپے میں ایک ایک ڈاکو جلا پڑا تھا۔ اس نے مرجینا کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے ملازموں کی مدد سے سب ڈاکوؤں کو ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ ان کے ہتھیاروں اور خچروں پر اپنا قبضہ کر لیا اور نہایت اطمینان سے رہنے لگا۔

ڈاکوؤں کا سردار علی بابا کے گھر سے بھاگا۔ تو سیدھا اپنے غار میں پہنچا اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ تب اسے اطمینان ہو گیا۔ کہ اب میں محفوظ ہوں اور جب اوسان درست ہوئے تو اس نے کل صورت حال پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قام کی کہ علی بابا بہت ہوشیار اور چالاک دشمن ہے اور کسی وقت ذرا سی چوک ہو گئی۔ تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ بہر حال اسے خیال آیا کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ لیکن اپنی دولت کا تصور آتا اور سوچتا کہ ہزاروں بار جان کو خطرہ میں ڈال کر اس نے دولت اکٹھی کی تھی۔ اور اب بلا محنت اس سے علی بابا مزے اڑا رہا تھا تو اس کے سینے پر سانپ لوٹ جاتا۔ اور انتقام کی تیز آگ دل میں بھڑکنے لگتی۔

دن رات انہی خیالوں میں الجھا رہنے کے بعد سردار اپنے محفوظ ٹھکانے سے باہر نکلا۔ اور یہ سوچ کر شہر کی طرف چلا۔ کہ جب علی بابا کے گھر سے انتالیس آدمیوں کی تیل سے جلی ہوئی لاشیں ملی ہوں گی۔ تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا ہو گا۔ اور کیا تعجب ہے کہ حکومت نے اس کو گرفتار کر لیا ہو۔ علی بابا کی امکانی گرفتاری کا خیال کر کے اس کے دل کو ایک قسم کی خوشی حاصل ہوئی۔ شہر پہنچ کر اس نے ایک سرائے دار سے شہر کی خاص خاص خبروں کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ سرائے کے مالک نے بہت سے قصے اور واقعات بتائے۔ لیکن ان میں علی بابا کا کوئی ذکر نہ آیا۔ یہاں سے مایوس ہو کر ڈاکوؤں کا سردار بازار میں آیا۔ جہاں دو چار آدمی کھڑے باتیں کرتے نظر آئے وہ بھی جا کر سننے لگا لیکن تمام دن کی کوشش اور محنت کے

باوجود اسے علی بابا کے متعلق کوئی چھوٹی سی بات بھی معلوم نہیں ہوئی۔ جس آدمی نے انتالیس کڑیل جوانوں کی لاشیں خورد برد کر دیں۔ وہ کوئی بہت ہی چالاک اور ہوشیار آدمی ہو گا۔

دوسرے دن لباس تبدیل کر کے وہ پھر اسی تلاش میں نکلا۔ اور اس محلے میں پہنچ کر جہاں علی بابا رہتا تھا ایک دوکان پر بیٹھ گیا۔ اس نے مختلف لوگوں اور خود علی بابا کو کئی بار نہایت اطمینان سے ادھر ادھر پھرتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ علی بابا سے خوف زدہ ہو گیا تھا لیکن انتقام کی آگ اس کے سینہ میں سرد نہ ہوئی تھی۔ اس نے ایک دوسری ترکیب سوچی اور علی بابا کے لڑکے کی دوکان کے بالمقابل جواہرات کی دوکان کھول کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا نام خواجہ حسن اور سکونت مصر ظاہر کی۔ دو چار روز کے بعد اس نے علی بابا کے لڑکے سے تعلقات بڑھانے شروع کیے گھنٹوں اس کی دوکان پر بیٹھتا۔ اپنی سیاحت کے قصے سناتا۔ اور کاروبار کے متعلق اچھے مشورے اس کو دیتا۔ کئی بار اس نے علی بابا کے لڑکے کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ سیر و شکار کے لیے گیا۔ اسی طرح اس سے اپنی دوستی بڑھالی۔ کہ ایک دوسرے پر مکمل اعتبار کرنے لگے۔ ڈاکو سردار کو یقین تھا۔ کہ اس طرح میرا آنا جانا علی بابا کے ہاں ہو جائے گا اور جب کبھی موقع ملا اس سے اپنا انتقام لے کر رہوں گا۔

ایک روز علی بابا کے لڑکے عبداللہ نے بھی اپنے باپ کی اجازت سے خواجہ حسن کو اپنے گھر مدعو کیا۔ علی بابا نے مرجینا کو بلا کر عمدہ کھانے تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور ہدایت کی کہ عبداللہ کا کوئی جوہری دوست مدعو ہے۔ کھانوں میں کوئی ایسی کمی نہ رہ جائے۔ جس سے ہمارے متعلق کوئی بری رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔

عبداللہ اپنی دوکان پر آیا اور سویرے ہی خواجہ حسن کو لے کر سیر و تفریح کے لیے چلا گیا۔ شام کو اپنے مہمان کے ساتھ گھر آیا۔ جہاں علی بابا نے خواجہ حسن کا بڑا اچھی طرح استقبال کیا۔ اور اس کی تشریف آوری پر اظہار مسرت فرمایا۔ خواجہ حسن نے بھی موزوں الفاظ میں اس کا جواب دیا۔ اور ادھر ادھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اثنائے گفتگو میں خواجہ حسن نے دعوت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہ میری طبیعت آج کل اچھی نہیں ہے۔ اور طبیب کی ہدایت کے مطابق نمک قطعاً نہیں کھاتا۔ علی بابا نے نہایت اخلاق سے کہا۔ کہ کوئی مضائقہ نہیں۔ اور مرجینا کے پاس اطلاع کرادی۔ کہ مہمان کسی وجہ سے نمک نہیں کھاتا۔ اس لیے اس کے لیے میٹھی چیزیں ہی استعمال کی جائیں۔ مرجینا یہ بات سن کر بہت حیران

ہوئی۔اور دل میں سوچا کہ ایسے مہمان کو ضرور دیکھنا چاہیے۔ جو نمک نہیں کھاتا۔ چنانچہ وہ کسی
بہانے سے علی بابا کے پاس آئی اور غور سے خواجہ حسن کو دیکھ کر پہچان گئی۔ کہ یہ تو وہی ڈاکوؤں
کا سردار ہے۔ جو پہلے تیل کا سوداگر بن کر آیا تھا اور غالباً میرے مالک سے انتقام لینے آیا
ہے۔ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ جب تک اس سردار کا انتظام نہیں کر لیتی۔ امن و
اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے خیالات لیے ہوئے۔ وہ باورچی خانہ میں واپس
آ گئی۔ اور کھانا تیار کرنے لگی۔ جب کھانا دستر خوان پر چنا جا چکا اور سب لوگ کھانے سے
فارغ نہیں ہوئے تھے۔ کہ مرجینا عبداللہ کو لیے ہوئے اندر داخل ہوئی اور آداب بجا لا کر علی
بابا سے کہنے لگی کہ اگر اجازت ہو تو مہمان کی خدمت میں کچھ گا کر سناؤں علی بابا مرجینا کے سلیقہ
سے بہت خوش ہوئے۔ اور اجازت دے دی۔ کہ گاؤ۔ کھانے کے برتن اٹھانے کے بعد
مرجینا نے گانے کے ساتھ ناچنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر اسی طرح رقص کرتی رہی۔ پھر ننگا
خنجر ہاتھ میں لے کر یہ کہہ کر رقص شروع کیا۔

مرجینا کا خنجر لے کر ناچنا

یہ رقص خنجر ہے۔ علی بابا خواجہ حسن اور عبداللہ بار بار اس کو انعام دیتے۔ اور وہ انعام
لینے کے لیے ایک خاص طرز سے ناچتی ہوئی باری باری ہر ایک کے پاس جاتی۔ ایک دفعہ
برہنہ خنجر ہاتھ میں بلند کر کے رقص کرتی ہوئی خواجہ حسن کی طرف چلی۔ اور اس سے پیشتر کہ
کوئی صورت حال سمجھ سکتا۔ مرجینا نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنا خنجر خواجہ حسن کے سینہ
میں اتار دیا۔ وار اتنا اچانک اور سخت تھا۔ کہ خواجہ حسن چند لمحے تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ علی
بابا اس کا بیٹا سناٹے میں آ گئے۔ اور جب اوسان بحال ہوئے۔ تو مرجینا سے پوچھنے لگے۔
کہ تو نے یہ کیا غضب کر دیا۔

مرجینا ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ اور دعائے درازی اقبال دے کر کہنے لگی۔ کہ یہ
شخص خواجہ حسن نہیں وہی ڈاکوؤں کا سردار ہے جو اب سے پہلے تین مرتبہ آپ کے قتل کی
کوشش کر چکا ہے۔ تھوڑے عرصے پہلے اپنے انتالیس آدمیوں کے ساتھ تیل کا سوداگر بن

کر یہاں ٹھہرا تھا میرے خیال میں اب اس کی نیت آپ کو لوٹنا اور مارنا تھا سب سے پہلے
اس وقت مجھے شبہ ہوا۔ جب آپ نے اطلاع بھیجی کہ مہمان نمک نہیں کھاتا۔ میں ایک
بہانے سے اسے دیکھنے آئی۔ اور پہچان کر چلی گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس نے نمک کھانے
سے اس لیے انکار کیا ہے کہ آپ کا نمک خوار بن کر آپ پر ہاتھ اٹھانا اس کے لیے مشکل
ہوتا۔ آپ اس کی جامہ تلاشی لے کر دیکھیے۔ مجھے یقین ہے کہ لباس میں ضرور کوئی آلہ قتل
پوشیدہ ہوگا۔ چنانچہ مقتول کے کپڑے ہٹا کر دیکھا تو واقعی ایک خنجر اس کے پاس موجود تھا۔
علی بابا نے جب غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ خواجہ حسن دراصل وہی تیل کا سوداگر ہے
جو پہلے آیا تھا علی بابا نے مرجینا کی دانائی اور ہوشیاری کی بہت تعریف کی اور اسی وقت اس کو
آزاد کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ان سب نے مل کر مصنوعی
خواجہ حسن کی لاش کو گہرے گڑھے میں دفن کر دیا۔

چند روز گزرنے کے بعد علی بابا نے مرجینا کی شادی عبداللہ سے کر دی۔ اور ایام عدت
گزرنے کے بعد مرحوم قاسم کی بیوہ سے خود عقد کر لیا۔ اور سب امن و چین سے رہنے سہنے
لگے۔

یہ قصہ ختم کر کے شہرزاد نے بادشاہ کی طرف دیکھا شہریار نے بڑی محبت سے اس کی
کہانی کی تعریف کی۔ اور نئے قصے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ چنانچہ اس روز بھی شہرزاد کے قتل کے
متعلق کوئی حکم جاری نہ ہوا۔ شہرزاد کے والد وزیر مملکت نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ غالباً اب
شہریار اپنی اس دیرینہ ظالمانہ حرکت کو ترک کر دے گا جسے اس نے اپنی پہلی بیوی کی بیوفائی
سے متاثر ہو کر اختیار کر رکھا تھا۔

علی خواجہ اور ایک تاجر

اگلی شب کو شہرزاد نے حسب معمول کہانی شروع کی۔
خلفائے عباسیہ کے عہد حکومت میں ایک مشہور و معروف بادشاہ ہارون الرشید گزرا
ہے۔ جس کی شوکت رعب سے دنیا کانپتی تھی۔ اس کا انصاف و عدل دور دور تک مشہور تھا۔
غریب اور زمانے کے ستائے ہوئے بے کس انسان اس کے ظلِ رحمت میں پناہ

حاصل کرتے تھے اسی خلیفہ کے دور حکومت میں ایک متوسط الحال تاجر خواجہ بغداد میں رہا کرتا
تھا۔ اور وہ امراء بغداد میں شمار ہوتا تھا۔ اور نہ ایسا مفلس تھا کہ ہر وقت پریشان رہتا نہ وہ کسی
کا مقروض تھا اور نہ اس کا کسی پر قرض تھا۔ وہ ایک دیانتدار چھوٹا سا سوداگر تھا۔ وہ اپنے گھر
میں تنہا رہتا تھا۔ ماں باپ مر چکے تھے بھائی بہن کوئی تھا ہی نہیں۔ شادی بالا ارادہ نہیں کی
تھی۔ کیونکہ وہ زندگی کے جھمیلے اور پریشانیوں سے گھبراتا تھا۔ کفایت شعاری اور تنہا ہونے
کی وجہ سے اس کے پاس ڈیڑھ ہزار اشرفیاں پس انداز ہو چکی تھیں۔ یہی اس کا کل اثاثہ
تھا۔ ایک روز خواب میں اس نے دیکھا کہ کوئی شخص اس سے کہہ رہا ہے کہ علی خواجہ تمہیں حج
کرنا چاہیے۔ تمہارے پاس کافی سرمایہ ہے صبح کو اٹھا تو اس نے معمولی بات سمجھ کر نظر انداز
کر دیا۔ لیکن دوسری اور تیسری شب کو پھر اس نے یہی خواب دیکھا۔ تو طے کر لیا کہ مجھے
ضرور حج کے لیے جانا چاہیے۔

چنانچہ تیاری سفر کر کے اس نے پانچ سو اشرفیاں تو اپنے ساتھ رکھ لیں۔ باقی ایک ہزار
کے لیے پریشان تھا کہ کہاں رکھوں سفر میں اتنی بڑی رقم لیے پھرنا کسی طرح موزوں نہ تھا
سوچتے سوچتے اسے ایک دوست تاجر کا خیال آیا۔ جو بہت نیک اور دیانتدار مشہور تھا۔ اس
نے فوراً ایک گھڑے میں ہزار اشرفیاں گن کر رکھیں اور اوپر سے روغن زیتون ڈال دیا پھر
گھڑے کا منہ بند کر کے اپنے دوست کے یہاں لے آیا سلام دعا کے بعد علی خواجہ نے اپنے
سفر حج کا ذکر کر کے گھڑا امانت رکھنے کی درخواست کی۔ تاجر نے مبارکباد دیتے ہوئے گودام
کی کنجیاں علی خواجہ کو دے دیں۔ اور کہا کہ اپنی حسب منشا جہاں مناسب سمجھو وہاں رکھ دو۔
انشاء اللہ اسی طرح واپس مل جائے گا۔ علی خواجہ نے گودام کھول کر اپنا گھڑا رکھ دیا۔ اور خود سفر
حج کے لیے روانہ ہو گیا۔ فریضہ حج سے فراغت کے بعد چونکہ کافی سرمایہ بچ گیا تھا۔ اس لیے
علی خواجہ نے مختلف مال خرید لیا۔ اور جدہ وغیرہ سے ہوتا ہوا مصر جا پہنچا۔ جہاں کاروبار میں
اس کو کافی منافع ہوا پھر وہاں سے مال خرید کر یروشلم۔ بیت اللحم پہنچا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کو یہود نے مصلوب کرنے کی کوشش کی تھی۔ پھر مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لیے بیت
المقدس گیا اور وہاں سے مال ادل بدل کر کے دمشق آیا۔ کچھ دن یہاں ٹھہرا۔ اور پورے
سات سال کے سفر و کاروبار کے بعد بغداد میں داخل ہوا۔

علی خواجہ کے حج پر جانے کے بعد اس کا دوست تاجر بھول گیا۔ کہ اس کے پاس کوئی

امانت رکھی ہے یا نہیں۔ یہاں تک کہ حجاج واپس آئے۔ اور علی خواجہ کا ذکر چھڑا تو اسے یاد
آیا کہ اس کا روغن زیتون کا ایک گھڑا میرے گودام میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اپنے دوست کی
واپسی کا منتظر ہے لیکن ساڑھے چھ سال گزر گئے لیکن اس کا دوست علی خواجہ واپس نہ آیا۔
ایک روز رات کو انہیں روغن کی ضرورت پیش آئی۔ بازار بند تھا۔ سوداگر نے اپنی
بیوی سے ذکر کیا۔ کہ علی خواجہ حج کو جاتے ہوئے اپنا روغن زیتون میرے پاس رکھوا گیا تھا
اس میں سے تھوڑا سا نکال لو۔ اس کی بیوی نے منع کیا۔ کہ امانت میں خیانت ناجائز ہے اس
کو نہ چھیڑو لیکن وہ نہ مانا۔ اور کہنے لگا کہ اتنی مدت گزر گئی اس کا آج تک کچھ پتہ نشان نہیں ملا
کیا تعجب ہے مر گیا ہو گا۔ اگر آ بھی گیا تو اس کو بتا دوں گا اور جتنا تیل ہے واپس کر دوں گا
بیوی پھر بھی منع کرتی رہی۔ لیکن سوداگر کنجی لے کر گودام میں چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے
گھڑا کھولا۔ اور تیل نکال کر گھر آنے لگا تو تیل میں اس کو ایک اشرفی نظر آئی جو غالباً تیل
لیتے وقت اچھل کر باہر آ گئی تھی سوداگر کو بہت تعجب ہوا اور وہ دوبارہ گودام میں آیا۔ گھڑا
کھول کر اچھی طرح دیکھا تو اس میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے ہنس کر دل میں کہا
کہ علی خواجہ بہت چالاک آدمی ہے خوب حفاظت کا انتظام سوچا۔ اس کے بعد تاجر نے سب
اشرفیاں نکال لیں۔ کچھ تو اشرفیاں نکلنے سے اور کچھ تیل نکال لینے سے گھڑا خالی ہو گیا۔
دوسرے دن اس نے تازہ روغن زیتون لے کر گھڑے میں بند کر دیا۔ اور منہ بند کر کے وہیں
رکھ دیا۔ جہاں خواجہ چھوڑ گیا تھا۔

اس واقعہ کو بھی دو تین ماہ گزر گئے۔ اتفاقاً اس وقت گھومتا پھرتا علی خواجہ بغداد آ گیا اور
ایک روز اپنے دوست سے ملنے گیا۔ اس نے بڑی آؤ بھگت کی۔ اور حج سے فارغ ہونے پر
مبارکباد دی۔ پھر کچھ دیر علی خواجہ اپنے سفر کا حال سناتا رہا۔ جب چلنے لگا تو اپنی امانت کا
سوال کرنے لگا۔ تاجر نے نہایت لاپرواہی سے کنجیاں اس کے آگے ڈال دیں۔ اور کہا
جہاں تم نے وہ گھڑا رکھا ہو گا وہیں سے دیکھ کر اٹھا لیجئے مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ کی
امانت کون سی ہے علی خواجہ گودام میں گیا اور اپنا گھڑا پہچان کر اٹھا لیا۔ باہر آ کر دوست کا
شکریہ ادا کیا۔ اور خوشی خوشی اپنے گھر پہنچا۔ گھڑا کھول کر جب اشرفیاں نکالنے کا ارادہ کیا۔ تو
دیکھا کہ گھڑا خالی ہے۔ صرف روغن زیتون بھرا ہوا ہے۔ علی خواجہ گھبرا گیا۔ اور الٹے پیر ولا
دوست کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں نے جو گھڑا آپ کے پاس رکھا ہوا تھا۔ اس میں ایک

ہزار اشرفیاں تھیں۔ اگر آپ نے ضرورت سے استعمال کر لی ہیں تو مجھے واپس کر دیجئے گا۔
جب گنجائش ہوگی دے دیجئے گا تاجر نے بڑی کڑی نظروں سے دیکھ کر اشرفیوں کے متعلق
صاف انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا کہ تم نے تو مجھ سے صرف تیل کا ذکر کیا تھا۔ اس وقت اشرفیوں
کا ذکر تک نہ آیا۔ لیکن اب تم اشرفیاں بتانے لگے مجھے کچھ معلوم نہیں خواجہ نے منت سماجت
کی اور دھمکیاں دیں۔ لیکن بے سود رہا۔ آخر روتا پیٹتا گھر واپس آیا وہ دن اور تمام رات اس
نے بڑے رنج وغم میں گزاری۔ صبح چند دوستوں سے ذکر کیا وہ بھی افسوس کرنے لگے آخر
تجویز ہوئی کہ قاضی کے ہاں معاملہ پیش کیا جائے۔ علی خواجہ نے قاضی کے سامنے اپنا معاملہ
رکھا۔ تاجر نے صاف لفظوں میں انکار کیا۔ بلکہ ایک شخص کو شہادت میں بھی پیش کر دیا۔ کہ علی
خواجہ نے امانت رکھتے ہوئے صرف یہی کہا تھا کہ میں اپنا روغن زیتون کا گھڑا رکھ کر جا رہا
ہوں۔ اشرفیوں کا ذکر نہیں آیا۔ قاضی نے عدم ثبوت میں دعویٰ خارج کر دیا۔ مقدمہ کی کافی
شہرت ہوگئی۔ بغداد میں ہر جگہ اس واقعہ کا ذکر تھا۔ بعض لوگ علی خواجہ کو مظلوم سمجھتے تھے۔ اور
بعض کا خیال تھا کہ وہ بددیانتی کر رہا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ علی خواجہ نے اپنا معاملہ
بالآخر خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں پیش کیا۔ خلیفہ نے دوسرے روز دونوں فریق کو
حاضر ہونے کا حکم دیا۔ رات کو حسب معمول لباس تبدیل کر کے خلیفہ جعفر و مسرور گشت کے
لیے نکلے۔ اور لوگوں کے حالات دیکھے اور اعمال کے متعلق لوگوں کی رائے زنی سنتے ایک
محلہ میں جا نکلے جہاں کچھ لڑکے اکٹھے کھیل رہے تھے۔ اتفاقاً جس وقت یہ لوگ پہنچے۔ اسی
وقت ایک بڑے لڑکے نے تجویز پیش کی۔ آؤ قاضی کا کھیل کھیلیں۔ میں قاضی بنتا ہوں۔
اور تم علی خواجہ اور تاجر کا مقدمہ پیش کرو۔ قاضی صاحب کا فیصلہ ٹھیک نہیں۔ میں انصاف
کروں گا۔ خلیفہ نے جعفر سے متوجہ ہو کر کہا کہ بچوں کا تماشا دیکھ کر چلیں۔ ایک طرف ہٹ
کر کھڑے ہو جاؤ۔ دیکھیں گے اس معاملے میں لوگوں کی ذہنیت کیا ہے۔ کیونکہ یہ بچے وہی
کریں گے اور کہیں گے جو دوسروں سے سنتے ہیں۔

قاضی بن کر لڑکوں کا فیصلہ

ان لڑکوں میں سے بڑا لڑکا تو قاضی بن کر بیٹھ گیا۔ اور ایک لڑکا علی خواجہ مدعی بنا اور
دوسرے کو تاجر بنایا۔ اور چند بچے سپاہی تجویز ہوئے۔ علی خواجہ نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ کہ آج
سے تقریباً سات سال پہلے میں نے ایک گھڑے میں ایک ہزار اشرفیاں رکھ کر اوپر روغن
زیتون بھر دیا تھا اور وہ گھڑا حج کو جاتے ہوئے اس تاجر کے پاس بطور امانت چھوڑ گیا تھا۔
بعض حالات کی وجہ سے میرے آنے میں دیر ہوگئی۔ جب واپس آ کر میں نے اپنا گھڑا
مانگا۔ تو اس نے مجھے اپنے گودام سے گھڑا اٹھوا دیا۔ میں اس کو لے کر گھر آیا۔ اور جب کھول
کر دیکھا۔ تو اس میں صرف تیل تھا۔ اشرفی ایک بھی نہ تھی۔ قاضی نے علی خواجہ سے سوال
کیا۔ کہ گھڑا رکھتے وقت تم نے اس کو بتایا۔ کہ اس گھڑے میں اشرفیاں بھی ہیں۔ علی خواجہ
نے جواب دیا نہیں پھر اس لڑکے نے جو قاضی بنا ہوا تھا تاجر سے سوال کیا۔ کہ تم کیا کہتے ہو؟
تاجر نے جواب دیا۔ کہ مجھے اس کی اشرفیوں کا کوئی علم نہیں ہے عام حالات میں اس کی بھی
کوئی وجہ نہیں تھی کہ گھڑے میں مال ہوگا۔ تاکہ میں اس کے لیے گھڑا کھول کر دیکھتا۔ اس کی
قسم کھانے کو بھی تیار ہوں۔ قاضی نے کہا ٹھیک ہے پھر علی خواجہ سے متوجہ ہو کر کہا۔ کہ وہ گھڑا
لاؤ۔ جس میں اشرفیاں تھیں۔ لڑکے نے ایک گھڑا لا کر رکھ دیا۔ قاضی لڑکے نے اس کو دیکھا
اور پھر سپاہیوں سے کہا کہ شہر سے چند دوا فروشوں کو بلاؤ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جو تیل
گھڑے میں بھرا ہوا ہے وہ سات سال پرانا ہے یا تازہ؟ سپاہی لڑکے تین چار لڑکوں کو
لائے۔ اور قاضی کے سامنے پیش کیا قاضی نے ان سے کہا کہ تم اس گھڑے کا تیل دیکھ کر
ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ کہ یہ کتنی مدت کا ہے۔ ان لڑکوں نے جھوٹ موٹ تیل دیکھا پھر چکھا اور
آپس میں مشورہ کر کے کہا۔ حضور یہ تیل زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کا نکلا ہوا ہے۔ قاضی نے کہا
کہ تم کیسے کہتے ہو۔ کہ تیل اتنی مدت کا ہے مدعی و مدعا علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ
تیل کم از کم سات سال کا پرانا ہے۔ ہماری عمر اسی کام میں گزری ہے کیا ہم نئے اور پرانے
تیل کی شناخت نہیں کر سکتے۔ یہ تیل ہرگز زیادہ دنوں کا نہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ
ہے کہ پرانے تیل میں چکٹ پیدا ہو جاتی ہے جو اس میں بالکل ہی موجود نہیں آپ سب

حاضرین اس کو چکھ کر دیکھیں بالکل تازہ زیتون کی خوشبو آ رہی ہے۔ قاضی نے تاجر کو مخاطب کر کے کہا کہ اچھا ان سب کو جانے دو تم خود چکھ کر بتاؤ کہ تیل نیا ہے یا پرانا۔

تاجر ڈر گیا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا حضور مجھے معاف فرمائیں۔ بے شک مجھ سے غلطی ہوئی۔ اور میں نے ہی اشرفیاں نکالی ہیں۔ میں اس کا زرنقد ادا کرنے کو تیار ہوں اور جو آپ جرمانہ فرمائیں وہ بھی ادا کروں گا۔ نقلی قاضی نے کہا ہرگز نہیں تم بد دیانت ہو اور تم نے خیانت کا اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ اس کی سزا معمولی نہیں ہو سکتی میں تمہیں پھانسی کی سزا دیتا ہوں۔ قاضی کا فیصلہ سن کر لڑکے تالیاں پیٹنے لگے۔ اور کھیل ختم کر کے اپنے اپنے گھر کو چلے گئے۔

خلیفہ اور جعفر لڑکوں کی ذہانت اور کارروائی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ خلیفہ نے جعفر کو مخاطب کر کے کہا کہ کل ان بچوں کو دربار میں طلب کرو۔ میں علی خواجہ کے مقدمہ کا فیصلہ انہی سے کراؤں گا۔ اس لڑکے کی ہوشیاری دیکھ کر میں بہت خوش ہوا ہوں۔ جعفر بھی دیر تک تعریف کرتا رہا اور کہنے لگا کہ ایسا شاندار فیصلہ تو ہم بھی نہ کر سکتے۔ خلیفہ نے کہا ہاں! بہت عجیب اتفاق ہے اس کے بعد سب واپس چلے گئے۔

دوسرے روز جعفر نے علی خواجہ کو اطلاع بھیجی کہ اپنے ساتھ وہ متنازعہ گھڑا بھی لیتے آئیے۔ سب بچوں کو بلا کر اس نے خوب شاباش دی۔ اور ہمت دلائی کہ جس طرح رات تم نے فیصلہ کیا تھا اسی طرح خلیفہ کے سامنے کرنا تمہیں بہت انعام ملے گا۔ پھر سب کو خلیفہ کے حضور پیش کیا۔ خلیفہ نے بڑی محبت سے لڑکے کو پاس بٹھا کر کہا۔ اب اس مقدمے کا فیصلہ تم ہی کرو۔ لڑکے نے علی خواجہ سے کہا کہ آپ اپنا دعویٰ پیش کیجئے۔ علی خواجہ نے سارا واقعہ سنایا پھر لڑکے نے تاجر سے کہا۔ کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ اس نے انکار کیا۔ لڑکے نے خود تیل کو چکھ کر حکم دیا کہ تیل فروش بلائے جائیں۔ چنانچہ اسی وقت تیل فروش آ گئے۔ انہوں نے دیکھ کر بتایا کہ تیل بالکل نیا اور تازہ ہے۔ پھر لڑکے نے اہل دربار سے کہا آپ بھی دیکھ لیجئے۔ اس کے بعد وہ تاجر سے مخاطب ہو کر بولا۔ کہ تم نے سن لیا ہے حاضرین اس تیل کو نیا بتاتے ہیں حالانکہ تم اور خواجہ دونوں تسلیم کرتے ہو کہ یہ گھڑا سات سال پہلے رکھا گیا تھا۔ اب اگر تم نے اس کا منہ نہیں کھولا۔ اور اشرفیاں نکال کر اس میں دوسرا تیل نہیں ڈالا۔ تو پھر یہ کہاں سے آیا۔

خلیفہ نے بہ نگاہ قہر تاجر کی طرف دیکھ کر کہا۔ جواب دو تاجر خوف سے کانپ گیا اور ہاتھ جوڑ کر اقرار جرم کر لیا۔ اور معافی مانگنے لگا۔ لڑکے نے خلیفہ کی طرف دیکھ کر کہا اور دست بستہ عرض کیا۔ کہ حضور! فیصلہ تو ہو گیا۔ اب معاف کرنا یا سزا دینا آپ کا کام ہے۔

خلیفہ نے یہ سن کر لڑکے کو بہت پیار کیا تمام درباری اس کی ذہانت دیکھ کر حیران ہو گئے خلیفہ نے قاضی شہر کو تنبیہہ کی۔ کہ آئندہ غور سے مقدمے کو سنا کرو۔ سوداگر کو حکم دیا کہ وہ علی خواجہ کو اشرفیاں واپس کر دے اور چھ ماہ جیل خانے میں رہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے لڑکے کو ایک ہزار اشرفیاں انعام دیں۔ اور اس کے والد کو حکم دیا۔ کہ اس کی تعلیم میں پوری جدوجہد کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ لڑکا آئندہ قابل ترین شخصیت کا مالک ہو گا۔

یہ کہانی سنا کر شہرزاد نے عرض کی کہ انشاء اللہ کل مشینی گھوڑے کا قصہ سناؤں گی۔ جو بے حد دلچسپ داستان ہے۔

مشینی گھوڑا

رات کو جب بادشاہ بستر پر لیٹ چکا تو دینازاد نے مشین کے گھوڑے کی کہانی کی فرمائش کی۔ شہرزاد نے شہریار سے اجازت لے کر اس طرح قصہ شروع کیا۔

قدیم زمانے میں جب ایرانیوں کا مذہب آتش پرست تھا۔ وہاں ایک بادشاہ تھا۔ جو بہت ہی عادل اور انصاف پسند تھا۔ اس کی رعایا شاد۔ ملک آباد اور بڑے امن وچین سے وقت گزر رہا تھا۔ بادشاہ کا دستور تھا کہ سال کے پہلے دن عید کا روز مناتا۔ سب امیر و غریب شہر سے باہر ایک میدان میں جمع ہوتے۔ مختلف قسم کے کھیل کود دکھائے جاتے۔ نیزہ بازی۔ تیراندازی۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلے ہوتے۔ بادشاہ بہ نفس نفیس اس تقریب میں شریک ہوتا۔ اس روز بادشاہ کے سامنے نذریں پیش کی جاتیں۔ اور دور دور سے لوگ عجیب و غریب چیزیں لا کر پیش کرتے اور انعام پاتے۔

مشینی گھوڑے پر شہزادے کا اڑنا

اس قسم کے ایک نوروز میں ایک ہندوستانی کاریگر نے ایک لکڑی کا گھوڑا پیش کیا۔ جو سونے چاندی کے سازوسامان سے مزین تھا۔ بادشاہ نے اس کو دیکھ کر پوچھا کہ اس میں خاص بات کیا ہے؟ یوں تو لکڑی کا گھوڑا یہاں بھی ہر کاریگر بنا سکتا ہے۔ ہندوستانی کاریگر نے عرض کیا کہ حضور! یہ مشین کا گھوڑا ہے اس پر سوار ہو کر آدمی آسمان پر اڑ سکتا ہے۔ اور جب چاہیں نیچے اتار سکتے ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت حیران ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اگر واقعی اس میں یہ کمال ہے۔ تو اس کے نادرو نایاب ہونے میں کلام نہیں۔ لیکن بغیر تجربے کے اطمینان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کاریگر نے کہا آپ حکم دیں۔ میں اس کا کام دکھاؤں۔ بادشاہ نے کہا کہ فلاں پہاڑ پر ایک قسم کا درخت ہے اس کا پتہ لاؤ۔

ہندوستانی کاریگر نے جھک کر سلام کیا پھر گھوڑے پر سوار ہو کر اس کا ایک ہینڈل مروڑا گھوڑا زمین سے بلند ہو کر آسمان کی طرف اڑنے لگا۔ یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بادشاہ او حاضرین اس کی کرامات سے بہت متعجب ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پھر وہی گھوڑا اترتا ہوا نظر آیا۔ اور لمحہ بھر میں زمین پر آ کر ٹھہر گیا۔ کاریگر نے گھوڑے سے اتر کر مطلوبہ پتہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے گھوڑے اور کاریگر کی بہت تعریف کی۔ اور کہنے لگا کہ بے شک یہ عجائبات عالم میں ایک چیز ہے۔ اور میں اس کو لینے کے لیے تیار ہوں۔ بتاؤ تم اس کے عوض کیا لینا چاہتے ہو کاریگر کہنے لگا۔ کہ مجھے روپیہ پیسہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ حضور میری شادی اپنی صاحبزادی سے کر دیں۔ بس یہی اس کی قیمت ہے۔ کاریگر کی بات سن کر حاضرین سناٹے میں آ گئے لیکن شاہ ایران ناراض نہیں ہوا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ بادشاہ کے لڑکے شہزادہ فیروز نے سوچا کہ گھوڑے کی ذات دیکھ کر والد پسند کر چکے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شادی کا اقرار کر لیں اور سارے زمانے میں ہماری بے عزتی ہو کہ شاہ ایران کا داماد ایک بڑھئی ہے۔ اس گھوڑے کا کچھ انتظام کرنا چاہیے۔ پھر اس نے خیال کیا کہ کیوں نہ میں اس پر سوار ہو کر اڑ جاؤں۔ اور چند روز غائب رہوں۔ والد اس کاریگر کو قتل کرا دیں گے اور اس طرح ہم بے عزتی سے بچ

جائیں گے۔ چنانچہ اس سے پیشتر کہ بادشاہ کاریگر کو کچھ جواب دیتا۔ شہزادہ فیروز آگے بڑھا کہ آپ کے انکار و اقرار سے پہلے میں بھی اس گھوڑے کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا بے شک تم بھی اس کا امتحان کر لو۔ کیونکہ ایسا عجیب گھوڑا روئے زمین پر کسی دوسرے بادشاہ کے پاس نہ ہوگا۔ اور میں اس کو ضرور حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور پھر اس سے پہلے کہ کاریگر کچھ کہہ سکتا۔ شہزادے نے گھوڑے پر ایک دم سوار ہو کر اڑنے والی کل گھما دی۔ گھوڑا ایک دم آناً فاناً نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

جب شہزادہ فیروز اس طرح اڑ کر چلا گیا تو ہندوستانی کاریگر آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ شہزادے نے میری بات تک نہ سنی۔ اور کل گھما کر اڑا کر لے گئے۔ میرے خیال میں انہیں ابھی یہ معلوم نہیں کہ اس کو نیچے کس طرح اتارنا چاہیے کئی کلیں اس میں اور بھی لگی ہوئی ہیں۔ بعض سے رفتار تیز ہوتی ہے۔ بعض اس کا رخ بدلتی ہیں۔ کچھ بلندی کو گھٹاتی بڑھاتی ہیں۔ اگر نیچے اتارنے والی کل نہ ملی تو شہزادہ کب تک اس طرح ہوا میں اڑتے رہیں گے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ ضرورت وقت وہ مجبوراً ساری کلوں کو ہلائیں گے۔ تو کسی نہ کسی وقت پر نیچے اتارنے والی کل ہاتھ لگ ہی جائے گی۔ پھر کتنی مصیبت اور پریشانی انہوں نے اپنی جلد بازی سے پیدا کر دی بادشاہ سن کر بہت ہی پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ فیروز نے اتفاقاً نیچے اترنے کی کل بھی گھما دی اور نیچے اتر ہی آیا۔ وہ جگہ دریا یا پہاڑ ہوئی تو کیا ہوگا کاریگر نے کہا۔ کہ گھوڑا نیچے تک تو صحیح سالم اتار لائے گا۔ اس کے بعد کی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر شہزادہ بخیروخوبی واپس نہ آیا تو میں تمہیں قتل کرا دوں گا۔ کاریگر ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔ کہ حضور! اس میں میرا کیا قصور ہے شہزادے نے گھوڑے کی پوری ترکیب نہ سمجھی۔ مجھے اس کا کوئی حال تک نہ کہنے دیا۔ اور اس پر بیٹھ کر پرواز شروع کر دی۔ میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ میں ان کو روک سکتا۔ بادشاہ نے کہا خیر دیکھا جائے گا لیکن شہزادے کی واپسی تک تم یہاں سے نہیں جا سکو گے۔ پھر اس نے کوتوال کو حکم دیا کہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھو۔ اس کے بعد بادشاہ بڑی سراسیمگی کے عالم میں محل کی طرف چلا اور میلہ درہم برہم ہو گیا۔

شہزادہ فیروز گھوڑے پر سو کر گھوڑے کو اتارنے کے لیے مختلف کلوں کو گھمانے لگا لیکن جوں جوں وہ پرزوں کو ہلاتا۔ بلندی بڑھتی جاتی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے پہاڑ ریت کے

ذرات معلوم ہونے لگے۔ اس وقت فیروز کی طبیعت اتنی گھبرائی کہ ممکن تھا وہ اپنا توازن کھو بیٹھتا۔ لیکن بڑی جدوجہد سے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اوسان بحال کر کے سوچا۔ کہ کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ بہرحال اترنے کے لیے کوئی نہ کوئی پرزہ ضرور ہوگا بڑی دیر کی کوشش کے بعد آخر اس کو بائیں جانب ایک کل ملی جب اس کو گھمایا۔ تو گھوڑا نیچے اترنے لگا۔ فیروز کو بہت تسلی ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ ایک جگہ اتر گیا۔ یہ رات کا وقت تھا اس کو کوئی اندازہ نہ ہو سکا کہ میں کہاں ہوں گھوڑے سے اتر کر جب اس نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی محل کی چھت پر کھڑا ہے۔ وہ خوفزدہ ہو گیا۔ کہ اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا تو کیا خیال کرے گا۔ ممکن ہے چور سمجھ کر گرفتار کر لیا جاؤں وہ دیر تک اسی شش و پنج میں رہا۔ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو نیچے اتر کر دیکھنا چاہیے۔ کہ کس کا مکان ہے۔ ممکن ہے میری حالت پر رحم آ جائے لیکن اگر امید کے خلاف کوئی خطرہ نظر آیا تو گھوڑے پر سوار ہو کر اڑ جاؤں گا۔ یہ طے کر کے شہزادہ فیروز زینہ کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ معمولی جستجو کے بعد اسے زینہ مل گیا۔ اور وہ بغیر کسی آہٹ کے نیچے اترنے لگا۔ اندر سے محل نہایت آراستہ و پیراستہ تھا۔ ہر طرف کافوری شمعیں جل رہی تھیں دالان میں کئی خواجہ سرا آرام کی نیند سو رہے تھے اس سے آگے کمرے میں چند نہایت حسین سلونی رنگ کی کنیزیں محو خواب تھیں شہزادے نے اندازے سے معلوم کر لیا۔ کہ یہ شاہی زنانہ محل ہے ہمت کر کے اور آگے بڑھا تو ایک کمرے کے دروازے پر ریشمی پردے لٹک رہے تھے جابجا نہایت نایاب تصاویر آویزاں تھیں۔ اندر گیا تو دیکھا کہ نازک سے چھپر کھٹ پر ایک حسین وجمیل نوعمر شہزادی شب خوابی کے لباس میں آسودہ خواب تھی۔ فیروز رعنائی جمال دیکھ کر ہزار جان سے عاشق ہو گیا اتفاقاً شہزادی کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ اپنے کمرے میں ایک غیر شخص کو دیکھ کر ڈر گئی۔ قریب تھا کہ اس کی چیخ نکل جائے۔ لیکن شہزادے نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ سزا سے پہلے میری داستان مصیبت سن لیجئے مجھے یقین ہے کہ یہ عجیب و غریب روداد سن کر آپ بھی مجھ سے ہمدردی کرنے پر مجبور ہو جائیں گی شہزادی اس عرصہ میں اپنے اوسان بحال کر چکی تھی۔ اب جو اس نے غور سے فیروز کو دیکھا تو اس کے بھی دل کے ایک کونے میں پیار جاگ اٹھا۔ شہزادی نے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ۔ کہ تم کون ہو اور کس طرح یہاں تک پہنچے۔

شہزادے نے ایک طرف بیٹھ کر ادب سے اپنا واقعہ سنایا۔ کہ میں ایران کا شہزادہ ہوں آج صبح عید نوروز کے بعد ایک ہندی کاریگر کل کا گھوڑا لایا۔ جس کو میرے والد نے تجربے کے بعد بے حد پسند کیا۔ لیکن اس کاریگر نے معاوضہ میں بادشاہ کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ پس میں غیرت کے جوش میں بغیر گھوڑے کی پوری ماہیت دریافت کرنے کے اس پر بیٹھ گیا۔ اور اڑا لیا لیکن اتارنا نہ جانتا تھا تمام دن ہوا میں اڑتا رہا اور یہ ارادہ تھا کہ اس کو تباہ کر دوں تاکہ ایک ادنیٰ آدمی سے بہن کی شادی کو روک سکوں۔ میں اڑنے کو تو فوراً اڑ گیا۔ اب بمشکل نیچے اترنے کی کل معلوم ہونے سے اندھیرے میں آپ کے محل کی چھت پر اتر گیا۔ اور راستے کی تلاش میں یہاں تک آیا۔ لیکن آہ! یہاں آ کر میں اپنے آپ کو بھی بھول گیا۔ شہزادی، فیروز کا آخری فقرہ سن کر شرما گئی۔ اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگی۔ کہ آپ کی داستان واقعی عجیب ہے لیکن اطمینان رکھیئے۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں صبح آپ کا مشینی گھوڑا بھی دیکھوں گی۔ اس کے بعد اس نے اپنی خاص کنیز کو جگایا۔ اور سب حال بیان کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ اس شہزادے کو میں پیاری لگی ہوں۔ چند روز مہمان رکھوں گی اس کا راز کسی پر ظاہر نہ کرنا کنیزوں نے اٹھ کر اسی وقت شہزادے کے لیے کھانا وغیرہ تیار کیا۔ شہزادہ فیروز کھانا کھا چکا۔ تو ایک الگ کمرے میں اس کے سونے کا انتظام کر دیا گیا۔ دوسرے روز شہزادی نے کہلا بھیجا۔ کہ تم ابھی باہر نہ نکلنا۔ میں وہیں آ کر ملوں گی۔ فیروز ضرورت سے فارغ ہو کر اس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں شہزادی آئی اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ دوران گفتگو میں شہزادے کو معلوم ہوا کہ جہاں میں آج کل ہوں یہ ملک بنگلہ ہے اور میری محسنہ یہاں کی شہزادی ہے۔ بنگالی شہزادی نے بڑی احتیاط سے اس کو محل میں رکھا چند روز میں دونوں بے تکلف ہو گئے فیروز نے اپنی محبت کا اظہار کیا شہزادی نے شرما کر اس کی پوری پذیرائی کی۔ اور ایک روز کہنے لگی۔ کہ آپ میرے والد سے ملیں۔ اور اظہار مدعا کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ منظور کر لیں گے شہزادے نے عذر کیا کہ اس غریب الوطنی کی حالت میں کیسے ان کو یقین آئے گا؟ میرا ملک یہاں سے بہت دور ہے اگر وہاں سے خبر منگائی گئی تو برس گزر جائیں گے میں اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں اور وہ اتنی محبت کرتے ہیں کہ اگر میری اطلاع انہیں جلدی نہ ملی تو ممکن ہے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں اور تم مشینی گھوڑے پر سوار ہو کر ایران چلیں۔ وہاں میں اپنے والد،

شادی کے لیے مجبور کرلوں گا۔ اور جب ایک دفعہ یہ فرض ادا ہوگیا تو ان ہی کی معرفت تمہارے والد سے بات چیت کرلی جائے گی۔ اور اطرح امید ہے کہ وہ بھی معاف کر دیں گے۔

شہزادی بنگلہ جو فیروز سے بے حد محبت کرنے لگی تھی۔ راضی ہوگئی اور ایک روز دونوں ملازمین کی نگاہوں سے بچ مشینی گھوڑے پر سوار ہوکر ایران جا پہنچے۔ شہزادے نے بیرون شہر اپنے محل میں اس کو ٹھہرایا اور داروغہ کو تاکید کردی۔ کہ شہزادی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد خود باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ ایران بیٹے کے واپس آجانے سے بہت خوش ہوا۔ جشن عام کا حکم دیا گیا اور ہندی کاریگر کو بھی چھوڑ دیا گیا فیروز نے اپنی ساری داستان سنائی۔ اور عرض کی کہ شہزادی کو پورے اعزاز سے شہر میں لایا جائے شاہ ایران نے اسی وقت حکم دیا کہ شہزادی کو نہایت آرام سے لائیں۔ فیروز امراء وزراء کو لے کر اس کے استقبال کو روانہ ہوا۔

ہندوستانی کاریگر جب چھوٹ کر باہر آیا تو اس کو سب حالات معلوم ہوئے وہ دل میں جلا ہوا تو تھا ہی سیدھا بیرون شہر محل میں پہنچا اور داروغہ سے کہا کہ کل کے گھوڑے میں کچھ خرابی ہوگئی ہے۔ مجھے شہزادے نے حکم دیا ہے کہ اس کو درست کروں۔ اس نے اجازت دے دی۔ کاریگر محل کے اندر گیا۔ اور شہزادی بنگلہ کو زبردستی گھوڑے پر سوار کر کے لے اڑا فیروز جب وزرائے کے ساتھ واپس پہنچا تو گھوڑا اور شہزادی دونوں غائب تھے داروغہ سے حال دریافت کیا۔ تو اس نے ہندی کاریگر کی آمد کا حال سنایا۔ شہزادے نے سر پیٹ لیا اور اسی وقت فقیرانہ لباس پہن کر اس کی تلاش میں نکلا۔ باپ نے ہر چند روکا لیکن وہ نہ مانا۔ زاد راہ کے لیے ایک ڈبیہ میں کچھ جواہرات لیے اور ایک سمت کو روانہ ہوگیا۔

کاریگر شہزادی کو لے کر کشمیر کے ایک جنگل میں اترا۔ اور شادی کا خواہش مند ہوا۔

شہزادی نے انکا کیا جب کاریگر کا اصرار بڑھا تو اس نے غصہ سے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

کاریگر نے غیرت کے مارے آپے سے باہر ہوکر شہزادی کے قتل کا ارادہ کیا۔ اتفاقاً شاہ کشمیر شکار کھیلتا ہوا اس طرف آنکلا۔ اور یہ دیکھ کر کہ ایک مرد کسی عورت کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ دور ہی سے اس کو دھمکایا کاریگر ڈر کر رک گیا۔ اتنے میں بادشاہ وہاں آپہنچا۔ اور حال دریافت کیا شہزادی نے سب حال عرض کر کے کہا کہ یہ مجھے زبردستی بھگا لایا ہے کاریگر نے انکار کیا اور

کہنے لگا کہ یہ میری بیوی ہے اور گھر جانے سے انکار کرتی ہے۔ شاہ کشمیر نے ایک غلام کو اشارہ کیا تو اس نے غلام کاریگر کو تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ وہیں گر کر ختم ہوگیا۔

کشمیر کا بادشاہ، شہزادی کے ہمراہ

کشمیر کا بادشاہ جو شہزادی پر عاشق ہو چکا تھا اس کو ساتھ لے کر محل کو روانہ ہوگیا۔ شاہ کشمیر شہزادی کے ساتھ محل میں آیا اور اس کی خدمت کے لیے کنیزیں مقرر کر دیں چند روز کے بعد شہزادی کو معلوم ہوا کہ بادشاہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے وہ گھبرائی اور دو تین دن تک روتی رہی کہ اب میں کیا کروں۔ آخر اس کی سمجھ میں ایک تدبیر آگئی چنانچہ شادی سے ایک ہفتہ پہلے وہ بیمار بن گئی کپڑے پھاڑ ڈالے پاس آنے والوں کو بھی مارتی کبھی کاٹنے کو دوڑتی بادشاہ نے بڑے بڑے معالج بلائے لیکن کسی طرح شہزادی کا جنون کم نہ ہوا۔ اسی حال میں کئی مہینے گزر گئے۔

فیروز جب فقیر بن کر شہزادی کی تلاش میں نکلا تو وہ جنگلوں میں پھرتا ہوا خدا کے فضل سے کشمیر میں آپہنچا۔ یہاں آکر اس نے شہزادی کی بیماری کا حال سنا تو خیال آیا حکیم بن کر اس کو بھی دیکھنا چاہیے۔ ممکن ہے گوہر مقصود ہاتھ لگ جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو طبیب ظاہر کیا اور ایک روز دربار شاہی میں جا پہنچا۔ اور عرض کیا کہ میں نے شہزادی کی تکلیف کا حال سنا اس لیے آیا ہوں ممکن ہے میرے ہاتھ سے اس کو شفا ہو جائے۔ بادشاہ نے جو شہزادی کی صحت سے مایوس ہو چکا تھا۔ ایک خواجہ سرا کو حکم دیا کہ اس کو مریضہ کے پاس لے جاؤ۔ اور جس طرح کہے تعمیل کرو خواجہ سرا اس کو لے کر شہزادی کے محل میں آیا فیروز نے دور سے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کہ یہ میری ہی شہزادی ہے اس نے سب کو رخصت کر دیا۔ تنہائی میں شہزادی سے کہا۔ کہ آپ کا خیر خواہ حاضر ہے۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور پہچانتے ہی دوڑ کر سینے سے لپٹ گئی اس کے بعد دیر تک رو رو کر اپنی مصیبت کی داستان سناتی رہی۔

شہزادے نے کہا تم چند روز میں آہستہ آہستہ درست ہو جاؤ پھر میں یہاں سے نکلنے کی تدبیر کروں گا۔ شہزادی نے کہا تمہارا مشینی گھوڑا یہاں خزانے میں رکھا ہے یہ لوگ اس کے

اوصاف سے لاعلم ہیں کسی ترکیب سے اس کو حاصل کرو۔ تو بڑی آسانی ہو جائے گی
شہزادے نے کہا سب انتظام ہو جائے گا۔ پھر اس کو تسلی دے کر واپس آ گیا۔ چند روز علاج
ہوتا رہا۔ اور شہزادی آہستہ آہستہ تندرست ہو گئی۔ شاہ کشمیر بہت خوش ہوا اور فیروز کو بہت کچھ
انعام واکرام دینے لگا۔ فیروز نے عرض کیا۔ کہ ابھی شہزادی کا مرض پوری طرح ختم نہیں ہوا
ہے یہ غالباً کسی جادو کی سواری پر بیٹھی ہے اور اترتے وقت کسی کی منت پوری نہیں کی گئی۔
جب تک دوبارہ اس سواری پر بٹھا کر اور دھونی دے کر منتر نہ پڑھا جائے گا۔ مرض کے
بڑھنے کا خطرہ ہے۔

جو شاہ کشمیر اس نئے طبیب کی قابلیت کا کچھ پہلے ہی معترف تھا۔ یہ بات سن کر بہت
ہی قائل ہو گیا۔ اور لکڑی کے مشین والے گھوڑے کا ذکر کر کے کہا کہ یہ غالباً اسی جادو کے
گھوڑے پر سوار ہوئی تھی چنانچہ اس نے دھونی کا سب سامان منگا دیا اور وہ گھوڑا بھی لا کر
حاضر کیا گیا ان سب کو میدان میں لا کر فیروز نے شہزادی کو بلوایا۔ پھر عود، اگر اور صندل کی
دھونی جلائی اور اس پر گھی وغیرہ ڈال کر بے مقصد کچھ پڑھ پڑھا کر شہزادی کو گھوڑے پر سوار
کرا دیا۔ جب دھواں اتنا زیادہ پھیل گیا کہ لوگ قریب کی چیز کو بھی اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے
تھے تو شہزادہ خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور ہنڈل گھما کر گھوڑے کو ہوا میں اڑا۔

پھر پکار کر آواز دی کہ او ظالم شاہ کشمیر! شہزادی میری محبوبہ تھی تو زبردستی اپنے قبضہ
میں لانا چاہتا تھا۔ اب میں اس کو لیے جا رہا ہوں تیرے لیے یہی سزا کافی ہے کہ تو اس کی یاد
میں تڑپتا رہے۔ اس کے بعد اس نے گھوڑے کو بلند کیا۔ اور سب منہ دیکھتے رہ گئے فیروز
شہزادی کو لے کر اپنے محل میں اترا اس کے آنے سے بادشاہ بہت خوش ہوا اور بڑے اہتمام
سے شہزادی اور فیروز کی شادی کر دی اس کے بعد سب حالات شاہ بنگلہ کو لکھ دیئے۔ وہ بھی
مجبوراً راضی ہو گیا اور بیٹی کے لیے کافی جہیز بھیجا۔ اور سب ہنسی خوشی رہنے سہنے لگے۔

پری بانو اور شہزادہ احمد

قدیم زمانے میں ہندوستان کے کسی حصہ میں ایک نہایت نیک اور انصاف پسند
بادشاہ رہتا تھا اس کے تین بڑے لڑکے تھے۔ سب سے بڑا حسین منجھلا علی، چھوٹا احمد
۔ بادشاہ سب سے یکساں محبت کرتا تھا۔ ان تینوں بھائیوں کی ایک چچازاد بہن نور النہار تھی۔
نور النہار بے حد حسین اور ذہین لڑکی تھی حسین، علی اور احمد تینوں اس سے محبت کرتے تھے۔
اور ہر ایک کی خواہش تھی۔ کہ میری شادی نور النہار سے ہو۔ بادشاہ بھی اس بات سے واقف
تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس معاملہ کا تصفیہ ہو جائے۔ بہت غور کے بعد ایک روز اس نے
تینوں بیٹوں کو بلایا۔ اور کہا کہ تم تینوں سفر کے لیے جاؤ۔ اور میرے لیے حسب مرضی کچھ تحفے
لاؤ۔ جس کا تحفہ زیادہ اچھا ہو گا اس سے نور النہار کی شادی کر دوں گا۔ تینوں بھائیوں نے سر
تسلیم خم کیا اور سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ بادشاہ نے معقول زاد راہ دے کر سب کو رخصت
کیا۔ حدود شہر تک تو وہ ایک ساتھ رہے پھر الگ الگ سمت میں روانہ ہو گئے۔

بڑے شہزادے حسین کو بش گڑھ دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ وہ اسی سمت روانہ ہوا
اور بہت دشوار گزار راستوں کو طے کرتا ہوا وہاں جا پہنچا۔ شہر کی زیبائش دیکھ کر اسے بہت
خوشی ہوئی رعایا خوشحال تھی۔ اور زر و جواہرات کی ہر طرف فراوانی نظر آتی تھی۔ ایک روز
حسین بازار میں ایک دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دلال غالیچہ لے کر آیا اور ایک دوکاندار کو
دکھا کر کہنے لگا کہ اگر پسند ہو تو یہ غالیچہ چالیس ہزار اشرفی میں ملتا ہے۔ حسین نے بڑے تعجب
سے اسے دیکھا اور کہنے لگا کہ اس میں کیا خاص کرامات ہیں۔ جو اتنی قیمت مانگتے ہو۔ دلال
نے کہا کہ یہ عجب چیز ہے اس پر بیٹھ کر جہاں کا حکم دیجئے فوراً اسی جگہ پہنچا دے گا۔

شہزادہ اس کی یہ وصف سن کر بہت خوش ہوا۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ والد کے لیے
اس سے بہتر اور کون سا تحفہ ہو گا۔ چنانچہ اس نے امتحان کے بعد چالیس ہزار اشرفی میں یہ
غالیچہ خرید لیا۔ اور یہ سوچ کر کہ میں اس کی مدد سے ذرا سی دیر میں وطن پہنچ سکتا ہوں شہر کی
تفریح کے لیے مزید قیام کا ارادہ کر لیا۔ تینوں بھائی یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ ایک سال کی مدت
ختم ہونے پر شہر سے باہر ایک جگہ ملیں گے اور ایک ساتھ والد کے پاس جائیں گے۔ حسین

مطمئن ومسرور سیر وتفریح میں مشغول رہا ایک روز اس نے وہاں کا بت خانہ دیکھا۔ جہاں پیتل کے قدم آدم بت تھے۔ اور لاتعداد جواہرات بطور نذر وہاں چڑھائے جاتے تھے۔ اس بابت خانے کے چاروں طرف باغ تھا اس میں بھی جگہ بہ جگہ بت نصب تھے۔ قریب ہی شاہی محل تھا اس کے چاروں طرف عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں بعض اس طرح بنائی گئی تھیں کہ جہاں چاہو ان کو لے جاؤ۔ محل کے دروازوں پر نہایت عمدہ ہاتھی بنا دیئے گئے تھے غرض ایسے محلات تھے کہ حسین ان کو دیکھ کر حیران بھی ہوا اور مسرور بھی جب بھائیوں کے ملنے کا وقت قریب آیا۔ تو حسین اپنے غالیچہ پر بیٹھ کر فوراً روانہ ہو گیا اور جگہ مقررہ پر پہنچ گیا

بت خانہ

اور دوسرے دو بھائیوں کا انتظار کرنے لگا۔

شہزادہ علی سفر کرتا ہوا شیراز جا پہنچا۔ اور شہر میں ایک مکان لے کر رہنے لگا۔ اور اس کی تلاش میں تھا کہ اپنے والد کے لیے کیا تحفہ لے کر جائے کہ ایک روز اس کو بھی ایک سوداگر ملا۔ اور ہاتھی دانت کی ایک گز کے قریب لمبی دوربین دکھا کر کہنے لگا۔ کہ یہ آپ جیسے رئیسوں کے قابل تحفہ ہے اس کی چالیس ہزار اشرفی قیمت ہے علی نے پوچھا کہ اس میں کیا کمال ہے صرف اتنے سے ہاتھی دانت کے ٹکڑے کی اس قدر قیمت تو کوئی بیوقوف شخص بھی نہیں دے سکتا۔ سوداگر کہنے لگا کہ جناب یہ صرف ہاتھی دانت نہیں۔ اس میں عجوبہ ہے کہ آپ کو جس چیز کے دیکھنے کی خواہش ہو اس میں دیکھئے۔ فوراً ہزار میل کا حال آئینہ کے سامنے آجاتا ہے۔ علی نے دوربین لے کر پہلے اپنے باپ کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دربار میں بیٹھا ہوا فیصلہ کر رہا ہے اس نادر دوربین کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور دل میں خیال کیا کہ والد کے لیے اس سے بہتر اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے چنانچہ اس نے قیمت ادا کر کے دوربین لے لی۔ اور جگہ مقررہ کی طرف روانہ ہوا اور دشوار گزار سفر طے کر کے وہاں آ پہنچا۔ اور بڑے بھائی سے مل کر بہت خوش ہوا۔

شہزادہ احمد بھائیوں سے الگ ہو کر سمرقند پہنچا۔ اور کسی عمدہ تحفہ کی تلاش میں پھرتا رہا ایک روز ایک شخص اس ہزار و ملا۔ جو ایک مصنوعی سیب لا رہا تھا اس نے احمد سے مخاطب ہو کر

کہا۔ کہ آپ کسی ملک کے شہزادے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سیب ملاحظہ فرمایئے۔ بادشاہوں کے قابل تحفہ ہے احمد نے پوچھا اس کی قیمت کیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ بیس ہزار اشرفیاں۔ احمد نے کہا کہ بھائی اس میں کیا قدرت ہے بظاہر تو ایک معمولی مصنوعی سیب ہے وہ شخص کہنے لگا کہ اس کی تاثیر یہ ہے کہ اگر کسی قریب المرگ بیمار کو سنگھا دیا جائے تو وہ تندرست ہو جاتا ہے۔ احمد وہاں کے دارالشفاء میں کئی مریضوں پر تجربہ کیا اور جب صحیح ثابت ہوا تو باپ کے لیے یہ عجیب وغریب تحفہ بیس ہزار اشرفیاں دے کر خرید لیا۔ پھر یہ بھی منزل مقصود کے لیے روانہ ہوا۔ اور آخر اپنے دوسرے بھائیوں سے جا ملا۔ وہاں تینوں نے اپنے اپنے تحفے ایک دوسرے کو دکھائے اور خود ہی کہنے لگے کہ بظاہر والداب بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکیں گے۔ کہ کس کا تحفہ عمدہ ہے۔

ایک روز سب نے کہا کہ علی تم اپنی دوربین سے دیکھو۔ نورالنہار کیا کر رہی ہے علی نے دوربین لگا کر حال دیکھا۔ اور کہنے لگا کہ وہ سخت بیمار ہے اور سب اس کے گرد پریشان بیٹھے ہیں۔ باقی دونوں بھائیوں نے بھی باری باری یہ حال دیکھا۔ تو پریشان ہو گئے اور حسین کے غالیچہ پر بیٹھ کر حکم دیا کہ نورالنہار کے کمرے کے سامنے ہمیں پہنچا دے۔ غالیچہ اڑا اور چند لمحوں میں کمرے کے دروازے پر آکر ٹھہر گیا۔ تینوں شہزادے جھٹ اندر جا پہنچے تو بادشاہ ان کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

قریب المرگ نورالنہار

احمد نے فوراً سیب نکال کر نورالنہار کو سنگھایا۔ اس کو اسی وقت ہوش آ گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد بالکل صحت یاب ہو گئی۔ تینوں شہزادوں نے اپنے اپنے تحفے بادشاہ کے سامنے پیش کئے بادشاہ بہت خوش ہوا پھر کہنے لگا اس وقت تینوں تحفوں نے برابر کام دیا ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی موجود نہ ہوتا تو نورالنہار اچھی نہیں ہو سکتی تھی اس لیے میرے خیال میں کسی کو فوقیت نہیں دی جا سکتی اب میں سمجھتا ہوں کہ جنگل میں چل کر تم تینوں تیر چلاؤ۔ جس کا تیر سب سے آگے جائے گا۔

تینوں شہزادوں کا تیر چلانا

اسی سے نورالنہار کا عقد کردوں گا۔ شہزادے راضی ہو گئے۔ اور جنگل میں جا کر ایک کھلے میدان میں تیر چلائے۔ احمد کا تیر تو کسی کو نظر نہ آیا ہر چند دور ونزدیک تلاش کیا لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ باقی حسین اور علی میں علی کا تیر آگے نکل گیا۔ چنانچہ بادشاہ نے نورالنہار کی شادی علی سے کر دی۔ احمد وحسین اس تقریب میں شریک نہیں ہوئے حسین نے فقیری لے لی۔ اور گوشہ نشین ہو گیا لیکن احمد پریشان تھا کہ میرا تیر کہاں گیا۔ چنانچہ وہ اس کی تلاش میں روانہ ہوا۔ تین چار میل آگے جا کر احمد کو اپنا تیر زمین میں دھنسا ملا۔ وہ حیران تھا کہ تیر یہاں کیسے آ گیا تیر لے کر وہ اپنے والد کو دکھانے کا ارادہ رکھتا تھا کہ آپ نے بہت جلدی فیصلہ کر دیا کہ اتفاقاً اسے وہیں ایک دروازہ نظر آنے لگا۔ احمد رفع استعجاب کے لیے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ تو ایک وسیع میدان میں ایک نفیس محل نظر آیا وہ اس طرف بڑھا تو اندر سے ایک مہ جبین زہرہ مہتاب نوجوان شہزادی چند کنیزوں کے جھرمٹ میں نکلی۔ اور احمد کے قریب آئی احمد نے بڑے ادب سے سلام کیا شہزادی نے اس کو خوش آمدید کہا۔ اور نام لے کر خیر وعافیت کی خبر پوچھی۔ احمد حیران رہ گیا کہ اس کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔

آخر وہ ضبط نہ کر سکا۔ اور پوچھا کہ آپ مجھے کس طرح جانتی ہیں۔ وہ مہ جبین مسکرائی اور احمد سے کہنے لگی کہ آیئے پہلے تشریف رکھئے۔ پھر میں سب حال عرض کروں گی۔ احمد اس کے ساتھ بارہ دری میں آیا جہاں اس کو نفیس مسند پر بٹھا دیا وہ نوجوان شہزادی بھی قریب ہی بیٹھ گئی احمد نے دیکھا بارہ دری میں ایسے لاجواب جواہرات لگے ہوئے ہیں کہ ہفت اقلیم کی دولت ان کے آگے ماند ہے اس کے بعد وہ شہزادی بولی کہ میں پریوں کی نسل سے ہوں میرا نام پری بانو ہے میں مدت سے آپ کو جانتی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ تینوں بھائی نورالنہار سے شادی کے خواہش مند ہیں میں نے ہی آپ کے والد کو یہ طریقہ بتایا ہے کہ شہزادوں سے تحفے منگائیے پھر خود ہی حسین کو بشن گڑھ میں غالیچہ دیا۔ علی کو شیراز میں دوربین اور تمہیں سمرقند میں سیب۔ جب اس طرح فیصلہ نہ ہو سکا تو میں نے ہی تمہارے والد کو تیر کی ترکیب سمجھائی۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ تمہارا تیر سب سے آگے جائے گا۔ اس لیے میں

نے اس کو ہوا میں روک لیا۔ اور یہاں لا کر گاڑ دیا دراصل یہاں آپ کو تکلیف دینے کی خطا وار میں ہی ہوں۔ اب آپ کو اختیار ہے جو سزا چاہے دیجئے۔

احمد پری بانو کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو چکا تھا کہنے لگا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ قدرت نے نورالنہا سے زیادہ حسین شہزادی سے ملاقات کرا دی میں آپ کا بے دام غلام ہوں۔

شہزادہ احمد اور پری بانو کی ملاقات

پری بانو مسکرا کر کہنے لگی کہ مجھے تو مزید کچھ کہنا سننا ہی نہیں سارے واقعات سن کر آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا۔ میں مدت سے آپ کی طلب گار کنیز ہوں۔ احمد نے محبت سے پری بانو کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور آپس میں قول قرار ہو گئے پھر احمد کہنے لگا کہ یہ تو فرمایئے ہمارا آپ کا میل کیونکر ہوگا۔ آپ کے والد ہمارا عقد کرنے کو کس طرح تیار ہوں گے۔ پری بانو نے کہا کہ اس معاملہ میں والد نے مجھے اختیار دے رکھا ہے آپ فکر مند نہ ہوں۔

اس کے بعد دونوں کا نکاح ہو گیا تمام دن احمد پریوں کا ناچ دیکھتا رہا شب کو کھانے کے بعد دور شراب چلا۔ جب کافی رات بیت گئی تو دونوں عاشق ومعشوق خلوت کے میں چلے گئے رات عیش وراحت میں بسر ہوئی۔ صبح کو پھر رقص وسرور ہوتی رہی۔ غرض دونوں میاں بیوی آرام سے زندگی بسر کرنے لگے اسی طرح ایک مہینہ گزر گیا تو ایک روز احمد نے پری بانو سے کہا کہ میں اپنے والدین سے ملنا چاہتا ہوں۔ پری بانو کہنے لگی کہ یوں تو آپ کو اختیار ہے جہاں دل چاہے جایئے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ اگر مجھ سے بیوفائی برتی تو میں زندہ نہیں رہوں گی۔ آپ کی جدائی میری برداشت سے باہر ہے۔ احمد نے بہت قسمیں کھا کر اطمینان دلایا کہ صرف مل کر چلا آؤں گا۔ پری بانو نے بادل نخواستہ اجازت دے دی اور ایک نہایت نفیس گھوڑا جس کا ساز لاکھوں روپے کا تھا سواری کیلئے حاضر کیا احمد اس پر سوار ہو کر باپ سے ملنے کے لیے چلا گیا۔

علی کی شادی کے بعد حسین واحمد نظر نہ آئے تو بادشاہ نے وزیر سے پوچھا کہنے لگا حضور! حسین تو گوشہ نشین ہو گئے ہیں لیکن احمد کا پتہ نہیں چلا کہاں چلے گئے۔ بادشاہ بہت

پریشان ہوا اور منادی کرادی کہ جو احمد کو ڈھونڈ کر لائے گا منہ مانگا انعام ملے گا لیکن اس کا پتہ
نہ چلا۔ آخر ایک روز بادشاہ نے نجومیوں کو بلا کر احوال دریافت کیا۔ تو نجومیوں نے حساب
لگا کر کہا کہ حضور! شہزادہ زندہ سلامت اور بڑے عیش و آرام میں ہیں اور عنقریب آپ سے
ملیں گے بادشاہ اس دن سے اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

احمد پری بانو سے رخصت ہو کر باپ سے ملنے چلا۔ تو راہ میں لوگوں نے اس کو دیکھا تو
ایک جم غفیر جمع ہو گیا اور محل تک ہمراہ آیا بادشاہ نے پوچھا یہ کیسا غل ہے؟ لوگوں نے عرض کیا
کہ شہزادہ احمد آئے ہیں اتنے میں احمد آ کر باپ کے قدموں میں گر گیا بادشاہ نے اٹھا کر
سینہ سے لگایا۔ اور پھر پوچھنے لگا کہ تم کہاں چلے گئے تھے مجھے معلوم ہے کہ نور النہار کی شادی
علی سے ہونے کی وجہ سے تم ناراض ہو گئے لیکن پھر بھی کم از کم مجھے اپنا پتہ تو دیتے۔ احمد نے
کہا میں اپنے تیر کی تلاش میں گیا تھا پھر ایک ایسی جگہ پہنچ گیا کہ اس کو عرض نہیں کر سکتا۔ بہر
حال اب میں خوش ہوں۔ اور جلدی جلدی قدم بوسی کرتا رہوں گا۔

بادشاہ نے کہا کہ تم خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں مجھے تمہارا راز معلوم کرنے کی خواہش
بھی نہیں بس اتنا ہے کہ کبھی کبھی صورت دکھا جایا کرو۔ احمد نے وعدہ کیا کہ وقتاً فوقتاً حاضر ہوتا
رہوں گا۔ اس کے بعد باپ سے رخصت ہو کر پری بانو کے پاس آیا۔ وہ بھی چشم براہ تھی
بڑی محبت سے استقبال کیا۔ اور اندر لے گئی اس کے بعد پھر عیش و عشرت سے رہنے لگی۔
پری بانو کو روز بروز احمد سے زیادہ محبت ہو رہی تھی۔ وہ ایک لحہ بھی اسے نظروں سے اوجھل نہ
کرنا چاہتی تھی لیکن یہ اجازت دے دی تھی کہ ہر مہینہ تین چار روز کے لیے والد سے ملنے
چلے جایا کرو۔

غرض دونوں بڑے پیار سے رہتے رہے۔ احمد ہر مہینہ ماں باپ سے ملنے جایا کرتا اور
ہر بار اس کی شان و شوکت پہلے سے زیادہ ہوتی بادشاہ کے وزیروں میں ایک وزیر احمد کی
شان دیکھ کر حسد کرنے لگا۔ ایک روز موقعہ پا کر اس نے شہزادے کی شکایت بادشاہ سے
کر دی۔ احمد اپنی جائے رہائش آپ سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کی
حشمت و دولت روزانہ بڑھ رہی ہے کہیں وہ فوجی طاقت پیدا کر کے آپ پر حملہ نہ کر دیں۔
اور آپ بے خبری میں نقصان نہ اٹھائیں۔ نور النہار کی شادی کے سلسلہ میں وہ ناراض بھی
ہیں اس وقت کی یہ بات بادشاہ کو بھی کھٹک گئی۔ اس نے ہر طرف آدمی روانہ کئے لیکن کوئی

پتہ نہ چلا۔ آخر اس نے ایک بوڑھی جادوگرنی کو بلایا۔ اور کہا کہ تم احمد کی جائے رہائش معلوم
کرو جادوگرنی وعدہ کر کے چلی گئی جب احمد کے آنے کا وقت آیا تو وہ منتظر رہی۔ احمد حسب
دستور آ کر باپ سے ملا پہلے تو بادشاہ نے خود ہی باتوں باتوں میں اس کا پتہ کرنا چاہا لیکن احمد
نے نہ بتایا جب احمد رخصت ہو کر چلا تو وہ جادوگرنی چھپ چھپ کر پیچھے ہو لی۔ احمد جنگل
میں آ کر دروازہ میں داخل ہو گیا۔ جب جادوگرنی نے دیکھا تو احمد غائب تھا۔ وہ پریشان
ہوئی بات ہی ایسی تھی کہ دروازہ بغیر پری بانو کی مرضی کے کسی کو نظر آنا ممکن نہ تھا۔ وہ
جادوگرنی بڑی چالاک تھی۔ اس نے دوسرے مہینے کا انتظار کیا اور جب احمد نکلا تو آپ بیمار
بن کر راستہ میں پڑ گئی۔ احمد نے اس کا حال سنا تو بڑھیا کو اپنے ساتھ لا کر پری بانو کے سپرد
کیا۔ کہ اس کی خبر گیری کرنا اور خود باپ کے پاس چلا گیا پری بانو نے بڑھیا کو دیکھ کر پہچان
لیا لیکن احمد کی محبت کی وجہ سے خاموش رہی اور اس کی اچھی طرح تواضع کی۔ دو روز بعد وہ
مصنوعی مریضہ تندرست ہو کر جانے لگی۔ تو پری بانو نے کنیزوں کے ساتھ دروازے سے
باہر بھیج دیا بڑھیا نے پلٹ کر دیکھا اور دروازہ دیکھنا چاہا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

احمد والد کے واپس چند روز رہ کر واپا آیا بڑھیا جادوگرنی بادشاہ کی خدمت میں حاضر
ہوئی اور کل حال بیان کر دیا اور کہنے لگی۔ کہ گو احمد سعادت مند ہے لیکن ممکن ہے پری کے
بہکانے میں کوئی حرکت نہ کر بیٹھے۔ وزیر نے کہا کہ آپ شہزادے کو قید کرا دیجئے۔ لیکن ساحرہ
نے منع کیا اور کہنے لگی۔ اس طرح پریوں سے دشمنی ہو جائے گی اور وہ سارا ملک تباہ و برباد
کر دیں گی ان سے دشمنی مول لینا حماقت ہے آپ ایسا کیجئے کہ اب کی مرتبہ شہزادہ آئے تو
اس سے کہئے کہ مجھے ایسا خیمہ منگا دو جو آدمی کی جیب میں آ جائے۔ اور جب کھول کر
پھیلائیں تو ایک لاکھ آدمی اس کے نیچے آ جائیں اگر وہ شہزادہ خیمہ لے آیا تو میں چند چیزیں
بتا دوں گی آپ ان کی فرمائش کیجئے گا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پری ناراض ہو کر خود ہی اس کو قتل
کر دے گی۔ یہ رائے سب نے پسند کی اور احمد کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

حسب معمول احمد آیا۔ تو باپ نے بہت مدارت کی۔ اور ایک روز موقعہ پا کر کہہ دیا
کہ بیٹا یہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمہاری شادی پری سے ہوئی ہے اور اس سے مجھے خوشی بھی
ہوئی کیونکہ تمہاری بھی خوشی ہے اس لیے میں پتہ تو نہیں پوچھتا لیکن ایک تحفہ کی ضرور خواہش
ہے تم اپنی بیوی سے کہہ کر ایک ایسا خیمہ لا دو جو ایک آدمی کی جیب میں آ جائے اور جب

اسے کھولیں تو اس میں ایک لاکھ آدمی سما جائیں احمد نے کہا کہ میں نے تو آج تک وہاں ایسا خیمہ نہیں دیکھا لیکن میں پری سے درخواست کروں گا۔ لیکن وعدہ نہیں کرتا کیونکہ یہ چیز میرے اختیار کی نہیں ہاں! اگر ممکن ہوا تو حاضر ہو جائے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ جب وہ تمہاری بیوی ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ تمہاری خواہش کو رد کر دے گی۔ اور اگر اس کو اپنے خاوند کی کوئی پرواہ نہیں تو تمہیں مرد کہلاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ کم از کم میں تو تمہارا منہ نہیں دیکھوں گا احمد رنجیدہ دل گرفتہ پری بانو کے پاس آیا تو چہرہ سے ملال ٹپکتا تھا۔ پری بانو نے پوچھا خیر تو ہے نصیب چہرہ دشمنان پر گرد و ملال کیوں ہے شہزادے نے کل حالات سنائے پھر تعجب سے کہنے لگا معلوم نہیں والد کو میرا حال کیسے معلوم ہوا۔ پری بانو ہنس کر کہنے لگی کہ جو بڑھیا تم علاج کے لیے لائے تھے وہ بادشاہ کی بھیجی ہوئی ساحرہ تھی۔ وہ سب کچھ دیکھ کر گئی ہے اس نے بادشاہ کو سمجھایا ہے احمد کہنے لگا کہ والد نے مجھے آج یہ کہا کہ اگر تم اپنی بیوی سے اتنا مرعوب ہو تو اپنے آپ کو مرد کہلانا چھوڑ دو۔ مجھے اس کا بے حد رنج ہے۔ پری بانو نے احمد کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کہنے لگی میری جان میری روح تم پر قربان تم اتنی سی بات کا کیوں فکر کرتے ہو۔ خیمہ میں منگائے دیتی ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے مشیروں نے حالات خراب کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تم دیکھو گے کہ ان کی فرمائشیں بڑھتی جائیں گی۔ اور انجام میں وہ خود برباد ہو جائیں گے۔ میں جانتی ہوں۔ کہ یہ سب کچھ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے کیا جا رہا ہے لیکن پری بانو کی زندگی میں اس کی جان روح احمد کو کوئی بری آنکھ سے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ احمد اس کی وسعت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے بعد پری بانو نے ایک خیمہ منگوایا اور اس کو تہہ کر کے احمد کو پیش کیا۔ تو وہ اس قدر مختصر تھا کہ احمد کی جیب میں آ گیا مہینہ بھر تک احمد پری بانو کے ساتھ رہا۔ اور جب مہینہ ختم ہوا تو خیمہ لے کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ خیمہ دیکھ کر بظاہر خوش ہوا۔ کہ خیمہ تو آ گیا۔ بڑھیا بولی کہ یہ فرمائش کیجئے کہ شیروں کے چشمے کا پانی لاؤ۔ چنانچہ جب بادشاہ اور احمد کھانا کھانے بیٹھے تو بادشاہ نے خیمہ کی تعریف و توصیف کے بعد کہا۔ کہ بیٹا اپنی بیوی پری سے کہہ کر شیروں کے چشمے کا پانی منگا دو۔ اس کی یہ خاصیت ہے کہ جس بیمار کو یہ پلایا جائے وہ تندرست ہو جاتا ہے ایسی نایاب چیز کا ہونا بڑی مسرت کی بات ہے اور میں چاہتا ہوں کہ قریب و جوار کے بادشاہ میری حکومت کی تعریف کریں۔ احمد نے کہا میں وعدہ نہیں کرتا لیکن آپ کی فرمائش ان تک پہنچا

دوں گا۔ پھر وہ باپ سے رخصت ہو کر پری بانو کے پاس آیا اور باپ نے جو کچھ کہا تھا اس کو بتا دیا پری بانو پہلے تو دیر تک احمد کو پیار کرتی رہی پھر کہنے لگی کہ وہ بدنصیب ساحرہ بادشاہ کو بہکاتی ہے اور ایسی ایسی چیزوں کی فرمائش کراتی ہے جن کی فرمائش سے پری تمہیں قتل کر دے لیکن کیا معلوم ہے انہیں کہ پری بانو اپنے پیارے احمد کو کتنا چاہتی ہے اور ساری فرمائشیں پوری کر کے انجام کار انہی کے سر پر تباہی لائے گی۔ اس کے بعد اس نے شہزادی سے کہا کہ میں تمہیں ایک گیند دوں گی۔ اور چار گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے۔ دروازے سے باہر نکل کر گیند کو زمین پر ڈال دو اور اس کے پیچھے چلے جانا وہ تمہیں شیروں کے چشمے پر لے جائے گی وہاں چار شیر ہیں دو پہرے پر جاگ رہے ہیں اور دو سو رہے ہوں گے تمہیں دیکھ کر سوتے شیر بھی بیدار ہو جائیں گے۔ اس وقت یہ گوشت کے ٹکڑے ان کے آگے ڈال دینا جب وہ کھانے میں مصروف ہو جائیں تو تم جلدی سے پانی لے کر گھوڑے پر سوار ہو کر چلے آنا پھر اس نے ایک گیند احمد کو دی۔ اور بکری منگا کر ذبح کی۔ اور اس کے چار ٹکڑے کرا کر گھوڑے پر بندھوا دیئے اور احمد کو سینے سے لگا کر رخصت کیا۔ احمد گیند کے پیچھے شیروں کے چشمے پر جا پہنچا۔ جونہی شیروں نے اس کو دیکھا دوسرے شیروں کو بھی جگا دیا اور سب مل کر احمد کی طرف دوڑے احمد نے گوشت کے ٹکڑے ان کے آگے ڈال دیئے اور جلدی سے چشمے سے مشکیزہ بھر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سیدھا اپنے باپ کے محل پر پہنچا۔ پانی لے کر سامنے رکھ دیا باپ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ بے شک تمہاری بیوی وفادار ہے۔ پھر احمد کو باعزاز مہمان رکھا اور خود خفیہ طور پر اس ساحرہ سے ملا اور کہنے لگا کہ شہزادہ تو شیروں کے چشمے کا پانی بھی لے آیا ہے اور اس کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ یہ سن کر ساحرہ بھی ڈر گئی اور کہنے لگی۔ کہ شہزادے کی معشوقہ کوئی بہت ہی طاقتور پری ہے اب آپ اس سے کہیے کہ مجھے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جس کا قد دس گز اور داڑھی بیس گز ہو لیکن اس کا ایک بال بھی زمین پر نہ لگے۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہوں۔ اور مونچھیں کانوں پر لپٹی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ فرمائش پوری نہ ہو سکے گی۔ اور ضرور شہزادہ جن کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ بادشاہ نے بوڑھی ساحرہ کو رخصت کر دیا اور شہزادے کے پاس آیا اس سے فرمائش کا ذکر کیا۔

شہزادہ باپ کی فرمائشوں سے تنگ ہو کر پری بانو کے پاس آیا اور سب حال سنایا پری بانو ہنس اور کہنے لگی کہ یہ فرمائش تو کچھ مشکل نہیں ساحرہ نے جس شخص کا حلیہ بتایا ہے وہ میرا

بھائی ہے جب تم جاؤ گے اُسے ملادوں گی امید ہے کہ انجام بھی قریب آ گیا ہے پھر دونوں مہینہ بھر تک عیش وعشرت میں مشغول رہے جب شہزادے کی روانگی کا وقت آیا۔ تو پری بانو نے ایک انگیٹھی روشن کر کے کچھ پڑھا اور اپنے سر کا بال توڑ کر جلایا۔ اسی وقت ایک ہیبت ناک آدمی سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جس کا دس گز قد اور بیس گز کی بل کھاتی ہوئی داڑھی قریب تھا کہ شہزادہ غش کھا جائے لیکن اس نے بڑے ضبط سے اپنے اوپر قابو حاصل کیا اور اٹھ کر آنے والے شخص کو سلام کیا۔ اور پری بانو نے اس سے کہا کہ بھائی شیر رو بیٹھو۔ شیر رو نے احمد کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ آدم زاد کون ہے پری بانو نے شرما کر جواب دیا میرا شوہر ہے۔ جس وقت میں نے شادی کی تھی آپ کوہ قاف گئے ہوئے تھے اس لیے میں نہ بلا سکی۔ شیر رو نے احمد کو پیار کیا پھر پری بانو سے پوچھا کہ اس وقت مجھے کیوں بلایا ہے پری بانو نے شروع سے آخر تک کل قصہ بیان کیا۔ اور کہا کہ ایک وزیر کے یہ سب فریب ہیں اور ایک ساحرہ! یہ سب فرمائشیں کرائی ہے۔

پری زاد، شیر رو اور احمد کی ملاقات

شیر رو اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور احمد سے کہنے لگا عزیز بھائی آؤ۔ میں تمہارے ساتھ چلوں احمد اس کے ساتھ محل سے باہر آیا اور دونوں بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں جس نے شیر رو کو دیکھا چیخیں مارتا ہوا بھاگا دربار تک پہنچتے پہنچتے سارے شہر میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ احمد شیر رو کو لیے ہوئے بادشاہ کے سامنے پہنچ گیا۔ شیر رو نے بادشاہ سے پوچھا تم نے مجھے کیوں بلایا ہے اس کی صورت دیکھ کر بادشاہ اوندھے منہ گر پڑا اور پیشاب خطا ہو گیا۔ سب امیر و وزیر خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ جب بادشاہ نے شیر رو کو کوئی جواب نہ دیا تو اس نے غصہ میں اپنا بائیس من گرز اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا بادشاہ تخت پر گر کر رہ گیا پھر اس نے سب حاسد امراء وزراء کو ایک ایک گرز مار کر ختم کر دیا صرف ایک وزیر جو احمد کا حامی تھا اس کی سنارش سے بچا اس کے بعد شیر رو نے رعایا کی مزاج پرسی کا ارادہ کیا۔ لیکن احمد نے کہا کہ ان کا کوئی قصور نہیں ہے پھر شیر رو نے اس خبیث ساحرہ کو بلا کر اپنے پاس کھڑا

کرا کے قتل کرا دیا جو اس تمام جھگڑے کی بانی تھی اس کے بعد اس نے احمد کو تخت پر بٹھایا اور سب کو بلا کر حلف وفاداری لیا احمد کا ایما پر علی کو صوبے کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیا۔ احمد نے حسین کو بلا کر پوچھا کہ آپ جہاں کی حکومت چاہیں وہاں بھیج دوں۔ حسین نے شکریہ ادا کر کے کہا میں گوشہ نشین رہنا چاہتا ہوں احمد نے کہا آپ کی مرضی اگر کسی وقت کوئی تکلیف ہو تو مجھے مطلع فرمائیے۔ اب احمد نے یہیں رہنا شروع کیا۔ پری بانو بھی محل میں آ گئی اور اپنے پیارے شوہر کے ساتھ رہنے لگی۔ شیر رو واپس چلا گیا اور جاتا ہوا کہہ گیا کہ اگر کسی وقت ضرورت پڑے تو بے تکلف مجھے بلا لینا۔

جب شہزاد نے یہ قصہ ختم کیا تو دینا زاد دیر تک تعریف کرتی رہی بادشاہ نے بھی داد دی۔ شہزاد نے وعدہ کیا کہ کل انشاء اللہ تین بہنوں کا قصہ سناؤں گی۔

تین بہنوں کی داستان

اگلے روز وعدے کے مطابق شہزاد نے اس طرح قصہ شروع کیا۔

پچھلے زمانے میں خسرو ایران کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کی عادت تھی کہ لباس تبدیل کر کے شہر کا گشت کرتا تا کہ رعایا کے برے بھلے حالات سے واقف رہے۔ ایک روز حسب معمول وہ اپنے وزیر کے ساتھ شہر میں گشت کے لیے نکلا۔ ایک چھوٹی سی گلی میں مکانوں کو دیکھنے لگا کہ غربا کس طرح بسر اوقات کرتے ہیں۔ انہیں مکانوں میں عورتوں کے بولنے کی آواز آئی۔ بادشاہ گفتگو سننے کے لیے ٹھہر گیا۔ کواڑ کی درز میں سے جھانک کر دیکھا تو تین نوجوان عورتیں چرخہ کات رہی تھیں۔ ان میں سے بڑی بہن بولی کہ اگر میرا بس چلے تو میں نانبائی سے بیاہ کرلوں۔ اور اس مشقت کی زندگی سے نجات پاؤں۔ منجھلی بہن بولی کہ میں بادشاہ کے باورچی سے نکاح کرلوں تا کہ عمدہ عمدہ کھانے روز ملیں۔ سب سے چھوٹی بہن نے کہا کہ جب تم خیالی پلاؤ پکا رہی ہو تو میں بھی بادشاہ ہی سے بیاہ نہ کرلوں کہ سارا ملک مجھے ملکہ کہے پھر ہنسنے لگیں۔

بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اس گھر کو پہچان لو صبح ان تینوں عورتوں کو دربار میں حاضر کرنا۔ اس کے بعد بادشاہ گشت کر کے آرام کرنے چلا گیا۔ دوسرے روز وہ تینوں بہنیں

دربار میں پیش کی گئیں بادشاہ نے رات کا قصہ پوچھا تو وہ ڈر گئیں لیکن خسرو نے نرمی سے کہا
کہ خوف کی کوئی ضرورت نہیں جو بات تھی بیان کرو۔ مجبوراً انہوں نے رات کو جو کچھ کہا تھا
بادشاہ کے سامنے دوہرا دیا۔ بادشاہ نے اسی وقت بڑی اور منجھلی بہن کی شادی نانبائی اور
باورچی سے کردی اور چھوٹی کو اپنی ملکہ بنالیا۔

چند روز بعد دونوں بڑی بہنیں چھوٹی سے حسد کرنے لگیں۔ اور فکر ہوئی کہ اسے کسی
طرح بادشاہ کی نظروں میں ذلیل کریں۔ قضاء قدر سے اسی زمانے میں ملکہ کو آثار حمل ظاہر
ہونے لگے۔ دونوں بہنیں مبارکباد کو آئیں چھوٹی بہن غریب جوان کے فریب سے ناواقف
تھی بڑی محبت سے پیش آئی اور باتوں باتوں میں ولادت کے وقت ان دونوں کو بلانے کا
ارادہ کیا۔ وہ بہت خوشی سے راضی ہو گئیں اور انہوں نے دل میں پختہ ارادہ کرلیا کہ جب اس
کے یہاں بچہ ہوگا تو اس کو الگ کر کے بلی کا بچہ اس کی گود میں ڈال دیں گے۔ مشہور کردیں
گے کہ بلی کا بچہ پیدا ہوا ہے اس طرح بادشاہ ناراض ہو کر یا تو قتل کرادے گا یا گھر سے نکال
دے گا۔ جب ملکہ پر وضع حمل کا وقت آیا تو اس نے اپنی بہنوں کو بلانے کی بادشاہ سے
اجازت لے لی۔ اور اطلاع کرادی۔ یہاں میرے پاس آجاؤ بڑی اور منجھلی بہن گئیں اور
ایک بلی کے بچے کا انتظام کرلیا ملکہ کے یہاں ایک نہایت خوبصورت لڑکا پیدا ہوا حاسد
بہنوں نے بچے کو تو ایک ٹوکری میں بند کر کے اسے نہر میں بہا دیا جو باغات میں بہتی تھی۔ اور
ملکہ کی گود میں بلی کا بچہ رکھ دیا سارے محل میں مشہور ہوگیا کہ ملکہ کی گود میں بلی جیسا بچہ پیدا ہوا
ہے خسرو کو یہ سن کر بہت غصہ آیا۔ اور اس نے ملکہ کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن دانا اور عقلمند وزیر
نے روکا۔ اور کہا کہ چند روز صبر کیجئے مجھے اس میں کوئی راز معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ ملکہ کا
قصور بھی کیا ہے قدرت نے جو کچھ پیٹ میں بنایا وہی پیدا ہوگیا۔

ٹوکری نہر میں بہتی ہوئی جارہی تھی کہ بادشاہ کے مالی کی نظر پڑ گئی۔ اس نے نکال کر
دیکھا اس میں ایک نوزائیدہ بچہ تھا۔ مالی کے گھر کوئی اولاد نہ تھی وہ خوشی خوشی بچہ کو لے کر گھر
آیا۔ اور اپنی بیوی کے سپرد کردیا۔ مالن نے اپنے ہی بچے کی طرح پالنا شروع کردیا۔ ٹوکری
چونکہ شاہی محل کی طرف سے آئی تھی مالی نے اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ ممکن ہے کوئی بادشاہی
راز ہو۔ بچہ پلتا رہا یہاں تک کہ ایک سال کا ہوگیا۔

دوسرے سال ملکہ کے یہاں پھر بچہ پیدا ہوا بد نصیب ملکہ نے لاعلمی سے اپنی بہنوں کو

اس مرتبہ بھی بلالیا تھا۔ اب کہ انہوں نے مردہ کتے کا پلا ڈال کر مشہور کردیا کہ مردہ کتے کا بچہ
پیدا ہوا ہے اصلی لڑکا ٹوکرے میں ڈال کر نہر میں بہا دیا اتفاقاً اس کو بھی مالی نے پکڑ لیا اور
اپنے گھر پر پرورش کرنے لگا۔

تیسرے سال پھر ملکہ کی لڑکی پیدا ہوئی لیکن حاسد بہنوں نے اس کو بھی مردہ چوہا مشہو
ر کردیا اور لڑکی کو نہر میں بہا دیا۔ قضاء قدرت سے لڑکی بھی مالی کو مل گئی۔ اس نے اسے بھی
رکھ لیا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر ملکہ کو ایک لوہے کے پنجرے میں بند کر کے شہر کی مسجد کے
دروازے پر رکھوا دیا کہ ہر آنے والا اس کے منہ پر تھوکے جو انکار کرے اس کو قتل کردیا جائے
لوگ مجبوراً ملکہ کے منہ پر تھوکتے اور بادشاہ کے ظلم کو برا سمجھتے۔

تینوں بچے مالی کے یہاں پرورش پاتے رہے مالی نے تعلیم و تربیت شہزادوں جیسی
کرائی۔ لڑکی بھی اسی طرح پڑھتی جیسے شہزادوں کا قاعدہ ہے۔ بڑے بھائی کا نام مالی نے
بہمن چھوٹے بھائی کا پرویز اور لڑکی کا نام پری زاد رکھا اور اسی نام سے ہر ایک مشہور ہوا اسی
زمانے میں مالن اتفاقاً بیمار ہو کر مر گئی۔ بچوں کو اتنا ہی رنج ہوا جیسا کہ ماں کا ہوتا ہے چونکہ وہ
اسی کو ماں سمجھتے تھے اسی اثناء میں سب پڑھ لکھ کر جوان ہو گئے۔ مالی بھی روپے پیسے والا تھا
اس نے بادشاہ سے اجازت لے کر ایک محل تعمیر کرایا اور بہت بڑا باغ بنوایا۔ جس میں ایک
چڑیا خانہ بھی تھا اور معینہ تینوں بچوں کے اس میں رہنے لگا ابھی یہاں رہتے زیادہ دن نہیں
ہوئے تھے کہ مالی بھی مر گیا بچے بہت ہی پریشان ہوئے لیکن کیا ہوسکتا تھا۔ آخر کار صبر کر کے
بیٹھ گئے۔ دونوں بھائی سیر و شکار کے لیے جاتے پری زاد باغ میں اپنا دل بہلاتی یا کبھی
گالیتی اتفاقاً ملکہ کی حاسد بہنوں کو ان کا بھی پتہ چل گیا کہ ان کی آتش حسد بھڑک اٹھی
انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ملکہ کا تو خوب انتظام ہوگیا لیکن اگر یہ بچے زندہ رہے تو
ممکن ہے کسی وقت راز کھل جائے ان کو بھی یہاں سے چلتا کرو چنانچہ انہوں نے ایک کٹنی کو
بلا کر اپنا منشا ظاہر کیا وہ کہنے لگی تم اطمینان رکھو۔ میں ان کو ایسے طریقے سے یہاں سے
ہٹاؤں گی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے گی۔

ایک روز بہمن اور پرویز شکار کو گئے ہوئے تھے۔ کٹنی ان کے گھر آئی اور پری زاد سے
نماز کی اجازت لے کر وضو کر کے نماز پڑھنے لگی۔ پری زاد اس کی نیکی سے متاثر ہوئی اور
باصرار کھانا کھلا کر اپنے ساتھ باغ دکھانے لے گئی مکار کٹنی باغ دیکھ کر کہنے لگی یوں تو ہر چیز

اگر وہ مل جائیں تو پھر یہ بے نظیر ہو جائے گا۔
موجود ہے لیکن اس میں تین چیزوں کی کمی ہے
پری زاد نے پوچھا وہ کیا چیزیں ہیں؟ کٹنی نے کہا ان کا ملنا ذرا مشکل ہے۔ پری زاد نے
اصرار کیا کہ تم بتاؤ تو سہی بڑھیا نے کہا۔ اس میں بولتی چڑیا، گاتا درخت اور سنہری چشمے کے
پانی کی کسر ہے اگر وہ آ جائیں تو پھر یہ باغ نمونہ جنت بن جائے گا۔ پری زاد بولی! یہ
چیزیں کہاں سے ملتی ہیں کٹنی نے کہا۔ یہاں سے بیس روز کی منزل پر ہندوستان کی سرحد پر جو
پہلا آدمی ملے گا وہ راستہ بتا سکتا ہے۔ اگر ہمت والا آدمی ہو تو ضرور ان نوادرات کو پا سکتا
ہے۔ ورنہ یوں لاکھوں آدمی دنیا میں بھیڑ بکریوں کی طرح پھر رہے ہیں بڑھیا شوق کی
آگ بھڑکا کر رفو چکر ہو گئی۔ لیکن پری زاد ایک گہری سوچ میں پڑ گئی شام کو جب دونوں
بھائی شکار سے واپس آئے تو خلاف معمول بہن کو متفکر پایا حال دریافت کیا تو اس نے تمام
کیفیت بیان کی۔ بہمن نے کہا تم اتنا رنج کیوں کرتی ہو میں جاتا ہوں اور یہ سب چیزیں
لے کر آؤں گا۔ اگلے روز بہمن سفر کو تیار ہو گیا اور بہن کو ایک خنجر نکال کر دیا کہ یہ میری نشانی
ہے جب تک یہ صاف ہے سمجھنا میں بخیر ہوں جب دیکھو کہ میلا ہو گیا تو اس وقت مجھے کوئی
مصیبت درپیش آئی ہو گی۔ اور اگر خون آلود ہو جائے تو سمجھنا کہ میں اس دنیا میں نہیں رہا۔
اس کے بعد بھائی بہن سے رخصت ہو کر بیس روز تک اسی راستے پر چلتا رہا جو کٹنی نے
بتایا تھا اکیسویں روز سرحد ہندوستان پر اسے ایک کٹیا نظر آئی اور سیدھا وہاں پہنچا تو دیکھا
اندر ایک فقیر بیٹھا ہے اور اس کا چہرہ بالوں سے چھپا ہوا ہے۔ بہمن نے جیب سے قینچی نکال
کر فقیر کا خط بنایا اور پھر ادب سے سلام کیا فقیر خوش ہوا اور کہنے لگا بابا یہاں کیسے آنا ہوا بہمن
نے اپنا مطلب عرض کیا اور کہا کہ اپنی بہن کے لیے بولتی چڑیا گانے والے درخت اور سنہری
چشمے کے پانی کی تلاش ہے فقیر نے آہ سرد بھر کر کہا بیٹا مجھے راستہ تو معلوم ہے لیکن وہاں
خطرات بہت ہیں چونکہ میری خدمت تم نے بہت کی ہے میں تمہیں اس کام سے منع کرتا
ہوں۔ بہت سے آدمی اسی آرزو میں گئے لیکن واپس کوئی نہیں آیا بہمن نے اصرار کیا تو فقیر
نے اپنی گدڑی سے ایک گیند نکال کر دی اور کہا اس کو زمین پر ڈال دینا اور خود اس کے پیچھے
روانہ ہو جانا جہاں یہ گیند رک جائے گی تم بھی گھوڑے پر سے اتر جانا۔

بہمن اور فقیر کی ملاقات

سامنے ایک پہاڑ ہوگا۔ اس پہاڑ پر چڑھ جانا۔ جب تم پہاڑ پر چڑھو گے تو ہر طرف
سے عجیب و غریب آوازیں آئیں گی۔ اور تمہیں اپنی طرف متوجہ کریں گی۔ لیکن کوئی نظر نہیں
آئے گا اس وقت ضبط سے کام لینا۔ اگر تم نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا تو پتھر کے ہو کر رہ جاؤ گے۔
اور اگر آگے چلے گئے تو تمہاری مطلوبہ چیزوں ہیں موجود ہوں گی۔ لے کر چلے آنا۔

بہمن کا پتھر بن جانا

بہمن نے فقیر کا شکریہ ادا کیا۔ اور گیند زمین پر ڈال کر خود اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔
گیند ایک پہاڑ کے درمیان ٹھہر گئی۔ بہمن گھوڑے سے اترا اور پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ ابھی چند
قدم ہی چڑھا تھا کہ چاروں طرف سے شور مچ گیا مزید گالیوں کی آوازیں آنے لگیں لینا
پکڑو پکڑو بہمن سب کچھ سنتا برابر بڑھتا رہا جب اور اوپر چڑھا تو گالیاں سن سے بہمن کا
خون کھول گیا چند قدم اور بڑھا تو بالکل برابر سے کسی نے بڑی سخت گالی دی۔ اور بہمن تلوار
لے کر پلٹا تو وہاں کچھ نہ تھا لیکن خود پتھر کا ہو کر رہ گیا۔
پری زاد روز بہمن کا خنجر دیکھتی اور اس کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتی۔ ایک روز اس
کی طبیعت اداس تھی۔ دن میں خنجر اٹھا کر دیکھا تو وہ چمک رہا تھا اسی طرح شام ہو گئی لیکن اس
کی پریشانی رفع نہ ہوئی۔ پرویز باہر سے آیا تو کہنے لگا۔ کہ بہمن بھائی کا خنجر مجھے دکھانا میرا جی
خود بیٹھا جا رہا ہے۔ پری زاد اندر سے خنجر لائی اور میان سے نکالا تو وہ بالکل سیاہ ہو چکا تھا یہ
حال دیکھ کر پری زاد رونے لگی اور پرویز سے کہا کہ ضرور بھائی بہمن پر کوئی زبردست آفت
آ پڑی ہے۔ کیونکہ خنجر تاریک ہو گیا ہے خدا کا شکر ہے کہ وہ ابھی زندہ ضرور ہے۔
پرویز بڑا پریشان ہوا اور بہن کو سمجھا بجھا کر کہنے لگا کہ میں بہمن کی تلاش میں جاتا ہوں
پری زاد نے کہا کہ بھائی! میں یہاں اکیلی کس طرح رہوں گی پرویز کہنے لگا کہ میں تمہیں خدا

کے سپرد کرتا ہوں لیکن سوچو اگر اس وقت بہن کی مدد نہ کی گئی تو اس کا کیا حشر ہوگا۔

اس کے بعد دونوں بہن بھائی مل کر بہت روئے پرویز نے اپنے گلے سے موتیوں کی مالا اتار کر بہن کو دی اور کہا اس سے میری حالت کا اندازہ ہوتا رہے گا۔ جب تک یہ اچھی رہے میں بھی بخیر ہوگا اور اگر اس کے دانے ایک دوسرے سے جڑ جائیں تو میری موت کا دن ہوگا پری زاد نے بھائی کا ہار گلے میں پہن لیا اور کہا جاؤ میں تمہیں خدا کے سپرد کرتی ہوں۔

پرویز کا گیند کے تعاقب میں جانا

پرویز بیس دن سفر کے بعد اکیسویں روز اسی فقیر کی کٹیا پر پہنچا۔ اور وہی سوال کیا کہ بولتی چڑیا، گاتا ہوا درخت اور سنہری چشمے کا پانی لینے آیا ہوں۔ فقیر نے سمجھایا کہ بیٹا کیوں اپنی جان دیتا ہے۔ چندروز ہوئے تیرا ہم شکل ایک نوجوان گیا تھا لیکن ابھی تک واپس نہیں آیا شاید پتھر کا ہو گیا ہوگا۔ تم اس ارادے سے باز آؤ پرویز نے کہا بابا وہ میرا بھائی تھا اب میں بھی ضرور جاؤں گا۔ یا اپنی جان دے دوں گا یا بھائی کا انتقام لوں گا۔ فقیر نے جب دیکھا کہ یہ نہیں مانے گا تو ایک گیند نکال کر اس کو دیا اور سب نشیب و فراز سمجھا دیئے۔ پرویز گیند کو ڈال کر اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ گیند پہاڑ کے دامن میں جا کر رک گیا۔ پرویز گھوڑے سے اتر کر پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ جونہی اس نے قدم بڑھایا ہر طرف سے شور و غل بلند ہونا شروع ہو گیا اور گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ کوئی اس کا نام لے لے کر اس طرح دھمکانے لگا کہ باوجود انتہائی کوشش کے پرویز ضبط نہ کر سکا اور تلوار لے کر پیچھے پلٹا ہی تھا کہ اسی وقت پتھر کا ہو گیا۔

جس روز پرویز پتھر کا ہوا اسی وقت پری زاد کے گلے میں پڑی ہوئی مالا کے دانے ایک ایک کے قریب ہو گئے جس سے پری زاد نے سمجھ لیا کہ پرویز پر بھی کوئی آفت آ پڑی ہے تمام دن وہ بھائیوں کو یاد کر کے روتی رہی۔ دوسرے روز اس نے فیصلہ کیا کہ جب بھائی نہ رہے تو میں رہ کر کیا کروں گی۔ چنانچہ مردانہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور توکل بر خدا چل دی۔ بیس روز کی مسافت کے بعد اکیسویں روز درویش کے جھونپڑے میں پہنچ

گئی۔ اور وہی سوال کیا۔ درویش نے آہ سرد بھر کر کہا کہ بیٹی! مجھے معلوم ہے کہ تم مرد نہیں ہو پھر اتنا بڑا ارادہ کیوں کیا اس راہ میں تو بڑے بڑے جوانمرد ضائع ہو گئے۔ پری زاد نے ہاتھ باندھ کر کہا بابا! ابھی چند روز ہوئے میرے دو بڑے بھائی آ کر یہیں کھپ گئے۔ اب میں یا تو ان کا بدلہ لوں گی یا یہیں ختم ہو جاؤں گی۔ اسے بھی فقیر نے پہاڑ کے سب اسرار بتا دیئے۔ اور ایک گیند نکال کر پری زاد کو دی۔ کہ اس کے تعاقب میں چلی جاؤ۔ پہاڑ تک پہنچ کر اوپر چلی جانا۔ پری زاد نے گیند لے کر درویش کو سلام کیا پھر اپنی جیب سے روئی نکال کر کانوں میں اس طرح ٹھونسنی شروع کی کہ بالکل کان بند ہو گئے یہ دیکھ کر درویش مسکرایا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بیٹی تم ضرور کامیاب ہو جاؤ گی یہ ترکیب آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس طرح بیشک نہ کان میں آوازیں آئیں گی۔ اور نہ تو دھوکا کھائے گی۔ جاؤ خدا تمہاری مدد کرے پری زاد گیند کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئی۔ اور پہاڑ کے دامن پہنچ کر گھوڑے سے اتری کانوں کی روئی از سر نو ٹھیک کی۔ اور پہاڑ پر چڑھنے لگی ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں لیکن پری زاد کے کان بند تھے کچھ سنائی نہ دیتا تھا وہ بے خطر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی وہاں ایک چڑیا کا پنجرہ لٹک رہا تھا۔ پری زاد نے اپنے کانوں کی روئی نکالی۔ سنا کہ چڑیا شور مچا رہی ہے۔ اس کو پکڑ لو یہ چور ہے پری زاد نے بڑھ کر اس کا پنجرہ اتار لیا چڑیا خاموش ہو گئی کچھ دیر بعد بولی اب میں آپ کی غلام ہوں پری زاد نے کہا گانے والا درخت کہاں ہے چڑیا نے اس کا پتہ بتا دیا اور کہا اس کی شاخ توڑ لو وہی کافی ہے پری زاد نے اس کی شاخ توڑ لی۔ پھر سامنے کے چشمے سے وہیں رکھا ہوا۔ ایک چاندی کا گھڑا بھر لیا۔ پھر پری زاد نے چڑیا سے پوچھا کہ میرے بھائی جو پتھر ہو گئے ہیں کس طرح اچھے ہوں گے۔ چڑیا بولی یہ سب طلسم کا کھیل ہے اسی چشمے کا پانی ڈال دو۔ پھر خدا کی قدرت دیکھو۔ پری زاد نے پہلے اپنے بھائیوں کو پہچان کر ان پر سنہرے چشمے کا پانی چھڑکا۔ وہ اسی وقت اصلی حالت میں آ گئے اور بہن سے مل کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد تینوں نے مل کر ان تمام آدمیوں پر بھی چشمے کا پانی چھڑکا جو پتھر کے بنے ہوئے تھے پانی پڑتے ہی سب کے سب حکم خدا سے اصلی حالت پر آ گئے اور پری زاد کا بے حد شکریہ ادا کیا اس کے بعد سب پہاڑ کے نیچے اترے تو دیکھا کہ گھوڑے کھڑے ہنہنا رہے ہیں سب نے اپنے اپنے گھوڑے پہچانے اور ان پر سوار ہو کر شاہراہ پر آ گئے۔

پری زاد کا آنا اور پتھر کے جوانوں کی واپسی

وہاں آ کر دیکھا نہ تو فقیر تھا اور نہ اس کی کٹیا، صاف میدان پڑا ہے پری زاد کہنے لگی کہ یہ فقیر ہی طلسم سے متعلق تھا۔ جب طلسم ختم ہو گیا تو وہ بھی غائب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے ان سب نوجوانوں کو رخصت کیا۔ اور خود اپنے بھائیوں کے ساتھ نوادرات لیے ہوئے اپنے وطن روانہ ہو گئی۔ گھر آ کر اس نے گانے والے درخت کی شاخ ایک موزوں جگہ پر لگا دی۔ اور ایک عمدہ حوض میں فوارہ تیار کرا کر اس میں سنہرے چشمے کا پانی ڈال دیا جب اگلے دن صبح کو دیکھا تو اس شاخ کی بجائے ایک پورا درخت کھڑا تھا اس میں عجیب و غریب سر پھوٹ رہے تھے حوض لبریز تھا اور فوارہ زور سے چل رہا تھا۔ بارہ دری میں چڑیا کا پنجرہ لٹک رہا تھا۔ اور چڑیا عمدہ عمدہ باتیں کرتی تھی۔

سارے شہر میں ان چیزوں کی شہرت ہو گئی جوں جوں لوگ ان عجائبات کو دیکھنے آتے حیران رہ جاتے۔

ایک روز بہمن اور پرویز شکار کھیل کر واپس آ رہے تھے راستہ میں بادشاہ کی سواری مل گئی ہر چند انہوں نے کوشش کی کہ بچ کر نکل جائیں۔ لیکن سامنا ہو ہی گیا۔ مجبوراً مؤدب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور جب بادشاہ قریب سے گزرا تو جھک کر تعظیم بجا لائے ان کو دیکھ کر بادشاہ کی طبیعت خود بخود کھنچنے لگی۔ چنانچہ سواری دیکھ کر دریافت کیا کہ تم کس کے لڑکے ہو انہوں نے عرض کیا کہ حضور کے مالی کے لڑکے ہیں اور فلاں جگہ حضور کی اجازت سے محل تیار کرایا تھا۔ اس میں رہتے ہیں بادشاہ کے دل میں لحہ بہ لحہ ان کی محبت بڑھ رہی تھی صرف بات بڑھانے کو پوچھا۔ کہ تم کہاں سے آ رہے ہو بہمن نے عرض کیا شکار کھیلنے گئے تھے بادشاہ نے کہا کہ بغیر اجازت تم شکار گاہ میں کیوں گئے دونوں بھائیوں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ ہمیں ممانعت کا علم نہیں تھا۔ آئندہ خطا نہیں ہو گی بادشاہ ان کے طور طریقے دیکھ کر اور زیادہ خوش ہوا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگا۔ اچھا میرے ساتھ آ ؤ۔ دکھاؤ کیا شکار کھیلتے ہو۔ دونوں بھائی ساتھ ہو لیے جنگل میں جا کر تھوڑی دیر میں کئی شیر مار لائے اور بادشاہ کے آگے پیش کئے بادشاہ ان کی جرات اور مہارت سے اور بھی زیادہ متاثر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ تم میرے

ساتھ محل شاہی میں چلو۔ کھانا کھا کر چلے جانا دونوں بھائیوں نے پھر ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ تعمیل حکم میں عذر نہیں لیکن ہماری ایک بہن اور ہے ہم سب نے مل کر قسم کھا رکھی ہے کہ بغیر آپس کے مشورے سے کوئی کام نہ کریں گے اس سے دریافت کر لیں۔ اور کل حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ اور دونوں بھائی گھر آ گئے۔ لیکن بادشاہ کی دعوت کا ذکر پری زاد سے کرنا بھول گئے دوسرے روز بادشاہ سے شکار گاہ میں ملاقات ہوئی تو یہ دونوں شرمندہ ہوئے اور معذرت کی حضور ہمیں یاد نہیں رہا کل دریافت کر کے حاضر ہوں گے غرض اس طرح برابر تین دن تک بھولتے رہے۔ چوتھے روز بادشاہ نے دونوں کو ایک ایک گیند دیا اور کہا اس کو کمر میں باندھ لو جب کپڑے اتارو گے تو یہ گریں گی تو تمہیں یاد آ جائے گا۔

دونوں بھائیوں نے شکریہ ادا کر کے گیند کمر میں باندھ لیے۔ رات کو جب لیٹنے لگے تو وہ گیند کپڑوں سے گریں۔ اور انہیں بادشاہ سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا دونوں اسی وقت پری زاد کے پاس آئے۔ اور بادشاہ کی دعوت کا ذکر کیا۔ پری زاد کہنے لگی تم نے پہلے ہی یاد کیوں نہیں رکھا خیر ٹھہرو میں اپنی چڑیا سے معلوم کر کے بتاؤں گی۔ چنانچہ وہ چڑیا کے پاس آئی اور سوال کیا کہ میرے بھائیوں کو بادشاہ کے یہاں دعوت میں جانا چاہیے۔ چڑیا نے کہا ہاں۔ پری زاد بھائیوں کے پاس آئی اور کہا کہ آپ بادشاہ کی دعوت منظور کر لیں اور دوسرے روز کے لیے اپنے بادشاہ کو مدعو کریں میں اس کا انتظام کر لوں گی۔

دوسرے روز بہمن و پرویز پھر شکار گاہ میں بادشاہ سے ملے اور کہا کہ ہماری بہن بہت ناراض ہوئی کہ تم نے پہلے کیوں نہ دعوت منظور کر لی۔ اور اگر آپس کی قسم کا پاس تھا تو اسی دن کیوں نہ یاد رکھا بادشاہ نے ہنس کر کہا کوئی بات نہیں اس میں بھی کچھ بہتری ہو گی۔ پھر وہ ان دونوں بھائیوں کو اپنے ساتھ لے کر محل سرا میں داخل ہوا راستے میں جب لوگوں نے دیکھا تو بہت متعجب ہوئے کہ یہ کہاں کے شہزادے ہیں لوگ ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

بادشاہ بہمن اور پرویز کو لے کر اپنے کمرہ خاص میں آیا پھر دسترخوان چنا گیا۔ اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ بادشاہ کی یہ حالت تھی کہ اس کا جی چاہتا تھا کہ یہ دونوں ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہیں۔ جب تک کھانا کھایا جاتا رہا بادشاہ برابر کنکھیوں سے دونوں

بھائیوں کو دیکھتا رہا۔ کھانے کے بعد محفل رقص و سرور منعقد ہوئی۔ غرض رات تک دونوں بھائی بادشاہ کے مہمان رہ کر رخصت ہونے لگے۔ تو دست بستہ درخواست کی کل جب حضور شکار سے واپس ہوں تو ہمارے غریب خانے کو بھی عزت بخشیں۔ بادشاہ جو روز بروز ان کا معتقد ہوا جاتا تھا انکار نہ کر سکا اور کہنے لگا بچو میں ضرور تمہارے ہاں چلوں گا۔

دونوں بھائی اپنے گھر آئے اور سب قصہ اپنی بہن پری زاد کو سنایا۔ دوسرے روز بہمن اور پرویز تو شکارگاہ میں چلے گئے۔

پری زاد چڑیا کے پاس آئی اور کہنے لگی میری پیاری چڑیا۔ آج بادشاہ کی ہمارے ہاں دعوت ہے کیا کھانا پکانا چاہیے۔ چڑیا نے کہا تمہارے پاس اچھے اچھے باورچی ہیں ان کو حکم دو کہ اچھے اچھے کھانے تیار کریں۔

لیکن ایک رکاب موتیوں کی کھیر ضرور پکوانا۔ پری زاد نے کہا۔ موتیوں کی کھیر کیسے پکے گی اور اتنے موتی کہاں سے آئیں گے۔

چڑیا بولی! باغ میں فلاں درخت کے نیچے خزانہ ہے۔ جتنے چاہو موتی نکال لو۔ پری زاد نے خود جا کر کھودا تو واقعی لاتعداد خزانہ گڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک صندوقچی موتیوں کی نکال لی۔ اور باورچی کو بلا کر مختلف کھانے پکانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی موتیوں کی صندوقچی دے کر کہا کہ اس کی کھیر پکاؤ۔ باورچی حیران رہ گیا۔ اور کہا کہ بیگم صاحبہ! موتیوں کی کھیر کس طرح پکے گی اور یہ کس طرح کھائی جائیں گی پری زاد نے کہا کہ تم کو اس سے کیا تمہیں جو حکم دیا گیا ہے وہ کرو۔ باورچی نے کہا بہتر ہے حضور!

بہمن پرویز اور بادشاہ کا باہم شکار کھیلنا

بہمن اور پرویز تمام دن بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلتے رہے۔ شام کو جب واپسی کا وقت آیا تو دونوں بھائیوں نے بادشاہ کو رات کا وعدہ یاد دلایا۔ بادشاہ تیار ہو گیا۔ اور شکارگاہ سے سیدھا ان کے گھر چلا آیا۔ جب پری زاد کو معلوم ہوا کہ بادشاہ تشریف لائے ہیں تو اپنی کنیزوں کے ساتھ دوڑ کر دروازے پر استقبال کیا۔ بادشاہ نے پری زاد کو دیکھا تو اس کے سینے میں اس طرح ہوک اٹھی۔ جیسے بہمن و پرویز کو دیکھ کر اٹھی تھی۔ اس نے پری زاد کو بیٹیوں

کی طرح پیار کیا پھر تینوں بھائی بہن بادشاہ کو اپنا باغ دکھانے کے لیے گئے۔

وہاں بادشاہ نے درخت سے طرح طرح کی آوازیں آتی ہوئی سنیں۔ تو بہت حیران ہوا اور پوچھا یہ کیا اسرار ہے۔ بہمن نے سب حال بتایا کہ ہماری بہن یہ نادر و نایاب تحفہ اس طرح لائی ہے بادشاہ بے حد خوش ہوا اور درخت کا دل آویز گانا سنتا رہا پھر حوض اور فوارہ دیکھا جس میں سنہری پانی برستا تھا۔ اس کے بعد بولتی چڑیا کے پنجرے کے پاس آیا وہاں بہت سے پرندے اس کے گرد جمع تھے پری زاد نے پکار کر کہا۔ غافل چڑیا بادشاہ سلامت کھڑے ہیں۔ چڑیا فوراً مؤدب ہو گئی اور بادشاہ کو سلام کر کے معذرت خواہ ہوئی۔

بادشاہ اس کی گفتگو سن کر حیران رہ گیا۔ جب یہ سب کھانا کھانے کے لیے چلے گئے تو چڑیا نے کہا مجھے وہیں لے چلو۔ پری زاد نے پنجرہ اپنے ساتھ لیا اور کمرہ طعام میں لا کر لٹکا دیا بادشاہ کے ساتھ کھانا کھانے کو بیٹھا تو موتیوں کی کھیر دیکھ کر حیران ہوا اور کہنے لگا یہ کیسی کھیر ہے کیا موتی بھی کھائے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ تم سب عقل مند ہو گے۔ لیکن یہ ایسی بیوقوفی ہے جس کا جواب ملنا مشکل ہے۔ بہمن پرویز اور پری زاد خاموش ہو کر چڑیا کی طرف دیکھنے لگے۔ چڑیا نے بادشاہ کو مخاطب ہو کر کہا کہ آپ موتیوں کی کھیر دیکھ کر تو حیران ہیں اور ہمیں بے وقوف بناتے ہیں لیکن میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ جب آپ کے ساتھیوں نے یہ کہا تھا کہ ملکہ ہاں بلی کتے اور چوہیا پیدا ہوئے ہیں اس وقت آپ نے یہ نہ سوچا کہ انسان کے ہاں جانور کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں۔

چڑیا کی یہ بات سن کر بادشاہ حیران رہ گیا۔ اور یہ کہا کی بی چڑیا اگر تم یہ راز کی باتیں جانتی ہو تو بتاؤ کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ چڑیا نے کہا کہ ملکہ کی بڑی بہن جن کا بیاہ آپ نے ان کی حسب مرضی نانبائی اور باورچی سے کیا تھا اپنی چھوٹی بہن سے حسد کرنے لگی تھیں چنانچہ ولادت کے وقت انہوں نے پہلی اور دوسری بار کے لڑکوں کو ٹوکری میں ڈال کر باغ کی نہر میں بہا دیا اور مشہور کر دیا کہ بلی و کتے کے بچے پیدا ہوئے ہیں۔

تیسری بار لڑکی ہوئی۔ اس کو بھی اسی طرح نہر میں بہا دیا۔ اور آپ سے کہہ دیا کہ مردہ

چوہا پیدا ہوا ہے لیکن خدا کے حکم سے وہ تینوں بچے آپ کے مالی کے ہاتھ لگ گئے اس نے ان کی خوب اچھی طرح پرورش کی۔ لکھایا۔ پڑھایا اور اب لائق و فائق ہو کر آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ روتا ہوا اٹھا اور اپنے تینوں بچوں کو گلے لگا کر بے حد رویا اور معافی مانگی کہ بیٹا میری لاعلمی میں تم میری محبت سے محروم رہے پھر تینوں بچوں کو لے جا کر جامع مسجد کی سیڑھیوں تک پہنچا دیا۔ اور پنجرہ کھلوا کر ملکہ کے قدموں میں گر گیا۔

اور سارے حال بتا کر معافی مانگی اور ملکہ بھی رونے لگی اور بادشاہ کو اٹھا کر خود اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ اس کے بعد تینوں بچوں کو دیر تک پیار کرتی رہی۔ بادشاہ نے ملکہ کو حمام بھیجا۔ تاکہ غسل لباس تبدیل کرے اور خود بادشاہ نے ملکہ کی حاسد بہنوں کو بلوا کر اسی وقت قتل کروا دیا۔ ملکہ حمام سے فارغ ہو کر آ گئی اس وقت سب نے مل کر ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ دوسرے روز بادشاہ نے جشن عام کا اعلان کر دیا۔

پری زاد پرویز اور بہمن کے ساتھ نئے محل میں آ گئی بادشاہ بھی یہیں رہنے لگا اور اس کے بعد اس نے ایک عرصہ تک نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی مصیبت پیش نہ آئی۔

شہرزاد نے جب یہ کہانیاں ایک ہزار راتوں میں پوری کیں تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس کے دل میں عورتوں کے متعلق جو بدگمانیاں پیدا ہو گئی تھیں وہ دور ہو گئیں۔ اور آئندہ کے لیے اس نے توبہ کر لی کہ ہر روز نئی شادی کر کے پہلی بیوی کو قتل نہیں کروں گا۔

شہرزاد سے اس کو دلی محبت ہو گئی تھی۔ اور وہ اس کو اتنا چاہنے لگا تھا کہ اہم سے اہم کام بھی اس کے مشورے کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ وزیر اعظم کا بھی بادشاہ نے شکریہ ادا کیا کہ تمہاری لڑکی کی وجہ سے میں مزید اس گناہ سے بچ گیا۔ بادشاہ نے پھر شہرزاد کے سوا کسی دوسری عورت کا منہ تک نہیں دیکھا اور امن و چین کی زندگی بسر کرتا رہا۔

(ختم شد)